(اُردو سلسلۂ آصفیہ کا چوتھا انتخاب)

قند اُردو

CHECKED 1993 CHECKED

مؤلفہ

جناب مولوی حافظ جلال الدین احمد جعفری زینبی

ہیڈ مولوی گورنمنٹ ہائے اسکول کانپور

ecked
987

سنہ ۱۹۱۶ء

منشی محمد اسمٰعیل صاحب منیجر کے اہتمام سے

مطبع انوار احمدی الٰہ آباد میں طبع ہوا

قیمت فی جلد عا

تمام حقوق محفوظ ہیں

فہرست مضامین

نثر

	عنوان مضامین	صفحہ
۱	میر امن دہلوی	۱
	پہلے درویش کی سیر (از باغ و بہار)	۲
۲	مرزا رجب علی بیگ سرور	۵
	شہزادہ کے بندر ہونیکے بعد قتل گاہ جانیکی سرگذشت۔ (از فسانۂ عجائب)	۶
۳	شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد	۱۲
	برج بھاشا پر عربی فارسی زبانوں نے کیا اثر کیا۔ (از آب حیات)	۱۴
	شہرت عام اور بقائے دوام کا دربار (از نیرنگ خیال)	۴۵
۴	آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خان	۶۳
	تعلیم و تربیت (از تہذیب الاخلاق)	۶۵
	تعلیم 〃	۷۰
	گذرا ہوا زمانہ 〃	۷۰
۵	مرزا اسد اللہ خان غالب	۷۵
	رقعات (از اردوئے معلی و عود ہندی)	۷۶
۶	شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی	۹۲
	محاورہ اور روزمرہ (از مقدمۂ شعر و شاعری)	۹۴
	نیچرل شاعری 〃	۹۹
	غالب کے اردو نثر پر ریویو (از یادگار غالب)	۱۰۵
۷	شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد دہلوی	۱۱۷
	انگریزوں کے عظمت کی اصلی وجہ (از ابن الوقت)	۱۱۹
	مذہب اور عقل (از ابن الوقت)	۱۲۲
	کارخانۂ عالم 〃	۱۲۸
	ہماری تعلیم (از لکچر)	۱۳۴
۸	مولوی عبد الرشید صاحب دہلوی	۱۳۸
	منازل حیات (از منال السائرہ)	۱۳۸
۹	شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ خان بہادر	۱۴۷
	سب چیزوں میں شان الٰہی نمایاں ہے (از معلم الاخلاق)۔	۱۴۷

	عنوان مضامین	صفحہ
	گھر کی تربیت (از معلم الخصال)	۱۴۹
۱۰	مولوی محمد عبدالحلیم شرر عباسی	۱۵۶
	رنج و الم (از دو نگداز)	۱۵۸
	باغ آرزو	۱۶۱
	فصل بہار	۱۶۶
	لالہ خودرو	۱۶۵
۱۱	شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی	۱۷۳
	میر انیس کی شاعری کے خصوصیات (از موازنہ)	۱۷۴
۱۲	مولوی غلام امام شہید	۱۸۲
	روضۂ تاج گنج کی تعریف (از انشائے بہار بیخزان)	۱۸۳
	قصۂ تہنیت و تعزیت پیر (از انشائے بہار بیخزان)۔	۱۸۸
۱۳	خان بہادر منشی غلام غوث بیخبر	۱۸۹
	صبح اور دوپہر اور شام ہو یکا سما (از فغان بیخبر)	۱۹۰
	شہید کے انشائے بہار بیخزان کی تقریظ	۱۹۳
	خط مولوی غلام امام شہید کے نام	۱۹۵
۱۴	پنڈت رتن ناتھ درسرشار	۱۹۶
	لکھنؤ کا محرم (از فسانۂ آزاد)	۱۹۷
	بسنت کی بہار	۲۰۰
	برات کی دھوم	۲۰۲

Chesalal 1984

نظم

	عنوان مضامین	صفحہ
۱	مرزا محمد رفیع سودا	۱
	قصائد	۳
	غزلیات	۵
۲	خواجہ میر درد	۸
	غزلیات	۸
	رباعیات	۱۵
۳	میر محمد تقی میر	۱۷
	غزلیات	۱۸
۴	شیخ امام بخش ناسخ	۲۴
	غزلیات	۲۶

	عنوان مضامین	صفحہ
۵	خواجہ حیدر علی آتش	۳۲
	غزلیات	۳۳
۶	شیخ محمد ابراہیم ذوق	۳۸
	قصائد	۴۱
	سہرا	۴۵
	غزلیات	۴۷
۷	مرزا اسد اللہ خان غالب	۵۲
	قصائد	۵۲
	صفت انبہ	۵۴
	قطعہ	۵۵
	غزلیات	۵۵
۸	میر ببر علی انیس	۶۰
	مناجات	۶۱
	مناظر قدرت	۶۳
	منظر یعنی سین	۶۶
	رزمیہ	۶۹
	نفرت دنیا و محبت عقبیٰ	۷۷
۹	مرزا سلامت علی دبیر	۷۹
	صبح کا سماں	۸۰

	عنوان مضامین	صفحہ
	شمشیر آبدار	۸۱
	گھوڑے کی تعریف	۸۳
۱۰	منشی امیر اللہ تسلیم	۸۳
	حمد۔ از نالۂ تسلیم	۸۴
	نالۂ عاشقانہ 〃	۸۶
	حمد باری تعالیٰ۔ از شام غریبان	۸۸
۱۱	خواجہ الطاف حسین حالی	۹۰
	مناظرہ واعظ و شاعر	۹۰
	رباعیات	۹۶
۱۲	ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے	۹۹
	ستارہ	۹۹
	ترانہ	۱۰۰
	نیا شوالہ	۱۰۰
	ایک آرزو	۱۰۱
۱۳	خان بہادر سید اکبر حسین رضوی	۱۰۲
	غزلیات	۱۰۳
	رباعیات	۱۰۸

معزز ناظرین

آجکل جسقدر انتخابات اردو زبان کے ممالک متحدہ اور پنجاب مین مٹریکولیشن اور اسکول لیونگ مین جاری ہین انکو دیکھ کر مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ ان کلاسون کیلئے ایک ایسا انتخاب ہونا چاہیے جس سے طلبا کی نظر وہین اردو زبان کی ابتدا سے آجتک کے تغیرات کا ایک نقشہ کھچ جاے اور مضامین ایسے دلچسپ ہون کہ طلبا اسکو شوق سے پڑہین اور نیچے کے درجون سے کسیقدر مشکل ہون جس سے انکی استعدادون مین ترقی ہو اور اسقدر کلام کا انتخاب اسمین لیا جاے جو دو سال کی تعلیم کے لئے کافی ہو۔ لہذا تمام باتون کا خیال کرکے یہ انتخاب تیار کیا گیا۔

اسمین پہلے **میر امن دہلوی** اور **سرور لکھنوی** کے کلام سے تھوڑا تھوڑا انتخاب اس غرض سے کیا گیا ہے کہ جس سے یہ معلوم ہو جاے کہ ابتدا مین دہلی اور لکھنؤ کے نثر کا کیا رنگ تھا۔ انکے بعد اور لوگون کے کلام کا انتخاب رکھا گیا ہے۔ چونکہ اردو نویسون مین آزاد سا قادر الکلام مینے کسی کو نہین پایا اسلئے سب سے پہلے انکے کلام کا انتخاب لیا گیا۔ اور مین جانتک خیال کرتا ہون انکے جن مضامین کا انتخاب اس کتاب مین لیا گیا ہے وہ انکے تمام تصانیف کی جان ہین۔ انکے بعد سر سید کو اسلئے رکھا ہے کہ اردو نثر کو قدیم شاہراہ سے پھیر کر سادہ طرز مین لانیکا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ **غالب** نے انشا پردازی کا رنگ پلٹا۔ **حالی** اگرچہ نثر مین کسی خاص طرز کے موجد نہین مگر انکا رنگ تحریر سر سید اور آزاد کے بعد سب پر فوق لے گیا۔ مولوی **نذیر احمد دہلوی** کا کلام دہلی کی زبان کا اعلی نمونہ ہے۔ نثر رناول اور خیالی مضامین یا مناظر قدرت یا کسی سین کے عمدہ پیرایہ مین ادا کرنیکے بادشاہ ہین **شبلی نعمانی** کا طرز تحریر سادہ ہے اور اسقدر دلاویز کہ قابل رشک ہے۔ پنڈت **رتن ناتھ سرشار** جدید طرز فسانہ نویسی کے موجد ہین۔ مولوی **ذکاء اللہ** کی زبان مین اگرچہ کوئی خاص بات نہین مگر سادگی اور بے ساختہ پن اور ظرافت کا چٹخارا زیادہ ہے

اور جسقدر اُردو زبان مین انکی تصنیفات ہین کسی اور کی نہ ہونگی منشی غلام غوث بیخبر غالب کے ہمعصر اور اُنکے قدم بقدم چلتے ہین شہید رنگین عبارت لاجواب لکھتے ہین - مولوی عبد الرشید صاحب نے زندگی کے منازل کا ایک سچا فوٹو اتارا ہے کہ قابل دید ہے -

نظم مین شعرائے اُردو کے ارکان ثلاثہ کے کلام سے پہلے انتخاب لیا گیا - اُسکے بعد اور شعرا کا - یہ امر مسلم ہے کہ فارسی طرز کے زوردار قصائد ابتداءً سودا کے برابر اور آخر زمانہ مین ذوق سے بڑھکر کسی نے نہین لکھے تصوف میر درد سے بہتر آجتک کوئی نہین لکھ سکا - زبان کی سلاست جیسی میر تقی میر مین ہے کسی کو نصیب نہین ہوئی - ناسخ اور آتش کا کلام لکھنؤ کی شاعری کا اعلیٰ نمونہ ہے - غالب سے بڑھ کر فلسفیانہ کلام کسی نے نہین لکھا - انیس اور دبیر نے نظم اُردو کو جسقدر وسعت دی اور اُردو زبان کو جسقدر اُنسے مدد پہونچی آخر زمانہ مین کسی سے نہین پہونچی امیر اللہ تسلیم کی مثنویان لاجواب ہین حالی نظم مین طرز جدید کے موجد اور مسلم الثبوت اُستاد ہین - اقبال حالی کے قدم بقدم چلتے ہین اور اس زمانہ مین اُنکا طرز نہایت مقبول ہے - میر اکبر حسین اپنے طرز خاص مین مسلم الثبوت اُستاد ہین

اس انتخاب مین جن لوگون کا کلام لیا گیا ہے اُنکے حالات اور اُنکے خصوصیات بھی لکھے گئے ہین جن سے طلبا کو کلام کے سمجھنے کا ایک مذاق پیدا ہو جائیگا - ناظرین باتمکین سے امید ہے کہ اگر کہین زلت و لغزش پائین تو اصلاح فرمائین - ہدف ملامت نہ بنائین فقط

معذرت - مجھے افسوس ہے کہ باوجود کوششون کے جناب مولوی ذکاء اللہ صاحب مرحوم اور مولوی غلام امام شہید اور پنڈت رتن ناتھ درسرشار کے حالات کافی طور پر مل نہ سکے اگر طبع دوم تک ملجائین گے تو انشاء اللہ تعالیٰ اسکی ترمیم و اصلاح کردونگا - فقط -

ناچیز

جلال الدین احمد جعفری زینبی کان اللہ لہ

۲۹ - فروری سنہ ۱۹۱۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میر امن دہلوی

بڑے نامور اور خاندانی شخص گذرے ہین۔ فن شعر مین کسی سے اصلاح نہین لی۔ اپنی طبیعت کی موزونی سے آپ شاعر بن گئے۔ خود فرماتے ہیں کہ میری اُردو ٹکسالی ہے۔ کیونکہ میں دلی کا روڑا اور یہین کا پرورش یافتہ ہون۔ انکے آبا و اجداد ہمایون بادشاہ کے عہد سے شاہان مغلیہ کی خدمت مین با اعزاز و صاحب جاگیر و مناصب رہے۔ سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد جب دلی کے گرد و نواح مین جاٹون کا عمل ہوگیا تو سورج مل جاٹ نے انکی جاگیرین ضبط کرلین۔ اور احمد شاہ درانی نے انکا گھر بار تاخت و تاراج کردیا۔ اُسوقت مجبوراً آپنے اپنا وطن چھوڑکر پورب کا رخ کیا۔ کچھ روز عظیم آباد قیام کرکے تلاش روزگار کلکتہ پہونچے۔ اٹھارہوین صدی کے آخر مین کلکتہ کے مشہور قلعہ فورٹ ولیم مین سرکار انگریزی کی طرف سے ایک کالج اُن انگریزون کی تعلیم کے غرض سے قایم کیا گیا تھا جو ولایت سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم ہوکر ہندوستان آیا کرتے تھے۔ سنہ ۱۸۰۰ء مین لارڈ ولزلی نے گل گرائسٹ صاحب کو اس کالج کا پرنسپل مقرر کیا۔ صاحب موصوف کو ہندوستانی زبان کی تدوین کا خاص شوق تھا۔ انہون نے خود بھی انگریزی زبان مین قواعد اُردو لکھی اور ڈکشنری تیار کی اور قابل مصنفون سے نثر اُردو مین کتابین لکھوائین۔

منشی میر بہادر علی صاحب نے ڈاکٹر گل گرائسٹ صاحب بہادر کے روبرو انکو پیش کردیا۔ اُنہون نے قدر افزائی فرمائی بے روزگاری کی شکایت دفع ہوئی۔ اور کلکتہ آپکا مسکن ہوگیا۔ سنہ ۱۸۰۱ء مین ڈاکٹر گل گرائسٹ صاحب کی فرمایش سے آپنے قصہ چہار درویش مصنفہ امیر خسرو دہلوی کا فارسی سے اُردو مین ترجمہ کیا۔ اور اُسکا نام باغ و بہار رکھا۔ انکی زبان صاف اور سلیس اور عام فہم ہونے کے علاوہ اُس زمانہ کی روزمرہ اُردو اور محاورات دہلی کا نہایت صحیح نمونہ ہے۔

انتخاب از باغ و بہار

پہلے درویش کی سیر

یہ سرگذشت میری ذرا کان دھر سُنو — مجکو فلک نے کردیا زیر و زبر سُنو
جو کچھ کہ پیش آئی ہے شدت مرے تئین — اُسکا بیان کرتا ہون تم سرسبر سُنو

اے یاران - میری پیدائش اور وطن بزرگون کا ملک یمن ہے - والد اس عاجز کا ملک التجار خواجہ احمد نام بڑا سوداگر تھا - اُسوقت مین کوئی مہاجن یا بیپاری اُنکے برابر نہ تھا - اکثر شہرون مین کوٹھیان اور گماشتے خرید و فروخت کے واسطے مقرر تھے - اور لاکھون روپے نقد اور جنس ملک ملک کے گھر مین موجود تھے - اُنکے یہان دو لڑکے پیدا ہوے - ایک تو یہی فقیر جو کفنی سیلی پہنے ہوے مرشدون کے حضور مین حاضر اور بولتا ہے - اور دوسری ایک بہن جسکو قبلہ گاہ نے اپنے جیتے جی ایک شہر کے سوداگر بچے سے شادی کردی تھی - وہ اپنی سسرال مین رہتی تھی - غرض جسکے گھر مین اتنی دولت اور ایک لڑکا ہو اُسکے لاڈ پیار کا کیا ٹھکانا ہے - مجھ فقیر نے بڑے چاو چور سے مان باپ کے سایہ مین پرورش پائی - اور پڑھنا لکھنا - سپاہگری کا کسب و فن سوداگری کا بہی کھاتا روزانہ سیکھنے لگا - چودہ برس تک نہایت خوشی اور بیفکری مین گذری - کچھ دنیا کا اندیشہ دل مین آیا - یک بیک ایک ہی سال مین والدین قضاے الٰہی سے مرگئے - عجب طرح کا غم ہوا جسکا بیان نہین ہوسکتا - یکبارگی یتیم ہوگیا - کوئی سر پر بڑا بوڑھا نہ رہا - اس مصیبت ناگہانی سے رات دن رویا کرتا - کھانا پینا سب چھوٹ گیا - چالیس دن جون توں کرکے چہلم مین اپنے بیگانے چھوٹے بڑے جمع ہوے - جب فاتحہ سے فراغت ہوئی سب نے فقیر کو باپ کی پگڑی بندھوائی اور سمجھایا - دنیا مین سب کے مان باپ مرتے آتے ہین - اور اپنے تئین بھی ایک روز مرنا ہے - پس صبر کرو - اپنے گھر کو دیکھو - اب باپ کی جگہ تم سردار ہوے اپنے

کاروبار لین دین سے ہوشیار ہو تسلی دیکر وے رخصت ہوے۔ گماشتے کاروباری نوکر چاکر جتنے تھے آنکر حاضر ہوے۔ نذرین دین اور بولے کوٹھی نقد وجنس کی اپنی نظر مبارک سے دیکھ لیجیے یکبارگی جو اُس دولت بے انتہا پر نگاہ پڑی آنکھین کھل گئین۔ دیوانخانے کی تیاری کو حکم کیا فراشون نے فرش فروش بچھا کر چھت پردے چلونین تکلف کی لگادین۔ اور اچھے اچھے خدمتگار دیدار نوکر رکھے۔ سرکار سے زرق برق کی پوشاکین بنوادین۔ فقیر مسند پر تکیہ لگا بیٹھا ویسے ہی آدمی غنڈے سپھانگڑے مفت پر کھانے پینے والے جھوٹے خوشامدی آکر آشنا ہوے۔ اور مصاحب بنے۔ اُنسے آٹھ پہر صحبت ہونے لگی۔ ہر طرح کی باتین اور زٹلین واہی تباہی اِدہر اُدہر کی کرتے۔ اور کہتے اِس جوانی کے عالم مین عیش کیجیے۔ غرض آدمی کا شیطان آدمی ہے۔ ہر دم کے کہنے سننے سے اپنا بھی مزاج بہک گیا۔ شراب۔ ناچ اور جوے کا چرچا شروع ہوا۔ پھر تو یہ نوبت پہونچی کہ سوداگری بھول کر تماش بینی اور دینے لینے کا سودا ہوا۔ اپنے نوکر اور رفیقون نے جب یہ غفلت دیکھی جو جسکے ہاتھ پڑا الگ کیا۔ گویا لوٹ مچادی کچھ خبر نہ تھی کتنا روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ کہان سے آتا ہے اور کدہر جاتا ہے۔ مال مفت دل بے رحم۔ اس درخرچی کے آگے اگر گنج قارون ہوتا تو بھی وفا نہ کرتا۔ کئی برس کے عرصے مین یکبارگی یہ حالت ہوئی کہ فقط ٹوپی اور لنگوٹی باقی رہی۔ دوست آشنا جو دانت کاٹی روٹی کھاتے تھے اور چچا بہر خون اپنا ہر بات مین زبان سے نثار کرتے تھے کافور ہوگئے۔ بلکہ راہ باٹ مین اگر کہین بھینٹ ملاقات ہوجاتی تو آنکھین چورا کر منہ پھیر لیتے اور نوکر چاکر خدمتگار بھیلیے۔ ڈھلپٹ۔ خاص بردار شاہتخانے سب چھوڑ کر کنارے لگے۔ کوئی بات کا پوچھنے والا نہ رہا۔ جو کہے یہ کیا تمہارا حال ہوا۔ سوائے غم وافسوس کے کوئی رفیق نہ ٹھہرا۔ اب دمڑی کی ٹھٹھیان میسر نہین جو چبا کر پانی پیون۔ دو تین فاقے کڑاکے کے کھینچے۔ تاب بھوک کی نہ لاسکا۔ ناچار بے حیائی کا برقع منہ پر ڈالکر یہ قصد کیا کہ بہن کے پاس چلیے لیکن یہ شرم دل مین آتی تھی کہ قبلہ گاہ کی وفات کے بعد نہ بہن سے کچھ سلوک کیا نہ خالی خط لکھا۔ بلکہ اُسنے دو ایک خط خطوط

ماتم پرسی کے اور اشتیاق کے جو لکھے اُنکا جواب بھی اُس خواب خرگوش مین نہ بھیجا۔ اس شرمندگی سے جی تو نہ چاہتا تھا پر سوائے اُس گھر کے اور کوئی ٹھکانا نظر مین نہ ٹھرا۔ جون تون پا پیادہ خالی ہاتھ گرتا پڑتا ہزار محنت سے وے کئی منزل کاٹ کر۔ ہمشیر کے شہر مین جاکر اُسکے مکان پر پہونچا۔ وہ مان جائی میرا یہ حال دیکھ کر بلائین لے اور گلے ملکر بہت روئی۔ تیل۔ کالی ماش اُسکے مجھپر سے صدقے کئے۔ کہنے لگی اگرچہ ملاقات سے دل بہت خوش ہوا لیکن بھیا تیری یہ کیا صورت بنی۔ اسکا جواب مین کچھ نہ دیسکا۔ آنکھون مین آنسو ڈبڈبا کر چپکا ہو رہا۔ بہن نے جلدی خاصی پوشاک سلوا حمام مین بھیجا۔ نہا دھو کر وے کپڑے پہنے۔ ایک مکان اپنے پاس بہت اچھا تکلف کا میرے رہنے کو مقرر کیا۔ صبح کو شربت اور لوزیات۔ حلوا سوہن۔ پستہ مغزی ناشتہ کو اور تیسرے پہر میوے خشک و تر۔ پھل پھلاری۔ اور رات دن دونون وقت پلاؤ۔ نان قلیئے۔ کباب تحفہ تحفہ مزے دار منگوا کر اپنے روبرو کھلا کر جاتی۔ سب طرح خاطرداری کرتی مینے ویسے تضیع کے بعد جو یہ آرام پایا خدا کی درگاہ مین ہزار شکر بجالایا۔ کئی مہینے اس فراغت سے گذرے کہ پانون اُس خلوت سے باہر نہ رکھا۔ ایک دن وہ بہن جو بجاے والدہ کے میری خاطرداری رکھتی تھی کہنے لگی۔ اے بیرن تو میری آنکھون کی پتلی اور مان باپ کے موئے مٹی کی نشانی ہے تیرے آنے سے میرا کلیجا ٹھنڈا ہوا۔ جب تجھے دیکھتی ہون باغ باغ ہوتی ہون۔ تونے مجھے نہال کیا۔ لیکن مردون کو خدا نے کمانے کے لئے بنایا ہے۔ گھر مین بیٹھے رہنا اونکو لازم نہین جو مرد نکھٹو ہو کر گھر سیتا ہے اسکو دنیا کے لوگ طعنہ دیتے ہین۔ خصوص اس شہر کے آدمی چھوٹے بڑے بے سبب تمہارے رہنے پر کہین گے اپنے باپ کی دولت دنیا کھو کھا کر بہنوئی کے ٹکڑون پر آپڑا۔ یہ نہایت بے عزتی اور میری تمہاری ہنسائی اور مان باپ کے نام کو سبب لاج لگنے کا ہے۔ نہین تو مین اپنے چمڑے کی جوتیان بنا کر تجھے پہناؤن اور کلیجے مین ڈال رکھون۔ اب یہ صلاح ہے کہ قصد سفر کا کرو۔ خدا چاہے تو دن پھرین۔ اور اس حیرانی اور مفلسی کے بدلے خاطرجمعی اور خوشی حاصل ہو۔ یہ بات سُنکر مجھے بھی غیرت آئی۔ اُسکی نصیحت پسند کی۔ جواب دیا اچھا

اب تم مان کی جگہ ہو جو کہو سو کرون۔ میری مرضی پاکر گھر مین جاکر پچاس توڑے اشرفی کے اصیل اور لونڈیون کے ہاتھ مین لواکر میرے آگے لا رکھے۔ اور بولی ایک قافلہ سوداگرون کا دمشق کو جاتا ہے۔ تم ان روپیون سے جنس تجارت کی خرید کرو۔ ایک تاجر ایماندار کے حوالے کرکے دستاویز لکھوالو اور آپ بھی قصد دمشق کا کرو۔ وہان جب خیریت سے جا پہونچو اپنا مال معہ منافع سمجھ بوجھ لیجیو یا آپ بیچیو۔ مین وہ نقد لیکر بازار مین گیا۔ اسباب سوداگری کا خرید کرکے ایک بڑے سوداگر کے سپرد کیا ہے۔ نوشت وخواند سے خاطر جمع کرلی۔ وہ تاجر دریا کی راہ سے جہاز پر سوار ہو کر روانہ ہوا۔ اور فقیر نے خشکی کی راہ لی چلنے کی تیاری کی۔ جب رخصت ہونے لگا بہن نے ایک سراپا سہاری جوڑا۔ اور ایک گھوڑا جڑاؤ ساز کی تواضع کیا۔ اور مٹھائی پکوان۔ ایک خاصدان مین بھر کر ہرنی سے لٹکا دیا۔ اور چھاگل پانی کی شکار بند مین بند ہوا دی۔ امام ضامن کا روپیہ میرے بازو پر باندھا۔ دہی کا ٹیکا ماتھے پر لگا کر آنسو پیکر بولی سدھارو۔ تمہین خدا کو سونپا۔ پیٹھ دکھائے جاتے ہو۔ اسی طرح جلد اپنا منہ دکھائیو۔ مین نے فاتحہ خیر پڑھ کر کہا۔ تمہارا بھی اللہ حافظ ہے۔ مینے قبول کیا وہان سے نکلکر گھوڑے پر سوار ہوا اور خدا کے توکل پر بھروسا کرکے دو منزل کی ایک منزل کرتا ہوا دمشق کے پاس جا پہونچا۔

(میر امن دہلوی)

مرزا رجب علی بیگ سرور

مرزا اصغر علی لکھنوی کے بیٹے آغا نوازش حسین خان نوازش کے شاگرد تھے۔ لکھنؤ مین پیدا ہوئے مذاق سخن رکھتے تھے۔ اردو نثر اچھی لکھتے تھے۔ واجد علی شاہی دور کے مشہور نثار اور مقفی انگار تھے۔ شگوفہ محبت۔ گلزار سرور۔ سرور سلطانی۔ فسانہ عجائب انکے تصانیف سے یادگار ہین۔ انکی بہترین تصنیف فسانہ عجائب ہے۔ یہ طرز انشا اس پر تکلف زمانے مین بیحد مقبول تھی لیکن اب بالکل مردہ و فسردہ ہے۔ فسانہ عجائب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اعلیٰ درجہ کا انشا پرداز اس رنگ مین بھی کیا کیا رنگینیان پیدا کرسکتا ہے۔ ساتھ ہی اسکے یہ بات بھی اچھی طرح ظاہر ہو جاتی ہے کہ اس طرز کا میدان کسقدر تنگ ہے اور زمانہ حال کی ضرورتون کے پورا کرنے کے لئے کسقدر ناقابل ہے۔

انتخاب از فسانۂ عجائب

شاہزادہ کے بندر ہونیکے بعد قتل گاہ جانیکی سرگذشت

جسوقت ناجر ماہ نے متاع انجم کو نہانخانۂ مغرب مین چھپایا۔ اور شحنۂ چرخ چارم خونخواری کو مشرق سے نکل آیا۔ سوداگر نماز صبح پڑھ ہاتھی پر سوار ہوا۔ کمر مین پیش قبض رکھ گود مین بندر کو بٹھا مرنے پر کمر مضبوط باندھ کر چلا۔ بندر سے کہا پریشان نہ ہو۔ جب تقریر سے اور اصراف کثیر سے کام نہ نکلے گا جو بن پڑیگا وہ کرونگا۔ اپنے جیتے جی تجھے مرنے نہ دونگا۔ قول مردان جان دارد۔ **مصرعہ**۔ بعد از سر من کن فیکون شدہ باشد۔

سوداگر کا سراسے سراسیمہ باغم والم آگے بڑھنا کہ خلقت نے چارون طرف سے گھیر لیا۔ بندر لوگون سے مخاطب ہوکر یہ کہنے لگا۔ میر سوز۔

برقِ طپیدہ یا شرر پر جہیدہ ہون — جس رنگ مین ہون مین غرض آفت رسیدہ ہون
اے اہل بزم مین بھی مرقع مین دہر کے — تصویر ہون ولے لبِ حسرت گزیدہ ہون
صیاد اپنا دام اٹھالے کہ جون صبا — ہون تو چمن مین پر گلِ عشرت نہ چیدہ ہون
اے آہ و نالہ مجھ سے نہ آگے چلو کہ مین — بچھڑا ہون کاروان سے مسافر چریدہ ہون
غم ہون الم ہون درد ہون سوز و گداز ہون — سب اہل دل کیواسطے مین آفریدہ ہون

صاحبو! دنیائے دون۔ نیرنگی زمانۂ سفلہ پرور بوقلمون۔ عبرت دوید کی جاہے۔ گرما گرم آیندو رفت کا بازار ہے۔ کس و ناکس جنسِ ناپائدار لہو و لعب کا خریدار ہے۔ اپنے کام مین مصروف قضا ہے۔ جو شے ہے فنا ہے۔ معاملات قضا و قدر سے ہر ایک ناچار ہے۔ یہی مسئلہ جبر و اختیار ہے۔ کوئی کسی کی عداوت مین ہے۔ کوئی کسی کا شیدا ہے۔ جسے دیکھا آزاد نہ پایا کسی نہ کسی بکھیڑے مین مبتلا ہے۔ ایک کو اتنا سوجھتا نہین کیا لین دین ہو رہا ہے۔ سود کی امید مین سراسر زیان ہے۔ سڑی ہونیکا سودا ہے۔ اُسکی قدرتِ ناطقہ دیکھو مجھ سے بے زبان ناچیز کو یہ تکلیف گویائی

عنایت کیا۔ تم سب کا سامعون مین چہرہ لکھدیا۔ باتین سننے کو ساتھ چلے آتے ہو۔ جدائی میری شاق ہے۔ جو ہے مشتاق ہے۔ حال زار پر رحم کھا آنسو بہاتے ہو۔ یہ رحیمی کی صفت ہے شان قہاری دیکھو۔ اسی تقریر کی دھوم سے ایک ظالم شوم سے مجھ مظلوم کا مقابلہ ہوتا ہے یقین کامل ہے وہ قتل کریگا بے گناہ کے خون سے ہاتھ بھریگا۔ سواد الوجہ فی الدارین ہوگا تب اُسے آرام و چین ہوگا۔ یہ گویائی گویا پیام مرگ تھا۔ دنیا جاے آزمایش ہے۔ سفیہ جانتے ہین یہ مقام قابل آرام و آسائش ہے۔ دو روزہ زیست کی خاطر کیا کیا ساز و سامان پیدا کرتے ہین۔ فرعون بے سامان ہوکر زمین پر پاؤن نہین دھرتے ہین۔ جب سر کو اُٹھا آنکھ بند کر چلتے ہین خاکسارون کے سر کچلتے ہیں آخر کار حسرت و ارمان فقط لیکر مرتے ہین۔ جان اُسکی جستجو مین کھوتے ہین۔ جو شے ہاتھ آئے ذلت سے جمع ہو۔ پریشانی و مشقت سے پاس رہے۔ خست سے چھوٹ جاے۔ یاس و حسرت سے پھر سر پر ہاتھ دھر روتے ہین۔ ناسخ۔

دنیا اک زالِ بیسوا ہے — بے مہر و وفا و بیحیا ہے
مردون کے لئے یہ زن ہے رہزن — دنیا کی عدو ہے دین کی دشمن
رہتی نہین ایک جا پہ جم کر — پھرتی ہے برنگ نرد گھر گھر

انجام شاہ و گدا و دگر کفن اور تختۂ تابوت کے سوا نہین۔ کسی نے اوہی یا محمودی کا دیا یا تحریر کربلا۔ کسی کو گزی گاڑھا میسر ہوا بصد رکب و بلا۔ اُسنے صندل کا تختہ لگایا۔ اسنے بیر کے چیلون مین چھپایا۔ کسی نے بعد دفن سنگ مرمر کا مقبرہ بنایا۔ کسی نے مرمر کے گور گڑھا پایا۔ کسی کا مزار مطلا منقش رنگارنگ ہے۔ کسی کی مانند سینۂ جاہل گور تنگ ہے۔ حسرت دنیا سے کفن چاک ہوا۔ بستر دونون کا فرش خاک ہوا۔ نہ امیر سمور و قاقم کا فرش بچھا سکا نہ فقیر پھٹی شطرنجی اور ٹوٹا بوریا لا سکا۔ بعد چندے جب گردش چرخ نے گنبد گرایا اینٹ سے اینٹ بجایا۔ تو ایک نے نہ بتایا کہ دونون مین یہ گور شاہ ہے یہ لحد فقیر ہے۔ اُسکو مرگ جوانی نصیب ہوئی۔ یہ استخوان بوسیدۂ پیر ہے۔ سو یہ بھی خوش نصیب نیک کمائی والے گور گڑھا کفن پاتے ہین

نہین تو سیکڑون چھاتی پر ہاتھ رکھکر مرجاتے ہین۔ لوگ درگور کر کے چلے آتے ہین۔ کُتّے۔ بلّی چیل۔ کوّے۔ بوٹیان نوچ نوچ کر کھاتے ہین دامن دشت عریان کفن۔ گور بے چراغ۔ صحرا کا صحن ہوتا ہے۔ یاس وحسرت کے سوا کوئی نہ سرہانے روتا ہے۔ تمنا چھٹ کوئی پائنتی نہ ہوتا ہے۔ سالہا مقبرون کی عمارات عالی اور ساز وسامان کی دیکھا بھالی مین سریع السیر رہے۔ ہزارون رنج گور بے چراغ غریبان کی دید مین بیٹھے بٹھائے سہے طرفہ نقل ہے کہ والی وارث اُنکے سر پر سلطنت مسند حکومت پر شب و روز جلوہ افروز رہے۔ مگر تنبیہ غافلون کو قدرتِ حق سے گنبدون مین آشیانہ زاغ وزغن مینارون پر مسکن بوم شوم قبرون پر کُتّے لوٹتے دیکھے میر

مزار غریبان تاسف کی جا ہے — وہ سوتے ہین پہرتے جو کل جا بجا تھے

رنگِ چمنِ صرف خزان دیکھا۔ دہلا ہوا حسنِ گلرخان دیکھا۔ اگر گلِ خندان پر جوبن ہے بہار ہے۔ غور کیا تو پہلوے نازنین مین نشتر سے زیادہ خلش خار ہے سینہ فگار ہے۔ دنیا مین دن رات دق زق بق بق ہے۔ کوئی چھپے کرتا ہے کسی کو قلق ہے۔ نوش کے ساتھ گزندیش ہے۔ ہر رہرو کو کڑی منزل درپیش ہے۔ مؤلف۔

بلبل کو خزان مین جان کھوتے پایا — صیاد کو سر پٹک کے روتے پایا
گلچین کی بھی نیند اُڑ گئی لیکِ سرور — جو اہل دول تھے اُنکو سوتے پایا

مدتون صدائے مرغ سحر کے رنج اُٹھائے کبھی دم نہ مارا۔ شکوہ لب پر نہ لائے۔ برسون ندائے اللہ اکبر کے صدمے سہے شکر کیا چپ رہے۔ مہینون گجر کی آواز نے دم بند کیا۔ قلق جی پر لیا نالہ نہ بلند کیا۔ سوچے تو وصل مہرویان خواب شب تھا۔ لطف اُنکا عین غضب تھا۔ تمام عالم کی خوب سیر کی کبھی حرم محترم مین مسکن رہا۔ گاہ دہوئی رہائی کنشت و دیر کی۔ عالم سے آیتہ حدیث وعظ و پند سنا۔ ناقوس برہمن سن سر دُھنا۔ وہ بدکیش مانع ملت صنم لطف زیست حظِ نفس کا دشمن تھا۔ یہ کوتہ اندیش رخنہ پرداز اہل ایمان و دین کا رہزن تھا۔ تامل کیا تو ان دونون سے دور حسد بعض پہ ہونا معلوم اپنے نزدیک انکا انجام بخیر ہونا معلوم۔ واللہ اعلم یہ لوگ کیا سمجھے۔ خود اچھے ٹھہرے اور کو بُرا

سمجھے۔ مطلب کی بات ہیہات دونون کی سمجھ مین نہ آئی باین دانائی اللہ خدا سمجھے۔ مؤلف۔

اچھے کو بُرا بُرے کو اچھا سمجھے　　کتنی یہ بری سمجھ ہے اچھا سمجھے

دنیا نقط رہگذر ہے۔ ہر دم مثال تار نفس در پیش سفر ہے۔ تا بیست ہزار دن مفسدے ہین۔ ڈر ہے مرنے کے بعد باز پرس کا خطر ہے۔ کسی طرح انسان کو مفر نہین کونسا نفع ہے جسکی تلاش مین ضرر نہین۔ حاصل کار یہ ہے۔ دنیا مین جینے کی خوشی نہ مرنے کا غم کرے تا مقدور کسی کی خاطر نہ برہم کرے۔

شعر

نیم شبے آہ زند پیر زال　　دولتِ صد سالہ کند پائمال

دلِ شکستہ کی دلداری۔ پا افتادہ کی مددگاری کرے۔ ہوا و ہوس جو دل سے دور ہو جاے تو مال سے یا کمال سے عجب و نخوت نزدیک نہ آئے۔ عنایت ایزدی پر قائم ہو۔ شکر ہر نعمتِ سپاس خدمت کرکے منہیات کا مانع ہو۔ رنج کا حامل رہے۔ سب رنگ مین شامل رہے۔ زمانے کے مکروہات سے گبھرائے نہین۔ صحبتِ غیر جنس سے نفرت کرے تو بدنامی پاس آئے نہین۔ دولت کا اعتبار کیا مفلسی سے ننگ و عار کیا۔ ایک دن مرنا ہے جینا مستعار ہے۔ اسپر کسی کا اختیار ہے۔ نیک عمل کا خیال رکھے کہ قید ہستی زشت کا نام ہے۔ رہائی یہان سے انجام ہے۔ **شعر**

کسی کی مرگ پر اے دل نہ کیجے چشم تر ہرگز　　بہت سا رو دیئے اُنپر جو اس جینے پہ مرتے ہین

عمر خضر کی تمنا اور حشمت خسروانہ خزانۂ قارون کی فکر مین ہر ایک صباح و مسا ذلیل و خوار ہے۔ تحصیل لاحاصل کوشش اس امر مین سراسر بیکار ہے۔ بقول ناسخ۔

ہاتھ آتی ہے کب علم و ہنر سے دولت　　ملتی ہے قضا اور قدر سے دولت

جو علم و ہنر رکھتے ہین وہ ہین محروم　　مانوس ہے بل احمق و خر سے دولت

روپئے کا جمع ہونا۔ جواہر کی تلاش مین دن کا جاگنا۔ چاندی سونے کی امید مین

رات کا نہ سونا جنہین میسر ہر بار ہے اُنہین مفارقت دنیا گوارا ہے۔ اور یہ کلام ہے۔ مؤلف۔

یان کے جانے سے جی الجھتا ہے　　کیا ہی دلکش سرائے فانی ہے

سلف سے اہل کمال دنیا کے مال سے محروم رہے۔ جو سزاوارِ حکومت تھے وہ محکوم رہے حافظ ۔

ابلہان را ہمہ شربت زگلاب و قند است　　قوتِ دانا ہمہ از خونِ جگر می بینم

اسپ تازی شدہ مجروح بزیرِ پالان　　طوق زرین ہمہ در گردنِ خر می بینم

لیکن کبھی صبح عشرت ہے۔ گاہ الم کی شام ہے۔ دنیا عجب مقام ہے۔ نہ امیر ہوتے عرصہ۔ نہ فقیر ہوتے کچھ دیر ہے۔ اس کارگاہِ بے ثبات مین عجب اندھیر ہے۔ سودا

ہے چرخ جب سے ابلقِ ایام پر سوار　　رکھتا نہین یہ ہاتھ عنان کا بیک قرار

جنکے طویلے بیچ کئی دن کا ذکر ہے　　ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار

اب دیکھتا ہون مین کہ زمانے کے ہاتھ سے　　موچی سے کفش پاکو گٹھاتے ہین وہ اُدھار

اب جب وعدہ آپہونچا تو نہ روپیہ کام آتا ہے۔ نہ فوج ظفر موج سے کچھ ہو۔ نہ تمغہ جرار بچاتا ہے۔ نہ کوئی آشنا دوست آڑے آئے۔ نہ عزیز و اقربا پنجۂ ملک الموت سے چھڑائے اگر یہی امر مانع قضا و قدر ہوتے جمشید و کاؤس دارا و سکندر بصد حسرت و افسوس جان نہ کھوتے نیک عمل کرے تو وہ ساتھ جاتا ہے۔ اختیار کسی کی برلائے یا للہ کچھ دے یہ البتہ کام آتا ہے۔ وگرنہ دنیا سراب زندگی بدتر از حباب ہے۔ پابند اسکا خراب ترک کرنے والا نایاب ہے

شعر

ترک دنیا کا سوچ کیا ناسخ　　کچھ بڑی ایسی کائنات نہین

شعر

اس گلشنِ ہستی مین عجب سیر ہے لیکن　　جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم ہے خزان کا

الا مقتضائے عقل یہ ہے کہ عالم اسباب مین کسی اسباب کا پابند نہو۔ تعلق خاطر نہ رکھے

ہمیشہ اُسنے بہلے سے برائی کی ہے۔ جو گیا یہان سے یعنی جہان گذران سے اسکا شاکی تہا۔ بادشاہ سے فقیر تک۔ جوان سے پیر تک۔ حقیقت مین نفس امارہ سخت ناکارہ ہے۔ اسکو بہر کیف پچہاڑے۔ گرد ہوا و ہوس سے دامن جہاڑے۔

شعر

دیوانہ باش تا غمِ تو دیگران خورند　　آن را کہ عقل بیش غمِ روزگار بیش

آدمی کو لازم ہے وہ بات پیدا کرے تا صفحۂ دنیا پر چند سے بہ نیکی نام یاد رہے۔

شعر

اس طرح جی کہ بعد مرنے کے　　یاد کوئی تو گاہ گاہ کرے

دنیا مین کسی سے دل نہ لگائے کہ یہ کارخانہ بہت بے ثبات ہے۔ وصل سے فرحت ہوئی مصیبت اپنے سر پر لائے کہ مرجانے کی بات ہے معشوق باوفا عنقا کی طرح ناپیدا ہے اور پُر دغا ہرجائی ہرجا عیاں ہے۔ خواہش کا انجام کاہش ہے۔ تبادل سے دور کرنے مین جان کی آسائش ہے۔ مؤلف۔

کبھی نہ چین سے رہنے دیا تمنا نے　　خراب و خستہ مین اس دل کی آرزو سے ہوا

مگر وائے غفلت ہائے نادانی۔ کہ جب نشاے جوانی کا موسم پیری مین خمار اُتارتا ہے اُسوقت آدمی سر پہ ہاتھ دہر کر روتا ہے۔ وقت از دست رفتہ و تیر از شست جستہ کب ہاتھ آتا ہے۔ ناچارہ ہو کف افسوس مل کے پچہتاتا ہے۔ گذشتہ را صلوات کہہ کے دلکو سمجہاتا ہے۔

آدمیون کو بندر کی تقریر دل خراش پر اثر سے عبرت و حیرت حاصل تہی کبھی نصیحت و پند۔ گاہ کلام رنگین و دلچسپ باوصفِ دردمند۔ کبھی سخنان وحشت افزا سناتا چلا جاتا تہا۔ اہل دل طبیعت کے گداز سے روتے ساتہہ آتے تھے۔ ہر فقرۂ پُر درد پر ضبط نہو سکتا تہا چلاتے تھے۔ خلق خدا جنازہ کی طرح ہاتھی کے ہمراہ تھی۔ ایک عالم کے لب پر نالے تہے۔ فغان و آہ تہی۔ اسی سامان سے ملکہ کے جہروکے تلے پہونچے۔　　(سرور)

شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد

پیدائش دلی ۱۸۳۱ء — وفات لاہور ۱۹۱۰ء

آزاد مولوی محمد باقر کے بیٹے تھے جو شیعوں کے مجتہد اور شرفائے دہلی مین ایک نامور شخص تھے۔ اور اردو اخبار نویسی کے موجد تھے۔ ۱۸۳۶ء مین اردو زبان کا پہلا اخبار مولوی محمد باقر ہی نے دلی مین نکالا تھا۔ آزاد نے عربی فارسی کی تعلیم دلی کالج کے اورینٹل ڈپارٹمنٹ مین پائی۔ کالج کے امتحانون مین جواب مضمون کے لکھنے مین سب طلبا سے اوّل رہتے تھے۔ اردو نظم و نثر لکھنے کی استعداد انکو کالج ہی مین حاصل ہوگئی تھی۔ نظم مین شیخ محمد ابراہیم ذوق کے شاگرد رشید تھے۔ جب غدر کے بعد مسٹر ٹیلر پرنسپل دہلی کالج کے قتل کے الزام مین مولوی محمد باقر مارے گئے تو آزاد وطن چھوڑ کر حیدرآباد دکن بھاگ گئے۔ ایک عرصہ تک ممالک دکن مین آوارہ گردی کے بعد انکو لاہور آنا نصیب ہوا۔ مولوی رجب علی صاحب سابق میر منشی نے پنڈت من پھول صاحب میر منشی حال سے سفارش کرکے میجر فلر ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم کے دفتر مین ۵۰ مشاہرہ کی جگہ دلوائی۔ میجر فلر کے بعد کرنل ہالرائڈ صاحب ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم مقرر ہوے۔ انہون نے سرکاری اخبار کا ۵۰ ماہوار پر انکو اسسٹنٹ اڈیٹر مقرر کیا۔ اسکے اڈیٹر رائے پیارے لال آشوب تھے جو آزاد کے بڑے خیر اندیش اور قدردان تھے۔ ۱۸۶۶-۶۷ء مین پنڈت من پھول صاحب کے ساتھ کابل اور بدخشان گئے۔ وہان سے لوٹ کر لاہور کے سرکاری کالج مین ماہوار ۷۰ پر عربی کے پروفیسر مقرر ہوے ۱۸۸۶ء مین آپنے ایران کا سفر کیا ۱۸۸۷ء مین ملکہ وکٹوریہ کی پنجاہ سالہ جوبلی پر آپکو سرکار انگریزی کیطرف سے شمس العلماء کا خطاب عطا ہوا۔

آزاد خاندان مغل سے تھے۔ اور انکی مان ایرانی تھین۔ اسلئے انکے گھر مین فارسی بولی جاتی تھی۔ آپ فارسی عربی کے عالم متبحر تھے۔ اور ان تمام علوم پر عبور رکھتے تھے۔ جو ان زبانون مین پڑھائے جاتے ہین۔ بھاشا اور ہندی کے محکات سے پورے آگاہ انگریزی علم ادب کے خصوصیات سے واقف تھے۔ ۱۸۸۹ء مین آپکو جنون کے آثار پیدا ہوے۔ ۲۲ جنوری ۱۹۱۰ء مطابق ۹ محرم ۱۳۲۸ ہجری مین آپنے انتقال فرمایا۔

لاہور مین وضع ہوئے۔

نثر مین آزاد کی کتابین دو قسم کی ہین۔ ایک وہ جو اونہون نے پنجاب کے سررشتہ تعلیم کے لئے لکھین۔ وہ حسب ذیل ہین۔ اردو کا قاعدہ۔ اردو کی پہلی۔ دوسری۔ تیسری۔ چوتھی۔ قصص ہند۔ قواعد اردو۔ فارسی کی پہلی۔ دوسری۔ جامع القواعد۔ انجمن قصص ہند اور جامع القواعد لاجواب کتابین ہین۔ دوسری وہ جو انہون نے اپنے شوق سے لکھین۔ وہ حسب ذیل ہین۔ آب حیات۔ نیرنگ خیال دربار اکبری۔ سخندان فارس۔ قند فارسی۔ نصیحت کا کرن پھول۔ نیرنگ خیال مین انگریزی روش کا پرتو ہے جسمین مضمون نویسی کے جدید طرز کا جربہ اُتارا ہے۔ آبحیات کا طرز بیان۔ سلاست زبان۔ شستگی الفاظ۔ برجستگی۔ بیساختگی۔ روش خیالی کا اعلیٰ نمونہ ہے آزاد کی طرز تحریر ثنا و صفت سے مستغنی ہے۔ بیان کی فصاحت زبان کی سلاست بندش کی چستی محاورہ کی دل آویزی خیالات کی بلند پروازی الفاظ کی شوکت اسلوب کی دل فریبی جسقدر آزاد کے یہان ہے دوسرے نثار کے یہان نہین پائی جاتی اور ظرافت کی چاشنی مزید برآن۔ مناظر قدرت کی تصویر کھینچنے اور جذبات و محسوسات انسانی کا جربہ اُتارنے مین آپکو وہ ید طولےٰ تھا کہ شاید اب تک کسی کو نصیب نہین ہوا۔ اردو زبان کی نظم کی ترقی کے لئے جس شخص نے کہنہ طرز سخن کو بدل کر فن شاعری کو سہل کیا اور ایشیائی تعشقانہ خیالات کو قدرتی مضامین کی طرف سب سے پہلے ڈہالا وہ حضرت آزاد کی آزادانہ طبیعت کا ظہور ہے۔ اس طرز کے رواج دینے کو آپنے پہلے بطور نمونہ چند چھوٹی چھوٹی مثنویان لکھین جو مجموعہ نظم آزاد مین چھپ چکی ہین۔ مثلاً شب قدر۔ موسم زمستان۔ صبح امید۔ حب وطن۔ وغیرہ یہ طرز ایسی مقبول خلائق ہوئی کہ وہ پرانے اور نامی ایشیائی شاعر جنکے دلون پر پرانی روش اپنا سکہ جما چکی تھی یک قلم بھول گئے۔ اور سب نے یہی جدید طرز اختیار کر لی۔ مولنا حالی کی جدید شاعری کا رہنما حضرت آزاد ہی کا روشن خیال تھا۔

آزاد جس قلم سے اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی بات لکھ سکتے تھے اُسی سے ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کی بھی لکھ سکتے تھے۔ ان کا وہی قلم آب حیات اور نیرنگ خیال لکھ کر اردو کے فضلا کو حیرت مین ڈال سکتا تھا اور وہی قلم اردو کی پہیلی اور میٹھی لوری لکھ کر چھوٹے بچون کو ہنسا اور چپ کر سکتا تھا۔ وہ سمجھدار اور بوڑھون کو باغ امید دکھا کر

لبھا سکتا تھا اور ننھے ننھے بچون کو مالی کے پود لگانے اور کیارلیون مین پانی بہنے کی بات سُنا کر بہلا سکتا تھا۔ اور یہ وصف ایسا ہے جو شاید دنیا کے بہت کم مصنفون کے حصہ مین آیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو کی ترقی کا اس سے بہتر وسیلہ نہین ہو سکتا کہ اُسکے اصول فن اور طرز تحریر کی پیروی کی جائے۔

انتخاب از آب حیات

برج بھاشا پر عربی اور فارسی زبانون نے کیا کیا اثر کیے

جب دو صاحب زبان قومین باہم ملتی ہین تو ایک کے رنگ روپ کا دوسرے پر ضرور سایہ پڑتا ہے اگرچہ اُس کے اثر۔ گفتگو۔ لباس۔ خوراک نشست برخاست۔ مختلف رسوم مین بھی ہوتے ہین لیکن چونکہ مجھے اس مقام پر زبان سے غرض ہے اس لئے اسی مین گفتگو کرتا ہون ظاہر ہے کہ جب ایک قوم دوسری قوم مین آتی ہے تو اپنے ملک کی صدہا چیزین ایسی لاتی ہے کہ جو یہان نہین تھین۔ اشیاء مذکورہ کبھی ضروری اور کبھی ایسی باعث آرام ہوتی ہین کہ اُنھین استعمال مین لینا ضروریات زندگی سے نظر آتا ہے اس لئے یہ لوگ انھین غنیمت سمجھ کر لیتے ہین اور بخوشی کام مین لاتے ہین ان اشیاء مین سے بہتیری چیزین تو اپنے نام اپنے ساتھ لاتی ہین اور بہتیری نئی ترکیب سے یا اول بدل کر یہان نیا نام پاتی ہین اور یہ پہلا اثر دوسری زبان کا ہے اس کے علاوہ جب یہ دونون ایک جگہہ رہ سہکر شیر و شکر ہوتی ہین تو ایک زبان مین دوسری زبان کے لفظ بھی گھُل مل جاتے ہین۔

جب مہمان و میزبان ایک دوسرے کی زبان سمجھنے لگتے ہین تو ایک خوشنما اور مفید تبدیلی کے لئے رشتہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ اگرچہ طبع انسانی کے اتحاد سے سب

کے خیالات متفق یا قریب قریب ہون مگر انداز بیان سب کا جُدا جدا ہے اور طبیعت ہمیشہ نئے انداز کو پسند کرتی ہے اس لئے ادائے مطلب مین ایک دوسرے کے انداز بیان سے بھی فائدہ اُٹھاتے ہین پھر نئی نئی تشبیہین لطیف استعارے لے کر اپنی پُرانی تشبیہون اور مستعمل استعارون کا رنگ بدلتے ہین اور جس قدر زبان مین طاقت ہے ایک دوسرے کے خیالات اور نئی طرز کو لے کر اپنی زبان مین نیا مزا پیدا کرتے ہین -

یہ انقلاب حقیقت مین وقت بوقت ہر ایک زبان پر گذرتا ہے چنانچہ قوم عرب نے جو ایک زمانہ مین - روم - یونان اور ہسپانیہ وغیرہ سے خلط ملط ہوئی تھی - ہزارون لفظ علمی اور غیر علمی وہان سے لئے - اسی طرح فارسی زبان عربی و ترکی وغیرہ الفاظ سے مالامال نظر آتی ہے انگریزی کے باب مین مجھے کچھ کہنا زیبا نہین - کیونکہ اب روشن ضمیر انگریزی خوان بہت ہین اور وہ مجھ سے زیادہ جانتے ہین مگر اتنا لکھنا کافی ہے کہ جس طرح ایک مہذب سلطنت کو تمام ضروریات سلطنت کے کارخانے اور ملکی سامان موجود ہونے چاہئین - اسی طرح سب قسم کے الفاظ اور تمام ادائے خیالات کے انداز انگریزی زبان مین موجود ہین اب مجھے اپنی زبان مین گفتگو کرنی چاہئے لیکن اتنا پھر یاد دلانا واجب ہے کہ اُردو کہان سے نکلی ہے اور کیونکر نکلی ہے - اُردو زبان اول لین دین نشست برخاست کی ضرورتون کے لئے پیدا ہوگئی ہندؤن کے ساتھ ہندی مسلمان جو اکثر ایرانیون یا ترکستانیون کی اولاد تھے ہندوستان کو وطن اور اس زبان کو اپنی زبان سمجھنے لگے یہ بھی ظاہر ہے کہ جس طرح زمین بے روئیدگی کے نہین رہ سکتی اسی طرح کوئی زبان بے شاعری کے نہین رہ سکتی محمد شاہی دور تھا اور عیش و عشرت کی بھار تھی ان شرفا کو خیال آیا ہوگا کہ جس طرح ہمارے بزرگ اپنی فارسی کی انشاپردازی مین گلزار کھلاتے تھے - اب ہماری یہی زبان ہے ہم بھی اس مین کچھ رنگ دکھائین چنانچہ وہی فارسی کے خاکے اُردو مین اُتار کر غزلخوانیان شروع کردین اور قصیدے کہنے لگے اور اس مین کچھ شک نہین کہ جو کچھ قوت بیان یا

لفظون کی تراش یا ترکیبون کی خوبصورتی یا تشبیہ اور استعارون کی رنگینی غرض اول جو کچھ نصیب ہوا شعراے اردو کی بدولت ہوا اور یہی سبب ہے کہ جو کچھ سامان ایک ملکی اور کمسالی زبان کے لیئے درکار ہوتے ہین اُس سے یہ زبان مفلس رہی کیونکہ اس عہد مین علوم وفنون تاریخ فلسفہ ریاضی وغیرہ کا چرچا عام ہوتا تو اُس کے لیئے بھی الفاظ ہو جاتے جن جن باتون کا چرچا تھا انھین سامانون کے الفاظ اور خیالات پیدا ہوئے ہان یہ کہنا ضرور چاہیئے کہ جو کچھ ہوا تھا اپنے رنگ پر خوب ہوا تھا۔

اب ہمین پھر مطلب پر آنا چاہیئے کہ بھاشا نے اردو کے کپڑے پہننے کے لئے فارسی سے کیا کیا لیا۔

۱۔ اُن چیزون کے نام لیئے جو عرب اور فارس سے آئین اور اپنے نام اپنے ساتھ لائین مثلاً لباس مین فرغل۔ لبادہ۔ کرتہ۔ قبا۔ چوغا۔ آستین۔ گریبان۔ پائجامہ۔ ازار۔ عمامہ۔ رومال۔ شال۔ دوشالہ۔ تکیہ۔ گاؤتکیہ۔ برقع۔ پوستین۔ وغیرہ۔

کھانے کے ذیل مین۔ دسترخوان۔ چپاتی۔ شیرمال۔ باقرخانی۔ پلاؤ۔ زردہ۔ مُزعفر۔ قلیہ۔ قورمہ۔ متنجن۔ فرنی۔ یاقوتی۔ حریرہ۔ حرلیسہ۔ لوز۔ مربّے۔ اچار۔ فالودہ۔ گلاب۔ بیدمشک۔ خوان۔ طبق۔ رکابی۔ تشتری۔ کفگیر۔ چمچہ۔ سینی۔ کشتی۔ چاے جوش وغیرہ۔

متفرقات مین۔ حمّام۔ کیسہ۔ صابون۔ شیشہ۔ شمع۔ شمعدان۔ فانوس۔ گلگیر۔ تنور۔ رفیدہ۔ مشک۔ نماز۔ روزہ۔ عید۔ شب برات۔ قاضی۔ ساقی۔ حقہ۔ نیچہ۔ چلم۔ تفنگ۔ بندوق۔ تختہ نرد۔ گنجفہ۔ اور اُن کی اصطلاحین۔ یہ سب چیزین اپنے نام ساتھ لے کر آئین۔ بہت سی چیزین آئین کہ بھاشا مین انکے لیئے نام نہین سنسکرت کی کتابون مین ہون گے۔ پستہ۔ بادام۔ منقّے۔ شہتوت۔ بیدانہ۔ خوبانی۔ انجیر۔ سیب۔ بہی۔ ناشپاتی۔ انار۔ وغیرہ۔

۲۔ بہت سے عربی فارسی کے لفظ کثرت استعمال سے اس طرح جگہہ پکڑ بیٹھے ہین

کہ اب ان کی جگہہ کوئی سنسکرت یا قدیمی بھاشا کا لفظ ڈھونڈکر لاتا پڑتا ہے۔ مگر اس مین یا تو مطلب اصلی فوت ہوجاتا ہے یا زبان ایسی مشکل ہوجاتی ہے کہ عوام تو کیا خواص ہنود کی سمجھ مین بھی نہین آتی مثلاً دلاّل۔ فرّاش۔ مزدور۔ وکیل۔ جلاّد۔ صراف۔ مسخرا۔ نصیحت۔ لحاف۔ توشک۔ چادر۔ صورت۔ شکل۔ چہرہ۔ طبیعت۔ مزاج۔ برف۔ فاختہ۔ قمری۔ کبوتر۔ بُلبُل۔ طوطا۔ پر۔ دوات۔ قلم۔ سیاہی۔ جُلاّب۔ رقعہ۔ عینک۔ صندوق کُرسی۔ تخت۔ لگام۔ رکاب۔ زین۔ تنگ۔ پوزی۔ اغل۔ کوتل۔ عقیدہ۔ وفا۔ جہاز۔ مستول۔ بادبان۔ تہمت۔ درّہ۔ پردہ۔ دالان۔ تہ خانہ۔ تنخواہ۔ ملاح۔ تازہ۔ غلط۔ صحیح۔ رسد۔ سرباری۔ کاریگر۔ ترازو۔ شطرنج کے باب مین تعجب ہے کہ خاص ہند کا ایجاد ہے مگر عرب اور فارس سے جو پھر کر آئی۔ تو سب اجزا کے نام اور اپنی اصطلاحین بدل آئی۔ سیکڑون لفظ عربی فارسی کے یہان آئے مگر ہوا موافق نہ آئی اس لئے مزاج اور صورت بگڑ گئی مثلاً مرغا وغیرہ۔

صرف۔ فارسی سے کچھ نہین لیا۔ خود اتنا کیا کہ ون علامت جمع ہندی کو عربی فارسی لفظون پر بھی لگا لیا مثلاً آدمیون۔ انسانون۔ درختون۔ میوون۔

اسم فاعل۔ فارسی۔ عربی کے بے شمار لئے اور ان مین شطرنج بازکے قیاس پر چوپڑ باز اور وفادار کے قیاس پر طرف دار۔ سمجھ دار (سمجھ ناک بھی بول دیتے تھے باغبان کے قیاس پر گاڑی وان۔ ہاتھی وان۔ بھل وان۔ مگر بان اور وان حقیقت مین ایک ہین کیونکہ اصل مین دونون زبانین ایک دادا کی اولاد ہین۔ اسکی تحقیق جیسی کہ چاہئے مین نے فارسی لکچرون مین لکھی ہے۔

اسم ظرف۔ قلمدان وغیرہ کے قیاس پر۔ خاصدان۔ پاندان۔ ناگردان پیکدان۔ مودی خانہ۔ پاخانہ

باب حروف کا بھی یہی حال ہے مثلاً حرف تشبیہ کوئی نہین لیا مگر چنانچہ

اور چونکہ موجود ہین اور اس طرح آتے ہین کہ ترجمہ کے لئے ہندی حرف معلوم ہی نہین ہوتا۔

حرف شرط مین۔ اگر۔ اور اس سے اگرچہ بھی لیا۔

واو عاطفہ سمیت معطوف اور معطوف علیہ۔ اردو عبارت مین لے لئے مثلاً آب وہوا۔ شب وروز۔ صبح وشام۔ زور وشور۔

حرف استثنا مین سے مگر اور عربی کے لفظ سوا۔ ماسوا۔ الا۔ والا نہ۔ لیکن ولیکن لے لئے اپنے حرفون کو گم کردیا۔

حروف نفی نا اور بنا کی جگہہ نہ اور نے آگئے۔

حروف ایجاب رہے مگر اَدَب کی جگہہ مین ست بچن وغیرہ کی جگہہ بجا۔ درست۔ واقعی۔ حق۔ بے شک۔ برحق۔ بسر وچشم آگئے۔ اصل زبان کے لفظ نہ رہے۔

حروف تاکید کی جگہہ۔ ہرگز۔ زنہار۔ ضرور۔ البتہ آگئے۔ اصل لفظ گم ہوگئے۔

حروف تردید کی جگہہ۔ یا۔ خواہ ہین اصل گم۔

حروف تمنا مین سے کوئی حرف نہین۔ کاش فارسی کا حرف ہے۔

حروف ترقی مین۔ بل تو نہین بولتے مگر بلکہ اپنے موقع پر آتا ہے۔

اسم کی تحت مین۔ اسمار اشارہ مین سے کچھہ نہین لیا مگر از انجاکہ۔ باآنکہ۔ باآنکہ مرکب ہوکر بہت آتے ہین۔

موصولات مین سے کچھہ نہین لیا۔ **مگر کاف بیانیہ** اس طرح آنے لگا کہ بے اس کے کلام ہی بے مزہ ہوجاتا ہے۔ کیسا۔ ایسا۔ جیسا۔ کی جگہہ کس طرح وغیرہ کس وضع وغیرہ کتنا۔ اتنا۔ جتنا کی جگہہ کس قدر وغیرہ بھی بولنے لگے۔

یاے نسبت کی ترکیبون مین فارسی عربی کے بموجب نسبتی الفاظ بولنے لگے چنانچہ دلّی دال کی جگہہ دہلوی بولتے ہین اسی طرح اور الفاظ مین۔ اور عورتون مین شیخانی۔ سیدانی۔ اُستانی۔ وغیرہ وغیرہ۔ باوجودیکہ ہندی کے مصدر موجود

تھے مگر صدہا مصادر مرکبہ بنا لئے مثلاً **مانا**۔ اب کہتے ہین ہر چند سمجھایا اُس نے منظور نہ کیا۔ کسی عنوان مقبول نہ کیا یعنی نہ مانا۔ **مُکرنا**۔ اب کہتے ہین پہلے تو قبول دیا تھا پھر انکار کر گیا یعنی مُکر گیا۔ **سوچنا**۔ اب کہتے ہین ہر چند فکر کرتا ہون عقل کام نہین کرتی۔ **پچھتانا**۔ اپنے کیے پر بہت پشیمان ہوا مگر اب کیا ہو سکتا ہے یعنی پچھتایا۔

اسی طرح خوش ہونا۔ غصّے ہونا۔ خفا ہونا۔ تنگ ہونا۔ دق ہونا۔ غمگین ہونا۔ تماشا دیکھنا۔ سیر کرنی۔ انتظار کرنا۔ راہ دیکھنا۔ یہان تک کہ بہتیرے مصدرون کی اصل ہندی گم ہو گئی۔ اس سے بڑھکر یہ کہ عربی فارسی کے مصدر یا مشتقات لے کر ہندی کا اشتقاق کر لیا۔

گذشتن سے گذرنا۔ اور اسکے افعال۔ محاورہ ہے کہ گئی گذری بات کا اب کیا کہنا۔

فرمودن سے فرمانا اور اُس کے بہت سے افعال۔

قبول سے قبولنا۔ محاورہ ہے بڑا بادی چور تھا ہرگز نہ قبولا۔

بدل سے بدلنا اور اس کے بہت سے افعال۔ محاورہ ہے کہ اولے کا بدلا ہے صاحب!

بخشدن سے بخشنا — **لرزیدن** سے لرزنا۔

نواختن یا نوازش سے نوازنا — **شرم** سے شرمانا۔

کاہلی سے کھلانا میان مجبور ایک قدیمی شاعر تھے۔ اُستاد مرحوم ان کی باتین کیا کرتے تھے کہ بڈھے دیرینہ سال تھے مکتب پڑھایا کرتے تھے ایک دفعہ شاعرے مین غزل پڑھی دیکھنا کس خوبصورتی سے فعل مشتق کو بٹھایا ہے ؎

باتین دیکھ زمانہ کی جی بات سے بھی کھلاتا ہے — خاطر سے سب یارون کی مجبور غزل کہلاتا ہے

نحو مین ترکیب اضافی ترکیب توصیفی کہین مبتدا کہین خبر ہو کر تمام ہندی پر چھا گئی۔ اس مین پہلا فائدہ یہ ہوا کہ اختصار کے لحاظ سے لفظون کا پھیلاو کم ہو گیا۔

دوسرے جمع موصوف ہو تو اسم صفت موصوف کو بھی اس کے لئے جمع لاتے تھے اب واحد لاتے ہین ؎

ملائم ہوگئین دلپر برہ کی ساعتین کڑیان
پھر کٹنے لگے اُن بن نہ کٹتین جن بنا گھڑیان

اب گھڑی ساعتین بولتے ہین۔

تیسرے صیغہ مضارع معنی حال۔ سودا۔ ؎

نالہ سینہ سے کرے عزم سفر آخر شب
راہ رو چلنے پہ باندھے ہے کمر آخر شب

چوتھے۔ یہ کہ اقسام اضافہ مین تشبیہ اور استعارہ کے رنگ سے سیدھی سادی زبان رنگین ہوگئی چنانچہ بھاشا مین کہنا ہو تو کہین گے راج کنور کے دل کے کنول کی کملاہٹ دربار کے لوگون سے نہ دیکھی گئی اردو مین کہین گے شہزادہ کے غنچہ دل کی کملاہٹ اہل دربار سے نہ دیکھی گئی۔

ولی وغیرہ متقدمین کے کلامون مین ایسی ترکیبین بہت ہین بلکہ آدھے آدھے اور سارے سارے مصرعہ فارسی کے ہین۔ مگر کچھ اور طرح سے علی ہذا القیاس بھاشا کے الفاظ اور اُس کی ترکیبین بھی زیادہ ہین اور اس طرح ہین کہ آج لوگون کو قبیح نہین معلوم ہوتین۔ اس کی مثال ایسی ہے گویا دودھ مین مٹھاس ملائی مگر وہ ابھی اچھی طرح گھلی نہین۔ ایک گھونٹ خاصہ میٹھا۔ ایک بالکل پھیکا ہے پھر ایک مین مصری کی ڈلی دانت تلے آگئی۔ ہان اب گھل مل کر وہ مرتبہ حاصل ہوا جسے شیر و شکر کہتے ہین بعض اشخاص یہ بھی کہتے ہین کہ خالی بھاشا مین کچھ مزہ نہین اردو خواہ مخواہ طبیعت کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ مگر میری عقل دونون باتون مین حیران ہے کیونکہ جب کوئی کہے آج ایک شخص آیا تھا یا یہ کہین کہ ایک منش آیا تھا۔ تو دونون یکسان ہین کیونکر کہون کہ منش مخالف طبع ہے؟ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہم بچپن سے شخص سُنتے ہین اس لئے ہمین منش یا مانس نامانوس معلوم ہوتا ہے اسی طرح اور الفاظ جن کی تعداد شمار سے باہر ہوگئی ہے اس سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ بہت سے لفظ خود متروک ہین مگر دوسرے لفظ سے ترکیب پاکر ایسے

ہو جاتے ہین کہ فصحا کے محاورہ مین جان ڈالتے ہین مثلاً یہی مانس کہ اکبلا محاورہ مین نہین مگر سب بولتے ہین کہ احمد ظاہر مین تو بھلا مانس معلوم ہوتا ہے باطن کی خبر نہین۔

بند ہو بھاشا مین بھائی یا دوست کو کہتے ہین اب بھائی بند محاورہ مین کہتے ہین نہ فقط بند ہو نہ بھائی بند ہو اور ان استعمالون کی ترجیح کے لیے دلیل کسی کے پاس نہین جو کچھ زمانہ مین رواج ہو گیا وہی فصیح ہو گیا۔ ایک زمانہ آئے گا کہ ہمارے محاورہ کو لوگ بے محاورہ کہکر ہنسین گے۔

اگرچہ یہ بات بغیر تمثیل دیکھنے کے بھی ہر شخص کے خیال مین نقش ہے کہ سنسکرت اور برج بھاشا کی مٹی سے اردو کا پتلا بنا ہے باقی اور زبانون کے الفاظ نے خط وخال کا کام کیا ہے مگر مین چند لفظ مثالاً لکھتا ہون۔ دیکھو سنسکرت الفاظ جب اردو مین آئے تو ان کی اصلیت نے انقلاب زمانہ کے ساتھ کیونکر صورت بدلی ہے۔

۱۔ **چورن** سنسکرت ہے یعنی آٹا۔ بھاشا مین چون کہتے ہین اردو مین چورن پسی ہوئی دوا کو کہتے ہین اور کٹی ہوئی چیز کے نیچے جو باریک اجزا رہ جائین وہ چورا ہے۔

۲۔ **پسٹ** سنسکرت ہے برج بھاشا مین پسان اسی سے ہے پسنہاری اردو مین پیٹھی پسی ہوئی دال کے لئے خاص ہو گئی اور پیسنا مصدر ہو گیا۔

۳۔ **اٹ** جسے برج بھاشا اور اردو دونون مین آٹا کہتے ہین۔

۴۔ **وارتا یا ورت** اردو مین بات ہو گئی۔

۵۔ **چترودھر** اردو مین چودھری ہو گیا۔

۶۔ **چندر** چاندری سنسکرت ہے اردو مین چاند اور چاندنی ہو گئین

۷۔ **گرہ** (گڑھ) گڑھ۔ گھر یا خانہ اور کیا عجب ہے کہ فارسی مین کدیا کدہ بھی یہی ہو۔

۸۔ **ہست** ہاتھ ہے۔

۹۔ **ہستی** کا ہاتھی ہو گیا۔

۱۰۔ بارد۔ سنسکرت ہے بھاشا بادر اردو بادل یعنی ابر ہوگیا۔

۱۱۔ دُل۔ ایک ایک چیز کے دو دو ٹکڑے کرنے کو کہتے ہین بھاشا اور اردو مین دال خاص غلہ کے لیے اور دلنا مصدر نکل آیا۔

۱۲۔ کشیر۔ دودھ بھاشا کھیر یا چھیر اردو مین دودھ چاول سے طیار ہوتی ہے۔

۱۳۔ دُگدھ۔ سنسکرت ہے بھاشا دُوّہ ہوا اب اردو مین دودھ کہتے ہین۔

۱۴۔ ماس۔ یا ماگھ۔ ماس۔ اردو مین مہینا ہوگیا۔

۱۵۔ گانڈا۔ اردو مین گنا ہوگیا مگر گنڈیری مین ڈال باقی رہی۔

بہت سے الفاظ ہین کہ عربی فارسی نے اردو کو دئے اردو نے کہین تو لفظون مین کچھ تصرف کیا معنی وہی رکھے ہین کہین لفظون کو سلامت رکھا معنی کچھ سے کچھ کر لیے مثلاً۔

فیلسوف۔ یونانی لفظ ہے بمعنی محب الحکمت جسے عربی مین حکیم اور انگریزی مین ڈاکٹر یا فلوزفر کہتے ہین مگر اردو والے دغاباز اور مکّار کو کہتے ہین اور فیلسوفی مکّاری

ابّا۔ امّا اب اور اُم سے نکلے ہین۔

خصم۔ عربی مین بمعنی مقابل یا دشمن ہے مگر اردو مین خاوند بمقابل جورو کے ہے جس سے زیادہ کوئی دُنیا مین عزیز نہین۔

تماشا۔ سیر۔ عربی مین فقط بمعنی رفتار ہے اردو مین کہتے ہین چلو باغ کی سیر دیکھ آئین عجب تماشا ہے۔

اخلاص۔ عربی مین خالص کرنے کو کہتے ہین اردو والے پیار۔ اخلاص محبت ایک معنون مین بولتے ہین۔

خیرات عربی لفظ ہے یعنی نیکیان۔ اردو مین خیرات دو۔ صدقہ اُتارو۔

تکرار۔ عربی مین دوبارہ کہنے یا کام کرنے کو کہتے ہین اردو مین نزاع یا

جھگڑے کو کہتے ہین + + + +

روزگار۔ فارسی مین زمانہ کو کہتے ہین ہندی مین روزگار نوکری ہے۔

رومال۔ جن معنون مین یہان بولتے ہین یہ یہین کا ایجاد ہے فارسی مین روپاک۔ یا دست پاک ہے۔

خیر وصلاح عوام الناس خیر سلاّ کہتے ہین یعنی صحت و سلامت۔

رسد۔ اگرچہ فارسی لفظ معلوم ہوتا ہے مگر اہل فارس ان معنون مین نہین بولتے۔

بہت الفاظ اس طرح لئے کہ معنون کے ساتھ ان کی صورت بھی بدل دی اگرچہ اکثر ان مین سے عوام الناس بولتے ہین مگر بعض الفاظ خواص کی زبانون تک بھی پہونچ گئے مثلاً

اردا وہ۔ کہ اصل مین اردابہ تھا

تانے تشنے۔ طعن و تشنیع۔

شروا۔ شوربہ یا شورابہ

باک باک جھک جھک زق زق بق بق۔

کھیسا۔ کیسہ

قبور۔ قربوس۔

کھگل۔ کاہ گل

دسپناہ دست پناہ یہین کی فارسی ہے۔

ہمام دستہ۔ ہاون دستہ

مردار سنگ۔ مردہ سنگ۔

بجاز۔ بزّاز۔

گدڑی گذری۔ بازار وقت شام

پجاوہ پزاوہ۔ پزیدن سے

توبہ تنسوہا۔ توبۃ نصوحا

ٹاٹ بافی۔ تار بافی۔

تاشہ۔ تاسہ اور تاسک فارسی لفظ ہے

زری کونا۔ زری کہنہ۔

سہ بندی سپہ بندی۔ نگہداشت فوج۔

تارتلا۔ تار طلا یعنی زری کہنہ۔

عوفش۔ عوش۔

افراتفری۔ یعنی افراط و تفریط۔ اصل مین نہایت بہتات اور نہایت کمی کے معنی ہین اب کہتے ہین عجب افراتفری پڑ رہی ہے یعنی ہل چل پڑ رہی ہے۔

قلابنج۔ قلاش یا قلاچ ترکی مین دونون ہاتھون کے درمیان کی وسعت کو

کہتے ہین اس لئے کپڑا ناپنے کا پیمانہ ہے یہان خرگوش یا ہرن وغیرہ جانور دوڑتے ہین تو کہین گے کہ قلانچین بھرتے پھرتے ہین۔

آکا۔ ترکی مین بڑے بھائی کو کہتے ہین یہان آکا یار دوست کو بولتے ہین اور اُس مین کچھ ہانکین کو بھی دخل ہے۔

قبورق۔ ترکی مین شئے محفوظ کو کہتے ہین یہان جو شئے حاکم کی ضبطی مین آوے اُسے قرق کہتے ہین۔

مشاطہ۔ مشط عربی مین کنگھی کو کہتے ہین فارسی مین مشّاطہ اُس عورت کو کہتے ہین جو عورتون کو بناؤ سنگار کروائے جیسے ہندوستان مین نائن۔ اُردو مین مُمشّاطہ بضم اوّل اور تخفیف ثانی اُس عورت کو کہتے ہین جو زن و مرد کی نسبت تلاش کرے اور شادی کروادے۔

مُرغا۔ فارسی مین مُرغ فقط پرندہ ہے اُردو مین مرغا خروس مرغی ماکیان کو کہتے ہین۔ اُن کے ہان ہر جمعہ کو مرغون کی پالی بندھتی ہے۔

چغ یا چق ترکی مین باریک پردہ کو کہتے ہین یہان چلمن کو چک کہتے ہین۔

کتّا۔ ترکی مین بڑے کو کہتے ہین یہان کتّا موٹے کو کہتے ہین۔ ہٹّا کٹّا محاورہ ہے۔

نظر۔ بالتحریک ہے مگر جمع اس کی بسکون اوسط ہی بولتے ہین۔ وزیر۔

ترچھی نظرون سے نہ دیکھو عاشقِ دلگیر کو کیسے تیرانداز ہو سیدھا تو کر لو تیر کو

خط مشدد ہے مگر اب کہتے ہین۔ آج کل خطون مین آداب و القاب کا دستور ہی نہین رہا۔

غم۔ بھی عربی مین مشدد ہے فارسی اور اُردو مین بالتخفیف بولتے ہین۔

طرح عربی مین بالتسکین ہے اُردو کے اہل محاورہ اور شاعر بھی بالتحریک باندھتے ہین

محل بالتشدید ہے مگر کہتے ہین کل بولی بھٹیاری کے محلون مین بسنت ہے۔

انگریزی زبان بھی اپنی عملداری بڑھاتی چلی آتی ہے ہندو مسلمان بھائیون کو اُس

دن کا انتظار چاہیئے کہ وہ عربی فارسی کے لفظ جواب تک ہمارے تمہارے باپ دادا بولتے رہے آیندہ اُن کی جگہہ اُس کثرت سے انگریزی لفظ نظر آئین گے کہ عربی فارسی کے لفظ خود جگہہ چھوڑکر بھاگ جائین گے چند لفظ ایسے بھی دکھانے چاہیئین جو کہ مختلف ممالک یورپ کے ہین اور اب ہماری زبان مین اس طرح پیوند پا گئے ہین کہ جوڑ تک نہین معلوم ہوتا۔

کمرہ۔ اطالی ہے

نیلام۔ پرتگالی ہے وہ لیلام کہتے ہین

پادری۔ زبان لاطینی سے آیا ہے۔

لالٹین۔ لین ٹرن انگریزی ہے۔

اسٹام۔ سٹمپ۔ انگریزی ہے۔

بسکٹ۔ بسکٹ۔ انگریزی ہے

پنشن۔ انگریزی ہے۔

بوتام۔ بوتان فرنچ ہے

پستول۔ پسٹل انگریزی ہے

فلانیل یا فلالین۔ فلیل انگریزی ہے۔

بانٹ۔ بابی نٹ ایک جالی کی قسم کا کپڑا

بوتل۔ باٹل۔ انگریزی ہے۔

درجن۔ ڈزن۔ انگریزی ہے۔

بٹن۔ بٹن انگریزی ہے۔

بگی۔ انگریزی ہے۔

گلاس انگریزی مین عام شیشہ ہے۔

میم۔ میڈم۔ انگریزی لفظ ہے۔

اُردلی۔ آرڈرلی۔

اسی طرح اسٹیشن۔ ٹکٹ۔ ریل پولس وغیرہ صدہا لفظ ہین کہ خاص وعام سے بڑھ کر عورتون کی زبان تک پہونچ گئے ہین اور جو الفاظ دفترون اور کچہریون مین صاحب لوگون کے ملازم بولتے ہین۔ اگر سب لکھے جائین تو ایک ڈکشنری بنجاے۔

ہر زبان کے فصحا کا قاعدہ ہے کہ اپنی زبان مین تصرفات لطیف سے کچھ ایجاد کرکے نئے لفظ اور اصطلاحین پیدا کرتے ہین ہماری اُردو بھی اس میدان مین کسی سے پیچھے نہین رہی۔ اِن اصطلاحون کی بنیاد اگرچہ اتفاقی پڑتی ہے مگر ان لوگون کی طبیعت سے ہوتی ہے جو علم کے ساتھہ فکر عالی۔ طبیعت براق۔ ذہن پر ایجاد اور

ایجاد دلپذیر رکھتے ہین انھین کے کلام کو خاص و عام کے دلون مین بھی اثر ہوتا ہے کہ اُن کی بات سب کے دلون کو بھلی لگتی ہے اور اُسے اختیار کر لیتے ہین مثلاً

گھوڑے کا رنگ جسے ہندوستان مین **سرنگ** اور پنجابی مین چنبا۔ یا کُکّا کہتے ہین فارسی مین اُسے کرنگ کہتے ہین اور چونکہ بھاشا مین ک علامت بدی اور اس علامت خوبی ہے اس لئے **اکبر** نے اس کا نام سُرنگ رکھا۔ گھوڑے کی اندھیری کا نام **جیالی** رکھا کہ نیک شگون ہے۔

خاک روب کو **حلال خور** کا خطاب بھی اُسی ذرہ نواز بادشاہ کا بخشا ہوا ہے۔

جہانگیر کی رنگیلی طبیعت نے شراب کا نام **رام رنگی** رکھا اور اس کو فارسی کے شعرا نے اشعار مین بھی باندھا طالب آملی۔ ؎

نہ ایم منکر صہبا ولیک میگویم که رام رنگئ مانشۂ وگردارد

سنگترہ۔ کو اُس کی خوبی و خوش رنگی کے سبب سے **محمد شاہ** نے زنگترہ کہا

بلبل ہندوستان کا **گلدم** نام رکھا۔

ہار کے لفظ کو بدشگون سمجھ کر **پھلمال** کہولایا۔

شاہ عالم نے سرخاب کو بھی **گلسرہ** کہا مگر اُس نے رواج نہ پایا۔

نواب سعادت علی خان مرحوم نے ملائی کا نام بالائی رکھا کہ لکھنؤ مین عام اور دلی وغیرہ مین کم رائج ہے۔ مذاق سلیم دونون کے لطف مین امتیاز کر سکتا ہے۔

بھاشا کی ساخت کو دیکھو کہ ہر ایک زبان کے ملاپ کے لئے کیسی ملنسار طبیعت رکھتی ہے نظم و نثر پر غور سے نظر کرو اُس نے اپنے مہمان کے لئے فقط لفظون ہی مین جگہ خالی نہین کی بلکہ بہت سے الفاظ و خیالات جو کہ ملکی خصوصیت عربی فارسی سے رکھتے تھے وہ بھی لے لئے چنانچہ بہادری کا میدان رستم و سام کو دیا حالانکہ یہان وہ بھیم اور ارجن کا حق تھا سودا کہتے ہین ؎

رستم رہا زمین پہ نہ سام رہ گیا　　مردون کا آسمان سے تلے نام رہ گیا

رستم سے بھلا کہ تو سر تیغ تلے دھر دے　　پیارے یہ ہمین سے ہو ہر کارے دھر دے

حسن و جمال کے شبستان مین لیلی و شیرین آگئین اور جب وہ آئین تو راستے کی جگہ مجنون و فرہاد کیونکر نہ آتے مجنون و فرہاد کی آنکھون سے گنگا و جمنا تو بہ نہین سکین مجبور جیحون سیحون ہندوستان مین آگئے - ہماچل اور بندھیاچل کو چھوڑ کر کوہ بیستون قصر شیرین کوہ الوند سے سر پھوڑتے ہین مگر جب کوئی خوش طبع چاہتا ہے تو یہین کے پھولون سے بھی یہان کے مکان سجا دیتا ہے اور وہ عجب بہار دیتے ہین -

ایک زبان کے محاورہ کو دوسری زبان مین ترجمہ کرنا جائز نہین مگر ان دونون زبانون مین ایسا اتحاد ہو گیا کہ یہ فرق بھی اٹھ گیا اور اپنے کارآمد خیالون کے ادا کرنے کے لئے دلپذیر اور دلکش اور پسندیدہ محاورات جو فارسی مین دیکھے انھین کبھی بجنسہ اور کبھی ترجمہ کر کے لیا مثلاً **بر آمدن** اور **بسر آمدن** ہندی مین اسکا ترجمہ لفظی ڈھونڈین تو نہین ہے مگر اہل زبان نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ تضمین کر لیا اور سودا نے کہا - **سودا**

اس دل کی نفس آہ سے کب شعلہ بر آئے　　بجلی کو دم سرد سے جس کے خذر آئے

افعی کو یہ طاقت ہے کہ اس سے بسر آئے　　وہ زلف سیہ اپنے اگر لہر پر آئے

در آمدن یعنی گھس آنا - **سودا**

یہان تک نہ دل آزار خلایق ہو کہ کوئی　　مل کر لہو منہ سے صف محشر مین در آئے

عرق عرق شدن اور آب شدن - ذوق

آگ دوزخ کی بھی ہو جائے گی پانی پانی　　جب یہ عاصی عرق شرم سے تر جائین گے

حرف آمدن اور دل خون شدن

حرف آئے مجھ پہ دیکھئے کس کس کے نام سے　　اس درد سے عقیق کا دل خون مین ہے

سید انشا - ع - لب وہ کہ لعل کے بھی نگینہ پہ حرف ہے *

چشمک زدن ۔ ذوق ۔

لب پر ترے پسینہ کی بوندا ے عقیق لب　　چشمک زنی کرے ہے سہیلِ یمن کے ساتھ

پیمانہ پر کردن ۔ ماڈالنا ۔ سودا ۔

ساقی چمن مین چھوڑکر مجکو کدھر چلا　　پیمانہ میری عمر کا ظالم تو بھر چلا

دامن افشاندہ برخاستن ۔ بیزار ہوکر اٹھ کھڑے ہونا ۔ سودا

کیا اس چمن مین آن کے لے جائے گا کوئی　　دامن تو میرے سامنے گل جھاڑ کر چلا

از جامہ بیرون شدن

نکلا پڑے ہے جامہ سے کچھ ان دنون قریب　　تھوڑے ہی دم دلاسے مین اتنا اُبھر چلا

کب صبا آئی ترے کوچہ سے اے یار کہ مین　　جون حبابِ لب جو جامہ سے باہر نہ ہوا

اگرچہ ان باتون پر فصاحت کے اصول عامہ کے بموجب بہت اعتراض ہوئے مگر احتراز نہ ہوئے کیونکہ بولنے والون کی نسلین اور اصلین اور گھر اور گھرانے فارسی سے شیر و شکر ہو رہے تھے ۔ جتنا اس کا دخل زیادہ ہوتا تھا اُتنا ہی مزہ زیادہ ہوتا تھا اور آج دیکھتے ہین تو اور ہی رنگ ہے ۔ ہمارے قادر الکلام انشا پرداز ترجمے کرکے انگریزی کے خیالون کے چربے اُتارتے ہین اور ایسا ہی چاہیے جہان اچھا پھول دیکھا چُن لیا اور دستار نہین تو کوٹ مین زیب گریبان کرلیا ۔ ہمارے انشا پردازون نے جب دیکھا کہ فارسی والون نے اپنی قادر سخنی کے زور یا ظرافت طبع کے شور سے عربی ترکیبون کا استعمال کیا ہے تو اُنھون نے بھی اپنے پیارے ملک کی زبان کو اس نمک سے بے لطف نہ چھوڑا سودا فرماتے ہین ۔ ع ۔ جیسی کہتا ہے کوئی ہو ترا صفاً صفا ۔

سید رضی خان رضی مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ۔

ع ۔ تری وہ مثل ہے کہ اے رضی نہ اتے الذی نہ اُتے الذی ۔

دونون زبانون کی باب تشبیہات مین ایک نکتہ کے بغیر مجھ سے آگے بڑھا نہین جاتا ۔

یعنی مختلف افراد انسان کے طبائع پر غور کرو کہ ہزارون کوس پر پڑے ہون اور مختلف طبیعت کے ملکون مین ہون لیکن چونکہ طبیعت انسانی متحد ہے اسلئے دیکھو ان کے خیالات کسقدر ملتے جلتے ہوتے ہین چنانچہ یہان بالون کی تعریف مین ناگون کے لہرانے اور بھونرون کے اُڑنے سے تشبیہ دیتے ہین فارسی مین بھی زلف کی تشبیہ سانپ کے ساتھ آئی ہے اس لئے اُردو مین سانپ رہے مگر بھونرے اُڑ گئے اور اس کی جگہہ مشک۔ بنفسہ۔ سنبل۔ ریحان آگئے جو کبھی یہان دیکھے بھی نہین مگر عرب کا سادہ مزاج فصیح اپنے نیچر کا حق ادا کرتا ہے اور زلف کو کوئلے سے تشبیہ دیتا ہے۔ سانولی رنگت کی تعریف مین شام برن اور سیگھ برن کہتے تھے۔ اس سے کھلتا رنگ ہوتا تو چنپک برنی کہتے تھے۔ اب سمن رنگ اور سیم رنگ کے الفاظ حسن کو بہار دیتے ہین مگر چندر مکھ اور ماہرخ مشترک ہے۔ آنکھ کی تعریف مین یہان مرگ کی آنکھ اور کنول کے پھول اور ممولے کی اچلاہٹ سے تشبیہ دیتے تھے۔ اردو مین آہو چشم رہے مگر ممولے ہوا ہو گئے اور کنول کی جگہہ ساغر لبریز اور نرگس شہلا آگئی جو کسی نے یہان دیکھی بھی نہ تھی بلکہ ترک چشم۔ شمشیر نگاہ سے قتل کرنے لگے۔

رفتار کے لئے بھاشا مین ہتنی اور ہنس کی چال ضرب المثل ہے اب ہنس کے ساتھ ہاتھی بھی اُڑ گیا فقط کبک دری۔ شور محشر اور فتنہ قیامت نے آفت برپا کر رکھی ہے۔ بھاشا مین ناک کی تشبیہ طوطہ کی ناک سے تھی۔ اب زبنق کی کلی سے تشبیہ دیتے ہین۔ آتش کا شعر ہے۔

توڑنے والے گل زبنق کے ہین　　کاٹنے والے چمن کی ناک کے

فارسی والون نے کمر کی نزاکت مین بڑی باریکیان نکالی ہین مگر سنسکرت نے بھی اپنی جگہہ مبالغہ مین کچھ کمی نہین کی چنانچہ آنکھون کی تعریف مین ایک شاعر نے کہا۔ گوشے اُنکے کانون سے جا ملے تھے۔

پہلے یہان ہوا یا ابر یا ہنس کو قاصد کہتے تھے۔ انھون نے نسیم اور صبا کو قاصد رکھا بلکہ نالہ اور آہ اور اشک سے بھی پیغام رسانی کا کام لیا۔ اُستاد مرحوم کا شعر ہے۔

نالہ ہے اُن سے بیان درد جدائی کرتا　　کام قاصد کا ہے یہ تیر ہوائی کرتا

ظفر

ظفر گر نہین ہے کوئی نامہ بر　　تم آنسو ہی اپنا روانہ کرو

سودا

قاصد اشک آ کے خبر کر گیا　　قتل کوئی دل کا نگر کر گیا

فارسی والے طفل اشک باندھتے تھے۔ انھون نے بھی اُسے لڑکا بنایا۔ اور دیکھو اُستاد مرحوم نے اُس کے لئے دامن کیا خوب تیار کیا ہے۔ ع

طفل اشک ایسا گرا دامان مژگان چھوڑ کر

اور معروف نے بھی کہا ہے ؎

ابھی سے نام خدا کرنے قاصدی نکلا　　یہ طفل اشک پڑا پانو کا بلی نکلا

بیان کیا کرون اشک کی ابتری کا　　یہ لڑکا بد اطوار پیدا ہوا ہے

یہ نہ سمجھنا کہ فارسی زبان ہندی مین تصرف حاکمانہ کرتی رہی۔ نہین اُسے بھی یہان کے الفاظ لئے بغیر چارہ نہین ہوا۔ چنانچہ جو الفاظ فارسی اور سنسکرت کی اصلیت مین متفق ہین اُن سے قطع نظر کر کے کہتا ہون کہ سلاطین چغتایہ کے دفترون مین صدہا لفظ ہندی کے تھے جو کہ فارسی عبارتون مین بے تکلف ہوتے تھے۔ اور اب بھی عہد مذکور کی تواریخون مین موجود ہین۔ مثلاً جھروکہ درشن اور پھول کٹارہ اور کھپوہ مرصع۔ جہانگیر بادشاہ اپنی توزک مین لکھتا ہے کہ میرا بھائی شاہ مراد کوہستان فتح پور سیکری مین پیدا ہوا تھا۔ اسی واسطے میرے والد اُسے پہاڑی راجہ کہا کرتے تھے اور آرام بانو بیگم میری چھوٹی بہن کو بہت پیار کرتے تھے اور اکثر مجھ سے کہتے تھے کہ بابا بجہت خاطر من باین خواہر خود کہ لاڈلہ من است بعد از من

باید بر وشے سلوک کنی کہ من بہ او میکنم۔ ناز او برداشتہ۔ بے ادبی و شوخی ہاے او بگذرانی۔ اسی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہجہان بچپن مین اکبر کو شاہ بابا اور جہانگیر کو شاہ بھائی کہا کرتا تھا۔

اسی طرح شعرا نے اپنے تصرفات رنگین کے ساتھ اشعار فارسی کو رونق دی ہے۔ امیر خسرو ۶ سو برس پہلے کہتے ہین ع بنشستہ چون در پالکی نہ چرخ کہار آمدہ۔ اور دہلی کی باد مین ایک جگہہ کہتے ہین۔

اے دہلی وائے بتان سادہ پگ بستہ و چیرہ کج نہادہ

اور سہ نثر مین بادشاہ کے لئے کیا خوب کہا ہے۔ بارجگت گردی عالم برخود گرفتہ۔

بیان مذکورہ بالا سے تمہین اجمالاً معلوم ہوگیا کہ اردو کا درخت اگرچہ سنسکرت اور بھاشا کی زمین مین اُگا مگر فارسی کی ہوا مین سرسبز ہوا ہے البتہ شکل یہ ہوئی کہ بیدل اور ناصر علی کا زمانہ قریب گذر چکا تھا اور اُن کے معتقد باقی تھے وہ استعارہ اور تشبیہ کے لطف سے مست تھے۔ اسواسطے گویا اردو بھاشا مین استعارہ و تشبیہ کا رنگ بھی آیا اور بہت تیزی سے آیا۔ یہ رنگ اگر اسی قدر آتا جتنا چہرہ پر اُبٹنے کا رنگ یا آنکھون مین سرمہ تو خوشنمائی اور بینائی دونون کو مفید تھا مگر افسوس کہ اس کی شدت نے ہمارے قوت بیان کی آنکھون کو سخت نقصان پہونچایا اور زبان کو خیالی باتون سے فقط توہمات کا سوانگ بنا دیا نتیجہ یہ ہوا کہ بھاشا اور اردو مین زمین و آسمان کا فرق ہوگیا چاہتا ہون کے دونون کے نمونے آمنے سامنے رکھکر اُن کے فرق دکھاؤن مگر اس سے پہلے دو تین باتین خیال مین رکھنی چاہیے۔ اوّل تو شاعرانہ اردو کا نوجوان جس نے فارسی کے دودھ سے پرورش پائی۔ اس کی طبیعت مین بہت سے بلند خیالات اور مبالغہ مضامین کے ساتھ وہ حالات اور ملکی رسمین اور تاریخی اشارے آگئے جو فارس اور ترکستان سے خالص تعلق رکھتے تھے اور بھاشا کے طبعی مخالف تھے ساتھ اس کے فارسی کی نزاکت اور لطافت طبعی کے سبب سے

اُردو کے خیالات اکثر ایسے پیچیدہ ہوگئے کہ بچپن سے ہمارے کانون مین پڑتے اور ذہنون مین جمتے چلے آتے ہین۔ اس لئے ہمین مشکل نہین معلوم ہوتے۔ ان پڑھ۔ انجان۔ یا غیر زبان والا انسان سنتا ہے تو مُنہ دیکھتا رہ جاتا ہے کہ یہ کیا کہا۔ اس لئے اُردو پڑھنے والے کو واجب ہے کہ فارسی کی انشاپردازی سے ضرور آگہی رکھتا ہو۔ فارسی اور اُردو کی انشاپردازی مین جو دشواری ہے اور ہندی کی انشا مین آسانی ہے۔ اُس مین ایک باریک نکتہ غور کے لایق ہے وہ یہ ہے کہ بھاشا زبان جس شے کا بیان کرتی ہے اس کی کیفیت ہمین اُن خط وخال سے سمجھاتی ہے جو خاص اُسی شے کے دیکھنے۔ سونگھنے۔ چکھنے یا چھونے سے حاصل ہوتی ہے۔ اُس بیان مین اگرچہ مبالغہ کے دور یا جوش وخروش کی دھوم دھام نہین ہوئی مگر سُننے والے کو جو اصل شے کے دیکھنے سے مزہ آتا ہے وہ سُننے سے آجاتا ہے۔ برخلاف شعراے فارس کے کہ جس شے کا ذکر کرتے ہین صاف اُس کی برائی بھلائی نہین دکھاتے بلکہ اُسکے مشابہ ایک اور شے جسے ہم نے اپنی جگہہ اچھا یا بُرا سمجھا ہوا ہے اُس کے لوازمات کو شے اول پر لگا کر اُن کا بیان کرتے ہین مثلاً پھول کی نزاکت۔ رنگ اور خوشبو مین معشوق سے مشابہ ہے۔ جب گرمی کی شدت مین معشوق کے حسن کا انداز دکھانا ہو تو کہین گے کہ مارے گرمی کے پھول کے رخسارون سے شبنم کا پسینہ ٹپکنے لگا اور اسی رنگ مین شاعر کہتا ہے۔

خواجہ وزیر۔ وزیر۔

ہون وہ بلبل جو کرے ذبح خفا تو ہوکر　　روح میری گُلِ عارض مین رہے بو ہوکر

یہ تشبیہین اور استعارے اگر پاس پاس کے ہون اور آنکھون کے سامنے ہون تو کلام مین نہایت لطافت اور نزاکت پیدا ہوتی ہے لیکن جب دور جا پڑین اور بہت باریک پڑ جائین تو دقت ہو جاتی ہے چنانچہ ہمارے نازک خیال کسی بادشاہ کے اقبال اور عقل کے لئے اس قدر تعریف پر قناعت نہین کرتے کہ وہ اقبال مین سکندر یونانی اور عقل مین ارسطو ثانی ہے بلکہ بجاے اسکے کہتے ہین کہ اگر اُس کا ہماے عقل۔ اوج اقبال سے سایہ ڈالے۔ تو ہر شخص

کشور دانش و دولت کا سکندر اور ارسطو ہو جائے بلکہ اگر اسکے سینہ مین دلائل عقلی کا دریا جوش مارے تو طبقۂ یونان کو غرق کر دے۔ اوّل تو ہما کی یہ صفت خود ایک بے بنیاد فرض ہے اور وہ بھی اسی ملک کے ساتھ خاص ہے۔ اس پر ایک اقبال کا فلک الافلاک تیار کرنا اور اس پر نقطۂ اوج کا دریافت کرنا دیکھئے۔ وہان اُنکے فرضی ہما کا جانا دیکھئے پھر زمین پر اس خیالی آسمان کے نیچے ایک تدبیر کا یونان بسانا دیکھئے۔ پھر اس فرضی ہما کی برکت کا اس قدر عام کرنا دیکھئے جس دنیا کے جاہل اس خیالی یونان مین جا کر ارسطو ہو جائین۔ دوسرے فقرے مین اوّل علماء ہند نے تنور سے طوفان کا نکلنا مانا ہی نہین ہے۔ اُس پر طبقۂ یونان کا اپنے فلسفہ کی تہمت مین تباہ ہونا وغیرہ وغیرہ ایسی باتین اور روایات ہین کہ اگرچہ ہمارے معمولی خیالات ہون مگر غیر قوم بلکہ ہمارے بھی عام لوگ اُس سے بے خبر ہین۔ اس لئے بے سمجھائے نہ سمجھین گے اور جب بات کو زبان سے کہکر سمجھانے کی نوبت آئی تو لطف زبان کجا اور یہ نہین تو تاثیر کجا مزہ وہی ہے کہ آدہی بات کہی آدہی منہ مین ہے اور سننے والا پھڑک اٹھا۔ تار باجا اور راگ بوجھا خیالی رنگینیون اور فرضی لطافتون کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو باتین بدیہی ہین اور محسوسات مین عیان ہین۔ ہماری تشبیہون اور استعارون کے پیچ در پیچ خیالون مین آکر وہ بھی عالم تصور مین جا پڑتی ہین۔ کیونکہ خیالات کے ادا کرنے مین ہم اول اشیاء بے جان کو جان دار بلکہ اکثر انسان فرض کرتے ہین بعد اسکے جان دارون اور عاقلون کے لئے جو باتین مناسب حال ہین ان بیجانون پر لگا کر ایسے ایسے خیالات پیدا کرتے ہین جو اکثر ملک عرب یا فارس یا ترکستان کے ساتھ قومی یا مذہبی خصوصیت رکھتے ہین مثلاً رات کو اہل محبت کے جلسہ مین اول تو ساقی کا آنا دیکھئے پھر معشوق بجائے ایک نازنین عورت کے پرزاد لڑکا ہو اسکی پیشانی اور رخسارہ سے نور صبح روشن ہے مگر زلف کی شام بھی برابر مشک افشان ہے صراحی کبھی سرکشی کرتی ہے۔ اسی لئے جگر خون ہو کر ٹپکتا ہے کبھی جھکتی ہے اور خندۂ قلقل سے ہنستی ہے۔ کبھی وہی قلقل حق حق ہو کر یاد الٰہی مین صرف

ہوتی ہے۔ مگر پیالہ اپنے کھلے منہ سے ہنستا ہے اور اس کے آگے دامن بھی پھیلاتا ہے فلک
تیر حوادث کا ترکش اور کمان کہکشان لگائے کھڑا ہے مگر عاشق کا تیر آہ اس کے سینہ کے
پار جاتا ہے پھر بھی زحل منحوس کی آنکھ نہیں پھوٹتی کہ عاشق کی صبح مراد روشن ہو۔
یہان کی محفل مین شمع برقع فانوس مین تاج زر سر پر دھرے کھڑی ہے اسلئے
پروانہ کا آنا بھی واجب ہے۔ وہ عاشق زار آتے ہی جل کر خاک ہو جاتا ہے چراغ کو ہنساتے
ہین اور شمع کو عاشق کے غم مین رلاتے ہین۔ وہ باوفا عشق کی تپ مین سراپا جلتی ہے
اسکی چربی گھل گھل کر بہتی ہے مگر پاے استقامت اس کا نہین ٹلتا۔ یہان تک کہ سفیدہ سحری
کبھی آکر کافور دیتا ہے اور کبھی طباشیر شمع کا دل اسلئے بھی گداز ہے کہ شب زندگی کا دامن
بہت چھوٹا ہے۔ لیکن صبح دونون کے ماتم مین گریبان چاک کرتی ہے۔ عاشق بادہ خوار
کے لئے مرغ سحر بڑا موذی ہے۔ اسکے ذبح کو ہمیشہ تیغ زبان تیز رہتی ہے۔ باد سحر قاصد خجستہ
گام ہے کہ پیغام یار کا بہت جلد لاتا اور لے جاتا ہے۔ اسی عالم مین آفتاب کبھی تو پنجہ شعاع سے
آنکھ ملتا سر برہنہ حجرہ مشرق سے نکلتا ہے کبھی فلک کے سبزہ گھوڑے پر سوار کرن کا تاج
زرنگار سر پر چمکاتا شفق کا پھریرا اڑاتا آتا ہے کیونکہ اپنے حریف شاہ انجم کی فوج کو پریشان
کرکے فتحیاب آیا ہے۔ انھین بنیادون پر جب گلزار کی شگفتگی یا باغ کی بہار دکھانی ہو تو ایسے
خیالات مین دکھائین گے کہ شاہد گل کے کان مین قاصد صبا کچھ ایسا افسون پھونک
گیا کہ وہ مارے ہنسی کے فرش سبزہ پر لوٹ گیا طفل غنچہ مسکرا کر اپنے عاشق بلبل شیدا کا دل
لبھاتا ہے کبھی خزان کا غارت گر آتا ہے تو گل اپنا جام اور غنچہ اپنی صراحی لیکر روانہ ہو جاتے ہین اسیطرح ہمارے باغ
مین بہار خود ایک معشوق ہے اسکا چہرہ چمن ہے گل خسار ہین سنبل بال ہین بنفشہ زلف ہین نرگس آنکھین ہین وغیرہ وغیرہ
پھر بہار موسم جوانی ہے درخت جوانان چمن ہین کہ عروسان گلشن سے
گلے مل مل کر خوش ہوتے ہین شاخین انگڑائیان لیتی ہین۔ تاک کا سیست پڑا ایندتا
ہے اطفال نبات دایہ بہار کی گود مین پرورش پاتے ہین خضر سبزہ کی برکت

سے نسیم سحری مردۂ ہزار سالہ مین دم عیسوی کا کام دیتی ہے مگر بلبل زار عشق شاہد گل مین اُداس ہے آب روان عمر گذران ہے اُس کی موج کی تلوار سے دل کٹتے جاتے ہین۔ سرو کے عکس کا اژدہا نگلے جاتا ہے شبنم کے آنسو جاری ہین بلبل کبھی خوش ہے کہ گل اُس کا پیارا پاس ہنس رہا ہے کبھی افسردہ کہ خزان کا خون ریز اُن سب کو قتل کریگا۔ یا اُسکے دشمن یعنی گلچین وصیاد اسے یہان سے نکالین گے۔ سرو یا شمشاد کے عشق مین قمری کا گیرو لباس ہے اُس کے نالہ کا آرا دلون کو چیرتا ہے کبھی عاشق زار بھی وہین آنکلتا ہے۔ وہ بجاے اپنے معشوق کے حسرت وغم سے ہم کنار ہے۔ روتا ہے اور قاصد صبا کو پیغام دیتا ہے کہ میرے تغافل شعار کو ذرا میرے حال کی خبر کر دینا۔

بیان مذکورہ بالا سے معلوم ہوا ہوگا کہ ان مین بہت سی باتین ایسی ہین جو خاص فارس اور ترکستان کے ملکون سے طبعی اور ذاتی تعلق رکھتی ہین۔ اسکے علاوہ بعض خیالات مین اکثر اُن داستانون یا قصون کے اشارے بھی آگئے ہین جو خاص ملک فارس سے علاقہ رکھتے تھے مثلاً شمشاد۔ نرگس۔ سنبل۔ بنفشہ موے کمر۔ قد سرو وغیرہ کی تشبیہین۔ لیلی شیرین۔ شمع۔ گل۔ سرو وغیرہ کا حسن۔ مجنون۔ فرہاد۔ بلبل۔ قمری۔ پروانہ کا عشق۔ فانوس کا برقع۔ غازہ اور گلگونہ۔ مانی و بہزاد کی مصوری رستم و اسفندیار کی بہادری۔ زحل کی نحوست سہیل یمن کی رنگ افشانی۔ مشاہیر فارس و یونان اور عرب کے قصے راہ ہفتخوان۔ کوہ الوند۔ کوہ بے ستون۔ جوے شیر۔ قصر شیرین۔ جیحون۔ سیحون وغیرہ وغیرہ ہر چند سب معاملات عرب اور فارس سے متعلق ہین۔ مگر اُردو مین بہت سے خیالات انھین کی بنیاد پر نظم و نثر مین پیدا ہوتے ہین۔ تعجب یہ ہے کہ ان خیالات نے اور وہان کی تشبیہون نے اسقدر زور پکڑا کہ اُن کے مشابہ جو یہان کی باتین تھین اُنھین بالکل مٹا دیا البتہ سودا۔ سید انشا کے کلام مین کہین کہین ہین اور وہ اپنے موقع پر نہایت لطف دیتی ہین۔ غرض کہ اب انشا پردازی ایک پُرانی یادداشت اُن تشبیہون اور استعارون کی ہے کہ صدہا سال

سے ہمارے بزرگون کی دست مال ہوکر ہم تک میراث پہونچی ہے۔ ہمارے متاخرین کو نئی آفرین لینے کی آرزو ہوئی تو بڑا کمال یہ ہے کہ کبھی صفت بعد صفت کبھی استعارہ در استعارہ سے اُسے اور تنگ و تاریک کیا جس سے ہوا تو یہ ہوا کہ بہت غور کے بعد فقط ایک وہمی نزاکت اور فرضی لطافت پیدا ہوگئی کہ جسے محالات کا مجموعہ کہنا چاہیے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ بجاے اُسکے کہ کلام اُن کا خاص و عام کے دلون پر تاثیر کرے۔ وہ مستعد لوگون کی طبع آزمائی کے لئے ایک دقیق معمّے اور عوام کے لیے ایک عجیب گورکھ دہندا اسیار ہوگیا اور جواب اُن کا یہ ہے کہ کوئی سمجھے تو سمجھے جو نہ سمجھین اپنی جہالت کے حوالے۔

اب اس کے مقابلہ مین دیکھو بھاشا کا انشا پرداز برسات مین اپنا باغ کیونکر لگاتا ہے درختون کے جھنڈ چھاے ہین۔ گھن کے پتے ہین۔ اُن کی گہری گہری چھانو ہے جامن کی ٹہنیان آم کے پتون مین کھپڑی ہو رہی ہین۔ کھرنی کی ٹہنیان فالسے کے درخت مین پھیلی ہوئی ہین۔ چاندنی کی بیل کمرک کے درخت پر لپٹی جاتی ہے عشق پیچہ کیکر زندہ پر چڑھا جاتا ہے اس کی ٹہنیان لٹکتی ہین جیسے سانپ لہرا رہے ہین۔ پھولون کے گچھے پڑے جھوم رہے ہین۔ میوے دانے زمین کو چوم رہے ہین۔ نیم کے پتون کی سبزی اور پھولون کی سفیدی بہار پر ہے۔ آم کے بور مین اُس کے پھولون کی مہک آتی ہے۔ بھینی بھینی بو جی کو بھاتی ہے۔ جب درختون کی ٹہنیان ہلتی ہین۔ مولسری کے پھولون کا مینہ برستا ہے۔ پھل پھلاری کی بوچھار ہو جاتی ہے۔ دھیمی دھیمی ہوا اُن کی بو باس مین بسی ہوئی روشون پر چلتی ہے۔ ٹہنیان ایسی ہلتی ہین جیسے کوئی جوبن کی متوالی اٹکھیلیان کرتی چلی جاتی ہے۔ کسی ٹہنی مین بھونرے کی آواز۔ کسی مین مکھیون کی بھنبھناہٹ الگ ہی سماں باندھ رہی ہے۔ پرند درختون پر بول رہے ہین اور کلول کر رہے ہین۔ حوض مین چادر اس زور سے گرتی ہے کہ کان پڑی آواز نہین سُنائی دیتی۔ اُس سے چھوٹی چھوٹی نالیون مین پانی لہراتا جاتا ہے تو عجب بہار دیتا ہے۔ درختون سے جانور اُترتے ہین۔ نہاتے جاتے ہین

آپس مین لڑتے جاتے ہین پرون کو بھڑاتے ہین اور اڑ جاتے ہین - چرند زمین پر چوکڑیان بھرتے پھرتے ہین - ایک طرف سے کوئل کی کوک ایک طرف سے کوکلے کی آواز - اسی جھگھٹ مین عاشق مصیبت زدہ بھی کہین اکیلا بیٹھا جی بہلا رہا ہے اور اپنی جدائی کے دکھ کو مزے لے لے کر اٹھاتا ہے :-

برسات کا سما باندھتے ہین تو کہتے ہین - سامنے سے کالی گھٹا جھوم کر اٹھی - ابر دھوان دھار ہے بجلی کوندتی چلی آتی ہے - سیاہی مین سارس اور بگلون کی سفید سفید قطارین بہارین دکھا رہی ہین - جب بادل کڑکتا ہے اور بجلی چمکتی ہے تو پرندے کبھی دبک کر ٹہنیون مین چھپ جاتے ہین - کبھی دیوارون سے لگ جاتے ہین - مور جدا جھنگارتے ہین - پپیہے الگ پکارتے ہین - محبت کا متوالا چمیلی کی جھرمٹ مین آتا ہے تو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا لہک کر پھوار بھی پڑنے لگی ہے مست ہو کر وہین بیٹھ جاتا ہے اور شعر پڑھنے لگتا ہے -

جب ایک شہر کی خوبی بیان کرتے ہین تو کہتے ہین شام ہوتے ایک مقام پر پہونچا دیکھتا ہے کہ پہاڑیان ہری بھری ہین اردگرد سرسبز میدانون مین بسے ہوئے گانون آباد ہین - پہاڑ کے نیچے ایک دریا مین نرمل جل بہ رہا ہے - جیسے موتی کی آب بیچون بیچ مین شہر آباد - جب اس کے اونچے اونچے مکانون اور برجون کا عکس پڑتا ہے تو پانی مین کلسیان جگمگ جگمگ کرتی ہین اور دوسرا شہر آباد نظر آتا ہے - لب دریا کے پیڑ پودون اور زمین کے سبزے کو برسات نے ہرا کیا ہے کہ وہ وجیلی گایون اور بکریون کا چارہ ہو جائے -

جب اداسی اور پریشانی کا عالم دکھاتے ہین تو کہتے ہین کہ آدھی رات ادھر آدھی رات ادھر جنگل سنسان - اندھیرا بیابان - مرگھٹ مین دور دور تک راکھ کے ڈھیر - جلے ہوئے لکڑ پڑے - کہین کہین چتا مین آگ چمکتی ہے بھوتون پریتون کی ڈراونی صورتین اور بھیانک مورتین ہین - کوئی تاڑ ساقد - لال لال دیدے پھاڑے - لمبے لمبے دانت کالے گلے مین کھوپریون کا مالا ڈالے کھڑا ہنس رہا ہے - کوئی ایک ہاتھی کو مارے بغل مین لئے

بھاگا جاتا ہے۔ کوئی ایک کالا ناگ ککڑی کی طرح کھڑا چبا رہا ہے پیچھے غل ہوتا چلا آتا ہے کہ لیجیو لیجیو۔ مارو مارو۔ جانے نہ پائے دم بھر مین یہ بھوت پریت غائب ہوتے ہین۔ غل شور تھمتا ہے۔ پھر مرگھٹ کا میدان سنسان ہے۔ پتّے ہوا سے کھڑکتے ہین۔ ہوا کا سناٹا۔ پانی کا شور اُلو کی ہوک۔ گیدڑون کا بولنا اور کُتّون کا رونا یہ ایسی وحشت ہے کہ پہلے ڈر بھی بھول جاتے ہین۔

دیکھو یہ دونون باغ آمنے سامنے لگے ہین تم نے مقابلہ کیا؟ دونون کے رنگ ڈھنگ مین کیا فرق ہے۔ بھاشا کا فصیح استعارہ کی طرف بھول کر بھی قدم نہین رکھتا۔ جو جو لطف آنکھون سے دیکھتا ہے اور جن جن خوش آوازیون کو سنتا ہے یا جن خوشبویون کو سونگھتا ہے اُنھین کو اپنی میٹھی زبان سے۔ بے تکلف۔ بے مبالغہ صاف صاف کہہ دیتا ہے۔

لیکن یہ نہ سمجھنا کہ ہندوستان مین مبالغہ کا زور تھا ہی نہین سنسکرت کا انشاپرداز ذرا بگڑ جائے تو زمین کے ماتھے پر پہاڑ تیوری کے بل ہو جائین اور وہان غار پتھرون سے دانت پیسنے لگین۔ ان مضامین کو دیکھ کر اوّل ہمین وہ عام قاعدہ یاد آتا ہے کہ ہر ملک کی انشاپردازی اپنے جغرافیے اور سرزمین کی صورت حال کی تصویر بلکہ رسم و رواج اور لوگون کی طبیعتون کا آئینہ ہے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ جو کچھ شاعر یا انشاپرداز کے پیش نظر ہوتا ہے وہی اُس کی تشبیہون اور استعارون کا سامان ہوتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ایران خراسان اور توران کی زمین مین بہار کا موسم دلون کو شگفتہ کرتا ہے۔ یہان برسات کا موسم دلون مین ذوق و شوق پیدا کرتا ہے وہان بہار مین بلبل ہزار داستان ہے۔ یہان کوئل اور پپیہا ہے۔ برج بھاشا کے انشاپرداز برسات کے لطف اور اُس کی کیفیتین بہت خوب دکھاتے ہین۔ جہانگیر نے اپنے توزک مین سچ کہا ہے کہ ہندوستان کی برسات۔ ہماری فصل بہار ہے اور کوئل یہان کی بُلبُل ہے اس موسم مین عجب لطف سے بولتی ہے اور مستیان کرتی ہے۔ بہار کے موسم کا کچھ لطف یہان ہے تو بسنت رت کا سماں ہے جس مین ہولی کے رنگ اُڑتے ہین۔ پچکاریان چھٹتی ہین۔ گلال

کے قہقہے جلتے ہین یہ وہ باتین ہین جو فارس والے بہار کے سمے پر کرتے ہین۔

بہرحال ہمین اپنے بزرگون کی اس صنعت کا شکریہ ہی کرنا چاہیے کہ ہندی بھاشا مین جو اضافت کی طوالت۔ کا۔ کے۔ کی۔ سے ادا ہوتی ہے وہ فارسی کی اضافت مین آکر مختصر ہوگئی۔ اس کے علاوہ استعارہ و تشبیہ جو بھاشا مین شاید اس سبب سے کم لاتے تھے کہ وہ کتاب یا انشا پردازی کی زبان نہ تھی۔ یا اس سبب سے کہ برابر کا اور کے کے آنے سے کلام بدمزہ ہوجاتا تھا۔ اسی طرح بہت تشبیہ مین بھی لفظون کے بڑھاوے سے کلام مرتبۂ فصاحت سے گرجاتا تھا۔ اب انھون نے فارسی کو اس مین داخل کرکے استعارہ و تشبیہ سے مرصّع کردیا جس سے وہ خیالون کی نزاکت اور ترکیب کی پختگی اور زور کلام اور تیزی و طرّاری مین بھاشا سے آگے بڑھ گئی اور بہت سے نئے الفاظ اور نئی ترکیبون نے زبان مین وسعت بھی پیدا کی۔

اس فخر کے ساتھ یہ افسوس پھر بھی دل سے نہین بھولتا کہ انھون نے ایک قدرتی پھول کو جو اپنی خوشبو سے مہکتا اور رنگ سے لہکتا تھا مفت ہاتھ سے پھینک دیا وہ کیا ہے؟ کلام کا اثر اور اظہار اصلیت۔ ہمارے نازک خیال اور باریک بین لوگ استعارون اور تشبیہون کی رنگینی اور مناسبت لفظی کے ذوق و شوق مین خیال سے خیال پیدا کرنے لگے اور اصلی مطلب کے ادا کرنے مین بے پروا ہوگئے۔ انجام اس کا یہ ہوا کہ زبان کا ڈھنگ بدل گیا اور نوبت یہ ہوئی کہ اگر کوشش کرین تو فارسی کی طرح۔ پنج رقعہ اور مینا بازار یا فسانۂ عجائب لکھ سکتے ہین۔ لیکن ایک ملکی معاملہ یا تاریخی انقلاب اس طرح نہین بیان کرسکتے جس سے معلوم ہو جائے کہ واقعہ مذکور کیونکر ہوا اور کیونکر اختتام کو پہونچا اور اس سے پڑھنے والے کو ثابت ہوجائے کہ روئداد وقت کی اور صورت حال معاملہ کی ایسی ہو رہی تھی کہ جو کچھ ہوا اسی طرح ہوسکتا تھا۔ دوسری صورت ممکن نہ تھی اور یہ تو ناممکن ہے کہ ایک فلسفہ یا حکمت اخلاق کا خیال لکھین جس کی صفائی کلام لوگون کے دلون کو اپنی طرف لگائے اور اس کے دلائل جو حسن بیان کے پردہ مین برابر جلوہ دیتے جاتے ہین وہ

دلون سے تصدیق کے اقرار لیتے جائین اور جس بات سے روکنا یا جس کام پر چھوکنا منظور ہو اُس مین پوری پوری اطاعت سننے والون سے لے سکین۔ یہ قباحت فقط نازک خیالی نے پیدا کی کہ استعارہ و تشبیہ کے انداز اور مترادف فقرے تکیہ کلام کی طرح ہماری زبان قلم پر چڑھ گئے۔ بیشک ہمارے متقدمین اُس کی رنگینی اور نزاکت کو دیکھ کر بھولے مگر نہ سمجھے کہ یہ خیالی رنگ ہمارے اصلی جوہر کو خاک مین ملانے والا ہے۔ یہی سبب ہے کہ آج انگریزی ڈھنگ پر لکھنے مین یا ان کے مضامین کے پورا پورا ترجمہ کرنے مین ہم بہت قاصر ہین۔ نہین! ہماری اصلی انشا پردازی اس رستہ مین قاصر ہے۔

انگریزی تحریر کے عام اصول یہ ہین کہ جس شے کا حال یا دل کا خیال لکھئے تو اُسے اس طرح ادا کیجئے کہ خود وہ حالت گذرنے سے یا اُس کے مشاہدہ کرنے سے جو خوشی۔ یا غم۔ یا غصہ۔ یا رحم۔ یا خوف۔ یا جوش دل پر طاری ہوتا۔ یہ بیان وہی عالم اور وہی سما دل پر چھا دیوے۔ بے شک ہماری طرز بیان اپنی چست بندش اور قافیون کے مسلسل کھٹکون سے کانون کو اچھی طرح خبر کرتی ہے اپنے رنگین الفاظ اور نازک مضمون سے خیال مین شوخی کا لطف پیدا کرتی ہے۔ ساتھ اسکے مبالغہ کلام اور عبارت کی دھوم دھام سے زمین و آسمان کو تہ و بالا کر دیتی ہے۔ مگر اصل مقصود یعنی دلی اثر یا اظہار واقعیت ڈھونڈھو تو ذرا نہین۔ چند مضمون ہین کہ ہماری زبانون پر بہت روان ہین۔ مگر حقیقت مین ہم اُن مین بھی ناکام ہین۔ مثلاً ہم اگر کسی کے حسن کی تعریف کرتے ہین تو رشک حور غیرت پری پر قناعت نہ کرکے اُسے ایک پتلا ممکنات و محالات کا بنا دیتے ہین۔ مگر کسی حسین کا حسن خداداد خود ایک عالم ہے کہ جو کچھ آنکھون سے دیکھ کر دلون پر گذر جاتی ہے دل ہی جانتے ہین۔ بس اُسی کو اس طرح کیون نہین ادا کرتے کہ سننے والے بھی کلیجہ پکڑ کے رہ جائین۔

ایک بلوغت جوان کی تعریف کرین گے تو رستم تہمتن۔ اسفندیار رومین تن شیر بیشۂ وغا۔ نہنگ قلزم ہیجا وغیرہ وغیرہ لکھ کر صفحے سیاہ کر دین گے۔ لیکن اُس کی بلند گردن

پھرے ہوے ڈنٹر۔ چوڑا سینہ۔ بازوؤن کی گلاوٹ پتلی کمر۔ غرض خوشنما بدن اور موزون ڈیل ڈول بھی ایک انداز رکھتا ہے۔ اُسکی اپنی دلاوری اور ذاتی بہادری بھی آخر کچھ نہ کچھ ہے جس کے کارنامون نے اُسے اپنے عہد مین ممتاز کر رکھا ہے اُسی کو ایک وضع سے کیون نہین ادا کر دیتے جسے سُن کر مُردار خیالون مین اکڑ تکڑ اور کمہلاے ہوے دلونمین اُمنگ پیدا ہو جاے۔

ایک چمن کی تعریف سے کبھی فلک کے سبز باغ اور گلشن انجم کے دل پر داغ دینگے کبھی اُسے فردوس برین اور جنّت روے زمین بنائین گے۔ بلکہ ایک ایک پھول اور ایک ایک پتّے کی تعریف مین رنگ رنگ سے ورق سیاہ کر دین گے مگر اُس کی ہریا دل کا لہلہانا۔ پھولون کا چہچہانا میٹھی میٹھی خوشبوؤن کا آنا۔ آب روان کا لہرانا۔ موزون درختون گلزار کے تختون کی بہار۔ ہوا کی مہک اور طوطی کی چہک۔ پپیہے کی کوک۔ کویل کی ہوک۔ جو کہ روحانی تفریح کے ساتھ انسان کے دل پر اثر کرتی ہے اسکا بیان اسطرح نہین کرتے جسکے پڑھنے سے آنکھون مین سما جاے۔ میدان جنگ ہو تو زمین کے طبقون کو اُڑا کر آسمان مین تلپٹ کر دیتے ہین اور خون کے دریا ملکون سے ملکون مین بہا دیتے ہین۔ مگر اپنے موقعہ پر وہ تاثیر جس سے ایک بہادر کی بہادری دیکھ کر دلون مین قوم کی ہمدردی اور رفیق پر جان نثار کرنے کا ولولہ پیدا ہو۔ وہ نہین۔

دوسرے کوچہ مین آکر علم کی تعریف پر اُترتے ہین تو اُسکی برکت سے پیر پیغمبر۔ ملائک۔ فرشتہ بنا دیتے ہین۔ کاش اُس کے عوض مین چند ظاہر کھلے کھلے فائدے بیان کر دین جس سے ہر شخص کے دل مین اُس کا شوق پیدا ہو اور عالم جاہل سمجھ جاے کہ اگر بے علم رہون گا تو خواری و ذلت کی زندگی سے دین و دنیا دونون خراب ہون گے ہماری تصنیفات مین اس کا کچھ ذکر ہی نہین اور افسوس کہ اب تک بھی ہم نے اُس پر توجہ نہین کی۔ انگریزی مین بہت خیالات اور مضامین ایسے ہین کہ ہماری زبان نہین ادا

کر سکتی - یعنی جو لطف اُن کا انگریزی زبان مین ہے وہ اردو مین پورا ادا نہین ہو سکتا - جو کہ حقیقت مین زبان کی ناطاقتی کا نتیجہ ہے اور یہ اہل زبان کے لیے نہایت شرم کا مقام ہے -

اگر شایستہ قومون کی انشا پردازی سوال کرے کہ اُردو کی انشا کیون اس حالت مین مبتلا رہی ؟ تو حاضر جوابی فوراً بول اُٹھے گی کہ قوم کی انشا پردازی بموجب اس کے حالات کے ہوتی ہے اور خیالات اُسکے بموجب حالات ملک اور تربیت ملکی کے ہوتے ہین - جیسی ہندوستان کی تعلیم و شایستگی تھی اور بادشاہون اور امیرون کی قدردانی تھی - ویسی ہی انشا پردازی رہی - اور خاتمہ کلام اس فقرے پر ہوگا کہ کوئی پرندا اپنے بازؤن سے بڑھکر پر نہین مار سکتا - اُس کے بازو فارسی - سنسکرت بھاشا وغیرہ تھے پھر اُردو بیچاری انگلینڈ - یا روم - یا یونان کے محلون پر کیونکر جا بیٹھتی - مگر حقیقت مین عقدہ اس سوال کا ایک اور گرہ مین بند ہے - وہ یہ ہے کہ ہر ایک شے کی ترقی کسی ملک مین اُسی قدر زیادہ ہوتی ہے جس قدر شے مذکور کو سلطنت سے تعلق ہوتا ہے - یورپ کے ملکون مین قدیم سے دستور ہے کہ سلطنت کے اندرونی اور بیرونی زور قوم کی ذاتی اور علمی لیاقتون پر منحصر ہوتے تھے اور سلطنت کے کُل انتظام اور اُس کے سب قسم کے کاروبار اُنھین کے شمول اور اُنھین کی عرق ریز تدبیرون سے قرار پاتے تھے - یہ بھی ظاہر ہے کہ اُن کی تجویزون کی بنیاد علمی اور عقلی اور تاریخی تجربہ کے زورون پر قایم ہوتی تھی پھر لیاقت مذکورہ بھی سیکڑون ہی مین منحصر نہین بلکہ ہزارون مین پھیلی ہوئی تھی - اس مین جہان اور مہمات سلطنت ہین وہان ایک یہ بھی تھا کہ ہر امر تنقیح طلب جلسہ عام کے اتفاق رائے سے تحریرون اور تقریرون مین فیصل ہوتا تھا مثلاً جب ایک شخص جلسہ عام مین استادہ ہوکر کوئی مطلب ادا کرتا تھا تو ادھر کی دنیا اُدھر ہو جاتی تھی پھر جب طرف ثانی اسکے مقابل مین اُسی آب و تاب کی تردید کرتا تھا تو مشرق کے آفتاب کو مغرب سے طلوع کر دیتا تھا اور اب تک بھی فقط تقریرون کے زور سے ہزارون لاکھون آدمیون کو متفق کر کے ایک رائے سے دوسری رائے پر پھیر لیتے ہین - خیال کرنا چاہیے کہ اُن کے بیان مین کیسی

طاقت اور زبان مین کیا کیا زور ہون گے برخلاف ہندوستان کے یہان کی زبان مین اگر ہوئے
تو ایک بادشاہ کی خوش اقبالی مین چند شعرا کے دیوان ہوئے جو فقط تفریح طبع اور دلگی کا سامان
ہے کجا زمین کجا آسمان۔ نہ وہ جوہر پیدا ہوا نہ کسی نے اُسکے پیدا کرنے کا ارادہ کیا۔
باوجود اس کے اُردو کی خوش اقبالی اور خوش رواجی قابل رشک ہے کیونکہ اسکی
اصل تو برج بھاشا ہے جو اپنی بہار جوانی مین بھی فقط ایک ضلع مین لین دین کی زبان
تھی خود اُردو دلّی سے نکلی جس کا چراغ دلّی کی بادشاہت کے ساتھ گل ہونا چاہیے
تھا پھر بھی اگر بیچون بیچ ہندوستان مین کھڑے ہوکر آواز دین کہ اس ملک کی زبان کیا ہے تو
جواب یہی سُنین گے کہ اُردو اس کے ایک کنارے مثلاً پشاور سے چلو اوّل افغانی ہے
اٹک اُترے تو پوٹھواری کچھ اور ہی کہتے ہین جہلم تک داہنے پر کشمیر بکار رہا ہے کہ یورولا
یورولا یعنی ادہر آؤ بائین پر ملتان کہتا ہے کہ کتھے گھنیا یعنی کہان چلے آگے بڑھے تو
وہ بولی ہے کہ پنجابی خاص اسیکو کہتے ہین۔ اسکے بائین پہاڑی ایسی زبان ہے کہ تحریر و تقریر سب سے الگ
ہے ستلج اُترین تو پنجابیت کی کمی ہے لوگونکی وضع اور لباس مین بھی فرق شروع ہوتا ہے دلی پہونچے تو اور ہی
سماں بندھا ہوا ہے میرٹھ سے بڑھے تو علی گڈھ مین بھاشا سے ملا جُلا پورب کا انداز شروع
ہوگیا۔ کانپور۔ لکھنؤ سے الہ آباد تک یہی عالم ہے جنوب کو ہٹین تو مارواڑی ہوکر گجراتی
اور دکھنی ہو جاتی ہے۔ پھر اوہر آئے تو آگے بنگالہ ہے۔ اور کلکتہ پہونچ کر تو عالم گوناگون
خلق خدا اور ملک خدا ہے جس کا امتیاز حد اندازہ سے باہر ہے۔ میرے دوستو تم جانتے ہو کہ
ہر شے کی اصلیت اور حسن و قبح کے واسطے ایک مقام ایسا ہوتا ہے جیسے سکّہ کے لئے
ٹکسال کیا سبب ہے کہ ابتدا مین زبان کے لئے دلّی ٹکسال تھی؟ وجہ اس کی یہ ہے
کہ وہ دار الخلافہ تھی۔ دربار مین خاندانی اُمرا اور امیرزادے خود صاحب علم ہوتے تھے۔
اُن کی مجلسین اہل علم اور اہل کمال کا مجمع ہوتی تھین جن کی برکت سے طبیعتین گویا ہر
شے کے سلیقے اور شائستگی اور لطافت و ظرافت کا قالب ہوئی تھین۔ اسیواسطے۔ لقتگا۔

لباس - ادب آداب نشست برخاست - بلکہ بات بات ایسی سنجیدہ اور پسندیدہ ہوتی تھی کہ خواہ مخواہ سب کے دل قبول کرتے تھے - ہر شے کیلئے ہمیشہ نئی نئی تراش اور نئی نئی اصلاحین اور ایجاد و اختراع وہان سے ہوتے تھے اور چونکہ دار الخلافت مین شہر شہر کا آدمی موجود تھا - اس لئے وہ دلپذیر ایجاد اور اصطلاحین ہر شہر مین جلد عام ہو جاتی تھین - چنانچہ بہادر شاہ سے پہلے تک دلّی ہر بات کے لئے سند رہی اور انھین صفتون سے لکھنؤ نے بھی سند افتخار حاصل کی - لکھنؤ کو دیکھ کر سمجھ لو کہ دل پسند ایجادون اور رنگین باتون کا ایجاد ہونا کسی شہر کے اینٹ پتھر کی تاثیر نہین ہے - ہان شائستہ اور رنگین مزاج لوگ جہان جمع ہون گے اور دلپذیر باتون کے سامان موجود ہون گے وہین سے وہ پھول کھلنے لگین گے چنانچہ وہی دلّی کے لوگ اور اُنکی اولاد تھی کہ جب تباہی سلطنت اور آبادی لکھنؤ کے سبب سے وہان پہونچے تو چند روز مین ویسی ہی تراشین وہان سے نکلنے لگین - لکھنؤ دار السلطنت ہو گیا اور اس کے ضمن مین زبان بھی دلّی کی اطاعت سے آزاد ہو گئی اس آزادی کی - ناسخ - آتش ضمیر خلیق وغیرہ اہل کمال نے بنیاد ڈالی اور انیس - دبیر - رند - خواجہ وزیر اور سرور نے خاتمہ کر دیا - اُنھون نے زبان کو بڑی ترقی دی مگر اکثر اُن مین ایسے ہوئے کہ جنگل کے صاف کرنے کو اُٹھے تھے مگر اُس مین دریا کا دہانہ لا ڈالا یعنی صفائی زبان کی جگہہ لغات کی بوچھار کر دی - یہان تک کہ لکھنؤ کا ورق بھی زمانہ نے الٹ دیا - اب آفتاب ہماری ملکہ آفاق کا نشان ہے - جسے حکم نہین کہ اُنکی قلمرو کے خط سے باہر حرکت کر سکے - ملکون اور ریل گاڑیون نے پورب سے پچھم تک دوڑ کر بھانت بھانت کا جانور ایک پنجڑے مین بند کر دیا - دلّی برباد - لکھنؤ ویران - دونون کے سندی اشخاص کچھ پیوند زمین ہو گئے کچھ دربدر خاک بسر - اب جیسے اور شہر ویسے ہی لکھنؤ جیسے چھاؤنیون کے بازار ویسے ہی دلّی بلکہ اُس سے بھی بدتر - کوئی شہر ایسا نہین رہا جس کے لوگون کی زبان عموماً سند کے قابل ہو - کیونکہ شہر مین ایسے چیدہ اور برگزیدہ اشخاص جنسے کہ وہ شہر قابل سند ہو صرف گنتی کے لوگ ہوتے ہین اور وہ زمانہ کی صدہا سالہ محنتون کا نتیجہ ہوتے ہین ان مین سے بہت مر گئے - کوئی بڈھا

جیسے خزان کا مارا پتا کسی درخت پر باقی ہے۔ اس بڈھے کی آواز کمیٹیون کے عمل اور اخبارون کے لقارخانون مین سنائی بھی نہین دیتی۔ پس اب اگر دلّی کی زبان کو سندی سمجھین تو وہان کے ہر شخص کی زبان کیونکر سندی ہو سکتی ہے۔ ہوا کا رخ اور دریا کا بہاؤ کسی کے اختیار مین ہے نہ کسی کو معلوم ہے کہ کدہر پھیرے گا۔ اسلئے نہین کہہ سکتے کہ اب زبان کیا رنگ بدلے گی ہم بھی اہل بے ناخدا ہین۔ توکل بخدا کر بیٹھے ہین۔ زمانہ کے انقلابون کو رنگ چمن کی تبدیلی سمجھ کر دیکھتے ہین اور کہتے ہین آزاد۔ ؎

قسمت مین جو لکھا تھا سو دیکھا ہے لب تلک اور آگے دیکھیے ابھی کیا کیا ہین دیکھتے

انتخاب از نیرنگ خیال

شہرت عام اور بقاے دوام کا دربار

اے ملک فنا کے رہنے والو! دیکھو۔ اس دربار مین تمہارے مختلف فرقون کے عالی وقار جلوہ گر ہین۔ بہت سے حب الوطن کے شہید ہین جنہون نے اپنے ملک کے نام پر میدان جنگ مین جاکر خون خلعت پہنے۔ اکثر مصنف اور شاعر ہین جنہین اسی ہاتفِ غیبی کا خطاب زیبا ہے جس کے الہام سے وہ مطالبِ غیبی ادا کرتے رہے اور بے عیبی سے زندگی بسر کر گئے۔ ایسے زیرک اور دانا بھی ہین۔ جو بزم تحقیق کے صدر اور اپنے عہد کے باعث فخر رہے بہت سے نیک بخت نیکی کے رستے بتاتے رہے۔ جس سے ملکِ فنا مین بقا کی عمارت بناتے رہے۔

بقاے دوام دو طرح کی ہے۔ ایک تو وہی جس طرح فی الحقیقت روح بعد مرنے کے رہ جائیگی۔ کہ اس کے لئے فنا نہین۔ دوسری وہ عالم یادگار کی بقا جس کی بدولت لوگ نام کی عمر سے جیتے ہین۔ اور شہرت دوام کی عمر پاتے ہین۔ حق یہ ہے۔ کہ اچھے سے اچھے اور بڑے سے بڑے کام جن جن سے ہوئے یا ثواب آخرت کے لئے یا دنیا کی ناموری اور شہرت کے لئے ہوئے۔ لیکن مین اس دربار مین انھین لوگون کو لاؤنگا۔ جنہون نے اپنی محنت ہاے

عرق فشان کا صلہ اور عزم ہائے عظیمہ کا ثواب فقط دنیا کی شہرت اور ناموری کو سمجھا۔ اسیواسطے جو لوگ دین کے بانی اور مذہب کے رہنما تھے۔ اُن کے نام شہرت کی فہرست سے نکال ڈالتا ہون۔ مگر بڑا فکر یہ ہے۔ کہ جن لوگون کا ذکر کرتا ہون۔ اُنکی حق تلفی نہ ہو جائے۔ کیونکہ جن بیچارون نے ساری جان فشانی اور عمر بھر کی محنتون کا اجر فقط نام کو سمجھا۔ اُنکے حصے مین کسی طرح کا نقص ڈالنا سخت ستم ہے۔ اسی لحاظ سے مجھے تمام مصنفین اور مورخین سے مدد مانگنی پڑی۔ چنانچہ اکثرون کا نہایت احسان مند ہون۔ کہ اُنہون نے ایسے ایسے لوگون کی ایک فہرست بنا کر عنایت کی۔ اور مجھے بھی کل دوپہر سے شام تک اسی کے مقابلے مین گزری۔ ناموران موصوف کے حالات ایسے دل پر چھائے ہوئے تھے۔ کہ انہون نے مجھے سوتے سوتے چونکا دیا مین اس عالم مین ایک خواب دیکھ رہا تھا۔ چونکہ بیان اُس کا لطف سے خالی نہین۔ اس لئے عرض کرتا ہون۔

خواب مین دیکھتا ہون۔ کہ گویا مین ہوا کھانے چلا ہون۔ اور چلتے چلتے ایک میدان وسیع الفضا مین جا نکلا ہون جس کی وسعت اور دلفزائی میدان خیال سے بھی زیادہ ہے۔ دیکھتا ہون۔ کہ میدانِ مذکور مین اس قدر کثرت سے لوگ جمع ہین۔ کہ نہ اُنہین محاسب فکر شمار کر سکتا ہے۔ نہ قلم تحریر فہرست تیار کر سکتا ہے۔ اور جو لوگ اس مین جمع ہین۔ وہ غرض مند لوگ ہین۔ کہ اپنی اپنی کامیابی کی تدبیرون مین لگے ہوئے ہین۔ وہان ایک پہاڑ ہے جس کی چوٹی گوش سحاب سے سرگوشیان کر رہی ہے پہلو اُس کے جس طرف سے دیکھو۔ ایسے سر پھوڑا اور سینہ توڑ ہین۔ کہ کسی مخلوق کے پاؤن نہین جمنے دیتے ہان حضرتِ انسان کے ناخن تدبیر کچھ کام کر جائین تو کر جائین۔ میرے دوستو! اس رستے کی دشواریون کو سر پھوڑا اور سینہ توڑ پہاڑون سے تشبیہ دے کر ہم خوش ہوتے ہین۔ مگر نری نامنصفی ہے۔ پتھر کی چھاتی اور لوہے کا کلیجہ کر لے۔ تو اُن بلاؤن کو جھیلے جن پر وہ مصیبتین گزرین۔ وہی جانین۔

یکایک قلۂ کوہ سے ایک شہنائی کی آواز آئی شروع ہوئی - یہ دلکش آواز سب کو بے اختیار اپنی طرف کھینچتی تھی - اس طرح کہ دل مین جان اور جان مین زندہ دلی پیدا ہوتی تھی - بلکہ خیال کو وسعت کے ساتھ ایسی رفعت دیتی تھی جس سے انسان مرتبۂ انسانیت سے بھی بڑھ کر قدم مارنے لگتا تھا لیکن یہ عجب بات تھی - کہ اتنے انبوہ کثیر مین سے تھوڑے ہی اشخاص تھے جن کے کان اُس کے سننے کی قابلیت یا اُس کے نغمون کا مذاق رکھتے تھے -

ایک بات کے دیکھنے سے مجھے نہایت تعجب ہوا - اور وہ تعجب فوراً جاتا بھی رہا - یعنی دوسری طرف جو نظر جا پڑی - تو دیکھتا ہون - کہ کچھ خوبصورت خوبصورت عورتین ہین - اور بہت سے لوگ اُن کے تماشائے جمال مین محو ہو رہے ہین - یہ عورتین پریون کا لباس پہنے ہین - مگر یہ بھی وہین چرچا سُنا کہ درحقیقت نہ وہ پریان ہین نہ پری زاد عورتین ہین - کوئی ان مین غفلت کوئی عیاشی ہے - کوئی خود پسندی - کوئی بے پروائی ہے - جب کوئی ہمت والا ترقی کے رستے مین سفر کرتا ہے - تو یہ ضرور ملتی ہین - انہی مین پھنسکر اہل ترقی اپنے مقاصد سے محروم رہ جاتے ہین - اُن پر درختون کے جھنڈ سایہ کئے تھے رنگ برنگ کے پھول کھلے تھے - گوناگون میوے جھوم رہے تھے طرح طرح کے جانور بول رہے تھے - نیچے قدرتی نہرین - اوپر ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائین چل رہی تھین - وہین وہ دانش فریب پریان پتھرون کی سلون پر پانی مین پاؤن لٹکائے بیٹھی تھین - اور آپس مین چھیڑ لڑ رہی تھین - مگر ایسے ایسے اُلجھاوے بلندئے کوہ کے اُدھر ہی اُدھر تھے یہ بھی صاف معلوم ہوتا تھا - کہ جو لوگ ان جعلی پریون کی طرف مائل ہین - وہ اگرچہ اقوام مختلفہ - عہدہائے متفرقہ - عمرہائے متفاوتہ رکھتے ہین - مگر وہی ہین جو حوصلے کے چھوٹے - ہمت کے ہیٹے اور طبیعت کے پست ہین -

تفاوت

دوسری طرف دیکھا - کہ جو بلند حوصلہ - صاحب ہمت - عالی طبیعت تھے - وہ اُن سے

الگ ہو گئے۔ اور غول کے غول شہنائی کی آواز کی طرف بلندئے کوہ پر متوجہ ہوئے جس قدر یہ لوگ آگے بڑہتے تھے۔ اسی قدر وہ آواز کانون کو خوش آیندہ معلوم ہوتی تھی۔ مجھے ایسا معلوم ہوا۔ کہ بہت سے چیدہ اور برگزیدہ اشخاص اس ارادے سے آگے بڑہے کہ بلندئے کوہ پر چڑھ جائین اور جس طرح ہو سکے۔ پاس جاکر اس نغمۂ آسمانی سے قوتِ روحانی حاصل کرین چنانچہ سب لوگ کچھ کچھ چیزین اپنے اپنے ساتھ لینے لگے معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا آگے کے راستے کا سامان لے رہے ہین۔ سامان بھی ہر ایک کا الگ الگ تھا کسی کے ہاتھ مین شمشیر برہنہ علم تھی۔ ایک ہاتھ مین نشان تھا۔ کسی کے ہاتھ مین کاغذون کے اجزا تھے۔ کسی کی بغل مین ایک کمپاس تھی۔ کوئی پنسلین لئے تھا۔ کوئی جہازی قطب نما اور دوربین سنبھالے تھا۔ بعضون کے سر پر تاج شاہی دہرا تھا۔ بعضون کے تن پر لباس جنگی آراستہ تھا۔ غرض کہ علم ریاضی اور حربِ ثقیل کا کوئی آلہ نہ تھا۔ جو اس وقت کام مین نہ آرہا ہو۔ اسی عالم مین دیکھتا ہون۔ کہ ایک فرشتۂ رحمت میرے داہنے ہاتھ کی طرف کھڑا ہے اور مجھے بھی اس بلندی کا شائق دیکھ کر کہتا ہے۔ کہ یہ سرگرمی اور گرم جوشی تمھاری ہمین نہایت پسند ہے۔ اسنے یہ بھی سلاح دی۔ کہ ایک نقاب منہ پر ڈال لو۔ مین نے بے تامل تعمیل کی۔ بعد اسکے گروہِ مذکور فرقے فرقے مین منقسم ہو گیا۔ کوہ مذکور پر راستون کا شمار نہ تھا۔ سب نے ایک ایک راہ پکڑ لی چنانچہ کچھ لوگون کو دیکھا کہ چھوٹی چھوٹی گھاٹیون مین ہو لئے۔ وہ تھوڑی ہی دور چڑہے تھے۔ کہ ان کا رستہ ختم ہوا۔ اور وہ تھم گئے۔ مجھے معلوم ہوا۔ کہ ان پست ہمتون نے صنعتگری اور دستکاری کی راہ لی تھی۔ کہ روپے کے بھوکے تھے۔ اور جلد محنت کا صلہ چاہتے تھے۔ مین ان لوگون کے پیچھے تھا۔ جنہون نے دلاورون اور جانبازون کے گروہ کو پیچھے چھوڑا تھا۔ اور خیال کیا تھا۔ کہ چڑھائی کے رستے ہم نے پائے۔ مگر وہ رستے ایسے پیچ در پیچ اور درہم برہم معلوم ہوئے کہ تھوڑا ہی آگے بڑھکر اسکے ہیر پھیر مین سرگردان ہو گئے ہر چند برابر قدم

مارے جاتے تھے۔ مگر جب دیکھا تو بہت کم آگے بڑھتے تھے۔ میرے فرشتۂ رحمت نے ہدایت کی۔ کہ وہ وہی لوگ ہین جہان عقل صادق اور عزم کامل کام دیتا ہے۔ وہان چاہتے ہین کہ فقط چالاکی سے کام کر جائین۔ بعضے ایسے بھی تھے۔ کہ بہت آگے بڑھ گئے تھے۔ مگر ایک ہی قدم ایسا بے موقع پڑا۔ کہ جتنا گھنٹون مین بڑھے تھے۔ اُتنا دم بھر مین نیچے آن پڑے۔ بلکہ بعضے ایسے ہو گئے کہ پھر چڑھنے کے قابل ہی نہ رہے۔ اُس سے وہ لوگ مراد ہین جو مدد روزگار سے ترقیان حاصل کرتے چلے جاتے ہین۔ مگر کوئی ایسی حرکت ناشائستہ کرتے ہین۔ کہ دفعتہً گر پڑتے ہین۔ اور آئندہ کے لئے بالکل اس سے علاقہ ٹوٹ جاتا ہے۔

ہم اتنے عرصے مین بہت اونچے چڑھ گئے اور معلوم ہوا۔ کہ جو چھوٹے بڑے رستے پہاڑ کے نیچے سے چلتے ہین۔ اوپر آکر دو شاہراہون سے ملتے ہین۔ چنانچہ وہان آکر تمام صاحب ہمت دو گروہون مین منقسم ہو گئے۔ ان دونون شاہ راہون مین ذرا ذرا آگے بڑھ کر ایک بھوت ڈراؤنی صورت ہیبت ناک مورت کھڑا تھا۔ کہ آگے جانے سے روکتا تھا۔ ان مین سے ایک کے ہاتھ مین ایک درخت خاردار کا ٹہنا تھا۔ بھوت کا نام دیو ہلاک تھا۔ اور کانٹے وہی ترقی کے مانع اور موت کے بھانے تھے۔ جو اُلوالعزمون کو راہ ترقی مین پیش آتے ہین۔ چنانچہ جو سامنے آتا تھا۔ ٹہنے کی مار منہ پر کھاتا تھا۔ دیو کی شکل ایسی خونخوار تھی۔ گویا موت سامنے کھڑی ہے۔ ان کانٹون کی مار سے غول کے غول اہل ہمت بھاگ بھاگ کر پیچھے ہٹتے تھے۔ اور ڈر ڈر کر چلاتے تھے۔ کہ ہے ہے موت! ہے ہے موت!۔

دوسرے رستے پر جو بھوت تھا۔ اس کا نام حسد تھا۔ پہلے بھوت کی طرح کچھ اسکے ہاتھ مین نہین تھا۔ لیکن ڈراؤنی آواز اور بھونڈی صورت اور مکروہ و معیوب کلمے جو اُس کی زبان سے نکلتے تھے۔ اس لئے اس کا منہ ایسا بُرا معلوم ہوتا تھا۔ کہ اُسکی طرف دیکھا نہ جاتا تھا

اس کے سامنے ایک کیچڑ کا حوض بھرا تھا۔ کہ برابر چھینٹین اُڑائے جاتا تھا۔ اور ہر ایک سفید پوش کے کپڑے خراب کرتا تھا۔ جب یہ حال دیکھا۔ تو اکثر اشخاص ہم مین سے بیدل ہو کر رہ رہ گئے۔ اور بعضے اپنے یہان تک آنے پر کمال نادم ہوئے۔ میرا یہ حال تھا۔ کہ یہ خطرناک حالتین دیکھ دیکھ کر ہراسان ہوا جاتا تھا۔ اور قدم آگے نہ اُٹھاتا تھا۔ اتنے مین اس شہنائی کی آواز اس تیزی کے ساتھ کان مین آئی۔ کہ بجھے ہوئے ارادے پھر چمک اُٹھے۔ جس قدر کہ دل زندہ ہوئے۔ اسی قدر خوف و ہراس خاک ہو ہو کر اُڑتے گئے۔ چنانچہ بہت سے جانباز جو شمشیرین عَلَم کئے ہوئے تھے۔ اس کڑک دمک سے قدم مارتے آگے بڑھے۔ گویا حریف میدان جنگ مانگتے ہین۔ یہان تک کہ جہان دیو کھڑا تھا۔ یہ اُس دہلے سے نکل گئے۔ اور وہ موت کے دانت نکالے دیکھتا رہ گیا۔ جو لوگ سنجیدہ مزاج اور طبیعت کے دھیمے تھے۔ وہ اس رستے پر پڑے۔ جدھر حسد کا بھوت کھڑا تھا۔ مگر اس آواز کے ذوق وشوق نے انہین بھی ایسا مست کیا کہ گالیان کھاتے کیچڑ مین نہاتے مرتے کرتے بھی اسکی حد سے نکل گئے۔ جو کچھ رستے کی صعوبتین اور خرابیان تھین۔ وہ بھی ان بھوتون ہی تک تھین۔ آگے دیکھا۔ تو انکی دسترس سے باہر ہین۔ اور راستہ بھی صاف اور ہموار۔ بلکہ ایسا خوشنما ہے۔ کہ مسافر جلد جلد آگے بڑھے اور ایک سپاٹے مین پہاڑ کی چوٹی پر جا پہنچے اس میدان روح افزا مین پہنچتے ہی ایسی جان بخش اور روحانی ہوا چلنے لگی جس سے روح اور زندگی کی قوّت دوامی حاصل ہوتی تھی۔ تمام میدان جو نظر کے گرد و پیش دکھائی دیتا تھا اس کا رنگ کبھی نور سحر تھا اور کبھی شام و شفق جس سے قوس قزح کے رنگ مین کبھی شہرت عام اور کبھی بقاے دوام کے حروف عیان تھے۔ یہ نور و سرور کا عالم دلکو اسطرح تسلّی و تشفّی دیتا تھا کہ خود بخود پچھلی محنتون کے غبار دل سے دھوئے جاتے تھے۔ اور اس مجمع عام مین امن و امان اور دلی آرام پھیلتا تھا جس کا سرور لوگون کے چہرون سے پھولون کی شادابی ہو کر عیان تھا۔ ناگہان ایک ایوان عالیشان دکھائی دیا۔ کہ اُسکے

چارون طرف پھاٹک تھے۔ اس پہاڑ کی چوٹی پر دیکھا کہ پھولون کے تختے مین ایک پری حور شمائل چاندی کی کرسی پر بیٹھی ہے اور وہی شہنائی بجا رہی ہے جس کے میٹھے میٹھے سُرون نے اُن مشتاقون کے انبوہ کو یہان تک کھینچا تھا۔ پری اُن کی طرف دیکھ کر مسکراتی تھی۔ اور سُرون سے اب ایسی صدا آتی تھی۔ گویا آنے والون کو آفرین وشاباش دیتی ہے اور کہتی ہے کہ خیر مقدم! خیر مقدم! خوش آمدید! صفا آوردید! اس آواز سے یہ خدائی لشکر کئی فرقون مین منقسم ہوگیا۔ چنانچہ مورخون کا گروہ ایک دروازے پر استادہ ہوا۔ تاکہ صاحب مراتب اشخاص کو حسب مدارج ایوان جلوس مین داخل کرے۔ یکایک وہ شہنائی جس سے کبھی شوق انگیز وجوش خیز اور کبھی جنگی باجون کے سُر نکلتے تھے۔ اب اس سے ظفریابی اور مبارکبادی کی صدا آنے لگی۔ تمام مکان گونج اٹھا۔ اور دروازے خودبخود کھل گئے۔

جو شخص سب سے پہلے آگے بڑھا معلوم ہوا کہ کوئی راجون کا راجہ مہاراجہ ہے۔ چاند کی روشنی چہرے کے گرد ہالہ کئے ہے۔ سر پر سورج کی کرن کا تاج ہے۔ اس کے استقلال کو دیکھ کر لنکا کا کوٹ پانی پانی ہوا جاتا ہے۔ اس کی حق داری جنگل اور پہاڑون کے حیوانون کو جان نثاری مین حاضر کرتی ہے تمام دیوی دیوتا دامنون کے سائے مین لئے آتے ہین۔ فرقے فرقے کے علما اور مورخ اُسے دیکھتے ہی شاہانہ طور سے لینے کو بڑھے۔ اور وہ بھی متانت اور انکسار کے ساتھ سب سے پیش آیا۔ مگر ایک شخص کمسن سالہ رنگت کا کالا ایک پوتھی بغل مین لئے ہندوؤن کے غول سے نکلا اور بہ آواز بلند چلایا کہ آنکھون والو کچھ خبر ہے؟ دیکھو دیکھو ترتیب کے سلسلے کو برہم نہ کرو اور نرنکار کے نور کو اجسام خاک مین نہ ملاؤ۔ یہ کہ کر آگے بڑھا اور اپنی پوتھی نذر گزرانی۔ اُسنے نذر قبول کی اور نہایت خوشی سے اسکے لینے کو ہاتھ بڑھایا۔ تو معلوم ہوا کہ اسکا ہاتھ بھی فقط سورج کی کرن تھا۔ سب ایک دوسرے کا مُنہ دیکھنے لگے۔ کوئی کچھ سمجھا

کوئی کچھ سمجھا۔ اس وقت ایک بان یعنی تخت ہوا دار آیا۔ وہ اُس پر سوار ہو کر آسمان کو اُڑ گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ رامچندر جی ہین۔ اور یہ **والمیک** ہے۔ جس نے رامائن نذر دی۔

سب لوگ ابھی والمیک کی ہدایت کا شکریہ ادا کر رہے تھے۔ کہ اتنے مین ایک اور آمد آمد ہوئی۔ دیکھا کہ ایک تخت طلسمات کو بتیس پریان اُڑائے لئے آتی ہین۔ اُس پر ایک اور راجہ بیٹھا ہے۔ مگر نہایت دیرینہ سال اُسے فرقے فرقے کے علما اور مورخ لینے کو نکلے۔ مگر پنڈت اور مہاجن لوگ بہت بیقراری سے دوڑے۔ معلوم ہوا کہ راجہ تو مہاراجہ بکرماجیت تھے اور تخت سنگھاسن بتیسی۔ پریان اتنی بات کہ کر ہوا ہو گئین۔ کہ جب تک سورج کا سونا اور چاند کی چاندی چمکتی ہے۔ نہ آپ کا سنہ ہٹیگا نہ سکہ مٹیگا۔ برہمنون اور پنڈتون نے تصدیق کی اور انہین لے جا کر ایک مسند پر بٹھا دیا۔

ایک راجہ کے آنے پر لوگون مین کچھ قیل و قال ہوئی۔ کیونکہ وہ چاہتا تھا۔ کہ اپنے دو مصاحبون کو بھی ساتھ لے جائے اور اراکین دربار کہتے تھے کہ یہان تمکنت اور غرور کا گزارا نہین۔ اتنے مین وہی بتیس پریان پھر آئین چنانچہ ان کی سفارش سے اُسے بھی لے گئے جس وقت راجہ نے مسند پر قدم رکھا۔ ایک پنڈت آیا۔ دونو ہاتھ اُٹھا کر اشیرباد دکھی۔ اور بقاے دوام کا تاج سر پر رکھ دیا جس مین ہیرے اور پنے کے نو دانے ستارون پر آنکھ مار رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ وہ راجہ **بھوج** تھے۔ اور بتیس پریون کا جھرمٹ وہی کتاب سنگھاسن بتیسی تھی جو اُن کے عہد مین تصنیف ہوئی۔ اور جس نے تاج سر پر رکھا وہ کالیداس شاعر تھا جس نے اُن کے عہد مین نو کتابین لکھ کر فصاحت و بلاغت کو زندگی جاوید بخشی ہے۔ اس طرف تو برابر یہی کاروبار جاری تھے۔ اتنے مین معلوم ہوا کہ دوسرے دروازے سے بھی داخلہ شروع ہوا۔ مین اس طرف متوجہ ہوا۔ دیکھتا ہون۔ کہ وہ کمرہ بھی فرش و فروش جھاڑ و فانوس سے بقعۂ نور بنا ہوا ہے۔ ایک جوان

پیل پیکر ہاتھ مین گرز گاؤ سر۔ نشاے شجاعت مین مست جھومتا جھامتا چلا آتا ہے۔ جہان قدم رکھتا ہے۔ ٹخنون تک زمین مین ڈوب جاتا ہے۔ گرد اس کے شاہان کیانی اور پہلوانان ایرانی موجود ہین۔ کہ درفش کاویانی کے سایۂ بے زوال مین لئے آتے ہین۔ حب قوم اور حب وطن اُس کے دائین بائین پھول برساتے تھے۔ اسکی نگاہون سے شجاعت کا خون ٹپکتا تھا۔ اور سر پر کلاہ شیر کا خود فولادی دھرا تھا۔ مؤرخ اور شعرا اس کے انتظار مین دروازے پر کھڑے تھے سب نے اُسے بچشم تعظیم دیکھا۔ انہی مین سے ایک پیر مرد دیرینہ سال جس کے چہرے سے مایوسی اور ناکامی کے آثار آشکارا تھے۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گیا۔ اور ایک کرسی پر بٹھایا جسے بجاے پایون کے چار شیر کندھون پر اٹھائے کھڑے تھے۔ پھر پیر مرد نے اہل مجلس کیطرف متوجہ ہوکر چند اشعار نہایت زور کے پڑھے نہین بلکہ اس کے کارنامون کی تصویر صفحۂ ہستی پر ایسے رنگ سے کھینچی جو قیامت تک رہے گی۔ بہادر پہلوان نے اُٹھ کر اسکا شکریہ ادا کیا۔ اور گل فردوس کا ایک طرّہ اس کے سر پر آویزان کرکے دعا کی کہ الٰہی یہ بھی قیامت تک شگفتہ و شاداب رہے تمام اہل محفل نے آمین کہی۔

معلوم ہوا کہ وہ بہادر ایران کا حامی شیر سیستانی۔ رستم پہلوان ہے۔ اور کہن سال مایوس **فردوسی** ہے۔ جو شاہنامہ لکھ کر اُس کے انعام سے محروم رہا۔

بعد اس کے ایک نوجوان آگے بڑھا جسکا حسن شباب نوخیز اور دل بہادری اور شجاعت سے لبریز تھا۔ سر پر تاج شاہی تھا۔ مگر اس سے ایرانی پہلوانی پہلو چراتی تھی ساتھ اسکے حکمت یونانی سر پر چتر لگائے تھی۔ مین نے لوگون سے پوچھا۔ مگر سب اُسے دیکھ کر ایسے محو ہوئے کہ کسی نے جواب نہ دیا۔ بہت سے مؤرخ اور محقق اس کے لینے کو بڑھے۔ مگر سب ناواقف تھے۔ وہ اس تخت کی طرف لے چلے۔ جو کہانیون اور افسانون کے نامورون کے لئے تیار ہوا تھا۔ چنانچہ ایک شخص جس کی وضع اور لباس سب سے

علیحدہ تھا ایک انبوہ کو چیر کر نکلا - وہ کوئی یونانی مورخ تھا - اس نے اُسکا ہاتھ پکڑا اور اندر لے جاکر سب سے پہلی کرسی پر بٹھا دیا - فرشتۂ رحمت نے میرے کان مین کہا - کہ تم اس گوشے کی طرف آجاؤ - کہ تمہاری نظر سب پر پڑے اور تمہین کوئی نہ دیکھے - یہ سکندر یونانی ہے - جس کے کارنامے لوگون نے کہانی اور افسانے بنا دیے ہین -

اس کے پیچھے پیچھے ایک بادشاہ آیا کہ سر پر کلاہ کیانی اور اُس پر درفش کاویانی جھومتا تھا - مگر پھریرا علم کا پارہ پارہ ہو رہا تھا - وہ آہستہ آہستہ اس طرح آتا تھا - کہ گویا اپنے زخم کو بچائے ہوئے آتا ہے - رنگ زرد تھا - اور شرم سے سر جھکائے تھا جب وہ آیا - تو سکندر بڑی عظمت کے ساتھ استقبال کو اٹھا اور اپنے برابر بٹھایا - باوجود اسکے جس قدر سکندر زیادہ تعظیم کرتا تھا - اُس کی شرمندگی زیادہ ہوتی تھی وہ دارا بادشاہ ایران تھا

دفعتہً سکندر نے آواز دی - اُنہین لاؤ - جو شخص داخل ہوا - وہ ایک پیر مرد بزرگ صورت تھا - کہ مقیشی ڈاڑھی کے ساتھ بڑھاپے کے نور نے اُس کے چہرے کو روشن کیا تھا - ہاتھ مین عصاے پیری تھا جس وقت وہ آیا - سکندر خود اٹھا اُسکا ہاتھ پکڑ کر لایا - اپنے برابر کرسی پر بٹھایا - اور پانچ لڑی کا سہرا اُس کے سر پر باندھا معلوم ہوا - کہ یہ نظامی گنجوی ہین - اور اس سہرے مین خمسے کے مضامین سے پھول پروئے ہوئے ہین - سکندر پھر اٹھا اور تھوڑا سا پانی اُس پر چھڑک کر کہا - اب یہ کبھی نہ کملائینگے -

بعد اس کے جو شخص آیا - اگرچہ وہ سادہ وضع تھا - مگر قیافہ روشن اور چہرہ فرحت روحانی سے شگفتہ نظر آتا تھا - جو لوگ اب تک آچکے تھے - ان سب سے زیادہ عالی رتبے کے لوگ اسکے ساتھ تھے - اس کے داہنے ہاتھ پر افلاطون تھا اور بائین پر جالینوس - اس کا نام سقراط تھا چنانچہ وہ بھی ایک مسند پر بیٹھ گیا - لوگ ایسا خیال کرتے تھے - کہ ارسطو اپنے اُستاد یعنی افلاطون سے دوسرے درجے پر بیٹھے گا - مگر اس مقدمے پر کچھ اشخاص تکرار کرتے نظر آئے - کہ اُن کا سرگروہ

خود ارسطو تھا۔ اس منطقے زبردست نے کچھ شوخی اور کچھ سینہ زوری سے مگر دلائل زبردست اور براہین معقول کے ساتھ سب اہل محفل کو قائل کر لیا۔ کہ یہ مسند میرا ہی حق ہے۔ اور یہ کہ کر اوّل **سکندر** کو آئینہ دکھایا۔ پھر **نظامی** کو سلام کر کے بیٹھ ہی گیا۔

ایک گروہ کثیر بادشاہوں کی ذیل میں آیا۔ سب جبّہ و عمامہ اور طبل و دمامہ رکھتے تھے۔ مگر باہر روکے گئے۔ کیونکہ ہر چند ان کے جبّے دامن قیامت سے دامن باندھے تھے اور عمامے گنبد فلک کا نمونہ تھے۔ مگر اکثر اُن میں طبل تہی کی طرح اندر سے خالی تھے چنانچہ دو شخص اندر آنے کے لئے منتخب ہوئے۔ اُن کے ساتھ ایک انبوہ کثیر علما و فضلا کا ہو لیا۔ تعجب یہ ہے کہ **روم و یونان** کے فلسفی ٹوبیان اُتارے ان کے ساتھ تھے۔ بلکہ چند ہندو بھی تقویم کے پتّرے لئے اشیر باد کہتے آتے تھے۔ پہلا بادشاہ اُن میں **ہارون رشید** اور دوسرا **مامون رشید** تھا۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ ایک اور تاجدار سامنے سے نمودار ہوا۔ ولایتی استخوان اور ولایتی لباس تھا اور جامہ خون سے قلمکار تھا۔ ہندوستان کے بہت سے گران بہا زیور اُس کے پاس تھے۔ مگر چونکہ ناواقف تھا۔ اس لئے کچھ زیور ہاتھ میں لئے تھا۔ کچھ کندھے پر پڑے تھے۔ ہر چند یہ جواہرات اپنی آبداری سے پانی ٹپکاتے تھے۔ مگر جہان قدم رکھتا تھا۔ بجائے غبار کے آہوں کے ساتھ دھوئیں اٹھتے تھے۔ وہ **محمود غزنوی** تھا۔ بہت سے مصنف اُسکے استقبال کو بڑھے۔ مگر وہ کسی اور کا منتظر اور مشتاق معلوم ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک نوجوان خوشمائل آیا۔ اور **فردوسی** کا ہاتھ پکڑ کر محمود کے سامنے لے گیا۔ محمود نے نہایت اشتیاق اور شکر گزاری سے اُس کا ہاتھ پکڑا۔ اگرچہ برابر بیٹھ گئے۔ مگر دونو کی آنکھیں شرم سے جھک گئیں۔ نوجوان ایک عجیب ناز و انداز سے مسکرایا اور چلا گیا۔ وہ **ایاز** تھا۔

اسی عرصے میں ایک اور شخص آیا۔ کہ لباس اہل اسلام کا رکھتا تھا۔ مگر چال ڈھال

یونانیون سے ملاتا تہا۔ اسکے داخل ہونے پر شعرا تو الگ ہو گئے۔ مگر تمام علما اور فضلا مین تکرار اور قیل وقال کا غل ہوا۔ اس سینہ زور نے سب کو پیچھے چھوڑا اور ارسطو کے مقابل مین ایک کرسی بچھی تھی۔ اس پر آکر بیٹھ گیا۔ وہ بوعلی سینا تہا۔

ایک انبوہ کثیر ایرانی تورانی لوگون کا دیکھا۔ کہ سب معقول اور خوش وضع لوگ تھے۔ مگر انداز ہر ایک کے جدا جدا تہے۔ بعض کے ہاتھون مین اجزا اور بعض کی بغل مین کتاب تھی۔ کہ اوراق اُن کے نقش ونگار سے گلزار تھے۔ وہ دعوی کرتے تھے کہ ہم معانی ومضامین کے مصوّر ہین۔ اُن کے باب مین بڑی تکرارین ہوئین۔ آخر یہ جواب ملا کہ تم مصوّر بے شک اچھے ہو۔ مگر بے اصل اور غیر حقیقی اشیا کے مصوّر ہو تمہاری تصویرون مین اصلیت اور واقعیت کا رنگ نہین۔ البتہ انتخاب ہو سکتا ہے۔ یہ لوگ فارسی زبان کے شاعر تھے۔ چنانچہ **انوری۔ خاقانی۔ ظہیر فاریابی** وغیرہ چند اشخاص منتخب ہو کر اندر آئے۔ باقی سب نکالے گئے۔ ایک شاعر کے کان پر قلم دہرا تھا۔ اُس مین سے آب حیات کی بوندین ٹپکتی تھین۔ مگر کبھی کبھی اس مین سے سانپ کی زبانین لہراتی نظر آتی تھین۔ اس لئے اس پر پھر تکرار ہوئی۔ اُسنے کہا بادشاہون کو خدا نے اعدا کے لئے تلوار دی ہے۔ مگر ملک مضامین کے حاکم سوائے قلم کے کوئی حربہ نہین رکھتے۔ اگر چند بوندین زہر آب کی بھی نہ رکھین۔ تو اعدائے بدنہاد ہمارے خونِ عزت کے بہانے سے کب چوکین چنانچہ یہ عذر اُس کا قبول ہوا۔ یہ **انوری** تہا جو باوجود گل فشانی فصاحت کے بعض موقع پر اس قدر ہجو کرتا تہا کہ کان اُس کے سُننے کی تاب نہین رکھتے۔

خاقانی پر اس معاملے مین اُسکے اُستاد کی طرف سے دعوی پیش ہوئے۔ چونکہ اس کی بنیاد خانگی نزاع پر تھی۔ اس لئے وہ بھی اس کی کُرسی نشینی مین خلل انداز نہ ہو سکا۔

اسی عرصے مین چنگیز خان آیا۔ اس کے لئے گو علما اور شعرا مین سے کوئی آگے نہ بڑھا۔ بلکہ جب اندر لائے۔ تو خاندانی بادشاہون نے اُسے چشم حقارت سے دیکھ کر تبسم کیا۔ البتہ مورخون کے گروہ نے بڑی دہوم دھام کی۔ جب کسی کی زبان سے نسب نامہ کا لفظ نکلا۔ تو اُس نے فوراً شمشیر جوہر دار سند کے طور پر پیش کی جس پر خونی حرفون سے رقم تھا۔ سلطنت مین میراث نہین چلتی۔ علما نے غل مچایا کہ جس کے کپڑون سے لہو کی بو آئے وہ قصاب ہے۔ بادشاہون مین اس کا کام نہین۔ شعرا نے کہا کہ جس تصویر کے رنگ مین ہمارے قلم یا مصوران تصانیف کی تحریر نے رنگِ بقا نہ ڈالا ہو۔ اُسے اس دربار مین نہ آنے دینگے۔ اس بات پر اُس نے بھی تامل کیا اور متاسف معلوم ہوتا تھا۔ اسوقت ہاتف نے آواز دی۔ کہ اے چنگیز جس طرح ملک و شمشیر کے جوش کو قوم کے خون مین حرکت دی۔ اگر علوم و فنون کا بھی خیال کرتا۔ تو آج قومی ہمدردی کی بدولت ایسی ناکامی نہ اُٹھاتا۔ اتنے مین چند مورخ آگے بڑھے۔ اُنھون نے کچھ ورق دکھائے۔ کہ ان مین طورہ چنگیز خانی یعنی اسکے ملکی انتظام کے قواعد لکھے تھے۔ آخر قرار پایا۔ کہ اُسے دربار مین جگہ دو۔ مگر ان کاغذون پر کچھ لہو کے چھینٹے دو۔ اور ایک سیاہی کا داغ لگا دو۔

تھوڑی دیر نہ گذری تھی۔ کہ ایک جوان اسی شکوہ و شان کا اور آیا۔ اسکا نام ہلاکو خان تھا۔ اس کے لئے چند علمانے بھی مورخون کا ساتھ دیا۔ جس وقت اندر لائے تو اُس کے لئے بھی تکرارون کا غل ہوا چاہتا تھا۔ مگر ایک مرد بزرگ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھایا جس کی وضع متشرع عالمون کی تھی۔ لیکن کمر مین ایک طرف اصطرلاب۔ دوسری طرف کچھ اقلیدس کی شکلین لٹکتی تھین۔ بغل مین فلسفہ اور حکمت کے چند اجزا تھے۔ اُن کا نام محقق طوسی تھا۔ چنانچہ انہین دیکھ کر کوئی بول نہ سکا۔ اُسے تو بادشاہون کی صف مین جگہ مل گئی۔ محقق کو شیخ بوعلی سینا نے یہ کہکر پاس بٹھا لیا کہ آپ نے میری کلاہ شہرت مین بقاے دوام کے آبدار موتی ٹانکے شکریہ ادا کرتا ہون۔

تھوڑی دیر نہ گزری تھی۔ کہ امیر تیمور کی نوبت آئی۔ بہت سے مورخون نے اسکے لانے کی التجا کی۔ مگر وہ سب کو دروازے پر چھوڑ گیا اور اپنا آپ رہبر ہوا۔ کیونکہ وہ خود مورخ تھا۔ رستہ جانتا تھا۔ اور اپنا مقام پہچانتا تھا۔ لنگڑاتا ہوا گیا۔ اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ تیمور کرسی پر بیٹھتے ہی تلوار ٹیک کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور کہا۔ اے اہل تصنیف مین تم سے سوال کرتا ہون کہ ہماری شمشیر کے عوض جو خدا نے تمہین قلم تحریر دیا ہے۔ اُسے اظہار واقعیت اور خلائق کی عبرت اور نصیحت کے لئے کام مین لانا چاہئے۔ یا اغراض نفسانی اور بدزبانی مین؟ تمام مورخ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ کہ یہ کس پر اشارہ ہے۔ تیمور نے ابن عرب شاہ کے بلانے کو ایما فرمایا۔ معلوم ہوا کہ وہ کہین پیچھے رہ گیا۔ چنانچہ اس کا نام مصنفون کی فہرست سے نکالا گیا۔

اسی حال مین دیکھتے ہین۔ کہ ایک بزرگ آزاد وضع۔ قطع تعلق کا لباس بر مین خاکساری کا عمامہ سر پر آہستہ آہستہ چلے آتے ہین۔ تمام علما و صلحا۔ مورخ اور شاعر سر جھکائے اُنکے ساتھ ہین۔ وہ دروازے پر آکر ٹھیرے۔ سب نے آگے بڑھنے کی التجا کی۔ تو کہا۔ معذور رکھو۔ میرا ایسے مقدمون مین کیا کام ہے۔ اور فی الحقیقت وہ معذور رکھے جاتے۔ اگر تمام اہل دربار کا شوق طلب اُن کے انکار پر غالب نہ آتا۔ وہ اندر آئے۔ ایک طلسمات کا شیشۂ مینائی اُن کے ہاتھ مین تھا۔ کہ اُس مین کسی کو دود۔ کسی کو شربت کسی کو شراب شیرازی نظر آتی تھی۔ ہر ایک کرسی نشین انہین اپنے پاس بٹھانا چاہتا تھا۔ مگر وہ اپنی وضع کے خلاف سمجھ کر کہین نہ بیٹھے۔ فقط اس سرے سے اُس سرے تک ایک گردش کی اور چلے گئے۔ وہ حافظ شیراز تھے۔ اور شیشۂ مینائی اُن کا دیوان تھا جو فلک مینائی کے دامن سے دامن باندھے ہے۔ لوگ اور کرسی نشین کے مشتاق تھے۔ کہ دور سے دیکھا بیشمار لڑکون کا غول غل مچاتا چلا آتا ہے۔ بیچ مین انکے ایک پیر مرد نورانی صورت جس کی سفید ڈاڑھی مین شگفتہ مزاجی نے کنگھی کی تھی۔ اور خندہ

جبینی نے ایک طرّہ سر پر آویزان کیا تھا۔ اُسکے ایک ہاتھ مین گلدستہ۔ دوسرے مین ایک میوہ دار ٹہنی پھلون پھولون سے ہری بھری تھی۔ اگرچہ مختلف فرقون کے لوگ تھے۔ جو باہر استقبال کو کھڑے تھے۔ مگر انہین دیکھ کر سب نے قدم آگے بڑھائے کیونکہ ایسا کون تھا جو شیخ سعدی اور اُن کی گلستان بوستان کو نہ جانتا تھا۔ انہون نے کمرے کے اندر قدم رکھتے ہی سعد زنگی کو پوچھا۔ اس بچارے کو ایسے دربارون مین بار بھی نہ تھی۔ لیکن اور کرسی نشین کہ اکثر اُن سے واقف تھے۔ اور اکثر اشتیاق غائبانہ رکھتے تھے۔ وہ اُن کے مشتاق معلوم ہوئے باوجود اس کے یہ ہنسے اور اتنا کہ کر اپنے لڑکون کے لشکر مین چلے گئے۔ دنیا دیکھنے کے لئے ہے۔ برتنے کیلئے نہین۔

بعد اسکے دیر تک انتظار کرنا پڑا۔ چنانچہ ایک **الو العزم** شخص آیا جس کے چہرے سے خودسری کا رنگ چمکتا تھا۔ اور سینہ زوری کا جوش بازوؤن مین بل ما رہا تھا۔ اس کے آنے پر تکرار ہوئی۔ اور مقدمہ یہ تھا کہ اگر علما کی نہین۔ تو مورخون کی کوئی خاص سند ضرور چاہیئے۔ بلکہ چغتائی خاندان کے مورخ صاف اسکی مخالفت پر آمادہ ہوئے۔ اسنے باوجود اس کے ایک کرسی جس پر تیموری تمغا بھی لگا تھا۔ گھسیٹ لی۔ اور بیٹھ گیا **ہمایون** اُسے دیکھ کر شرمایا اور سر جھکا لیا مگر تاج شاہی براندازِ کج کلاہی کو بڑھا کر بیٹھا اور کہا۔ کہ بے حق بے استقلال ہے۔ اسنے ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہا کہ مجھے اتنا فخر کافی ہے کہ میرے دشمن کی اولاد میرے رستے پر قدم بقدم چلے گی اور فخر کریگی۔ یہ شیر شاہ سوری تھا

تھوڑی دیر کے بعد ایک خورشید کلاہ آیا۔ جس کو انبوہ کثیر۔ ایرانی۔ تورانی۔ ہندوستانیون کے فرقہ ہائے مختلفہ کا بیچ مین لئے آتا تھا۔ وہ جس وقت آیا تمام اہل دربار کی نگاہین اسکی طرف اُٹھین اور رضامندیٔ عام کی ہوا چلی۔ تعجب یہ ہے۔ کہ اکثر مسلمان اس کو مسلمان سمجھتے تھے۔ ہندو اُسے ہندو جانتے تھے۔ آتش پرستون

کو آتش پرست دکھائی دے رہا تھا۔ نصارے اُس کو نصارے سمجھتے تھے۔ مگر اُسکے تاج پر تمام سنسکرت کے حروف لکھے تھے۔ اُسنے اپنے بعض ہم قومون اور ہم مذہبون کی شکایت کرکے بداونی پر خون کا دعوی کیا۔ کہ اُس نے میری حیات جاودانی کو خاک مین ملانا چاہا تھا۔ اور وہ فتحیاب ہوتا۔ اگرچہ مصنف مصنفون کے ساتھ ابوالفضل اور فیضی کی تصنیف میری سچائی نہ کرتی۔ سب نے کہا۔ نیّت کا پھل ہے۔

اسکے بعد ایک اور بادشاہ آیا جو اپنی وضع سے ہندو راجہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ خود مخمور نشے مین چور تھا۔ ایک عورت صاحبِ جمال اس کا ہاتھ پکڑے آتی تھی۔ اور جدہر چاہتی تھی۔ پھراتی تھی۔ وہ جو کچھ دیکھتا تھا اُس کے نورِ جمال سے دیکھتا تھا۔ اور جو کچھ کہتا تھا۔ اُسی کی زبان سے کہتا تھا۔ اُس پر بھی ہاتھ مین ایک جزو کاغذون کا تھا۔ اور کان پر قلم دھرا تھا۔ یہ سانگ دیکھ کر سب مسکرائے۔ مگر چونکہ دولت اسکے ساتھ ساتھ تھی۔ اور اقبال آگے آگے اہتمام کرتا آتا تھا۔ اس لئے بدمست بھی نہ ہوتا تھا۔ جب نشے سے آنکھ کھلتی تھی۔ تو کچھ لکھ بھی لیتا تھا۔ وہ جہانگیر تھا۔ اور بیگم نورجہان تھی۔

شاہ جہان بڑے جاہ وجلال سے آیا۔ بہت سے مورخ اس کے ساتھ کتابین بغل مین لئے تھے اور شاعر اسکے آگے آگے قصیدے پڑھتے آتے تھے۔ میر عمارت اُن عمارتون کے فوٹوگراف ہاتھ مین لئے تھے۔ جو اسکے نام کے کتابے دکھاتی تھین۔ اور سیکڑون برس کی راہ تک اُسکا نام روشن دکھاتی تھین۔ اس کے آنے پر رضامندئے عام کا غلغلہ بلند ہوا چاہتا تھا۔ مگر ایک نوجوان آنکھون سے اندھا چند بچون کو ساتھ لئے آیا کہ اپنی آنکھون کا اور بچّون کے خون کا دعوی کرتا تھا۔ یہ شہریار شاہجہان کا چھوٹا بھائی تھا۔ اور بچّے اُس کے بھتیجے تھے۔ اُس وقت وزیر اس کا آگے بڑھا۔ اور کہا۔ کہ جو کیا گیا بدنیتی اور خودغرضی سے نہین کیا۔ بلکہ خلقِ خدا کی امنیت اور ملک کا انتظام قایم رکھنے کو کیا۔ بہرحال اُسے دربار مین جگہ ملی۔ اور سلاطین چغتائیہ کے سلسلے مین معزز درجے

پر ممتاز ہوا۔

تھوڑی دیر کے بعد دور سے گانے بجانے کی آواز آئی۔ اور بعد اُس کے ایک بادشاہ آیا۔ اس کی وضع ہندوستانی تھی مصنّفون اور مؤرخون مین سے کوئی اُس کے ساتھ نہ تھا البتہ چند اشخاص تھے۔ کہ کوئی ان مین گویّا اور کوئی بھانڈ۔ کوئی مسخرا نظر آتا تھا۔ یہ سب گھبرائے ہوئے آتے تھے۔ کیونکہ ایک ولایتی دلاور اُن کے پیچھے پیچھے شمشیر برہنہ علم کئے تھا۔ اس کی صفہانی تلوار سے لہو کی بوندین ٹپکتی تھین۔ مخمل رومی کی کلاہ تھی۔ جس پر ہندوستان کا تاج شاہی نصب تھا۔ اور اسب بخارائی زیر ران تھا۔ وہ ہندوستانی وضع بادشاہ **محمد شاہ** تھا۔ اُسے دیکھتے ہی سب نے کہا کہ نکالو۔ نکالو۔ ان کا یہان کچھ کام نہین۔ چنانچہ وہ فوراً دوسرے دروازے سے نکالے گئے ولایتی مذکور **نادر شاہ** تھا جس نے سرحدّ روم سے بخارا تک فتح کرکے تاج ہندوستان سر پر رکھا تھا۔ اُسے **چنگیز خان** کے پاس جگہ مل گئی۔

تھوڑی دیر ہوئی تھی جو ایک غول ہندوستانیون کا پیدا ہوا۔ ان لوگون مین کوئی مرقع بغل مین دبائے تھا۔ کوئی گلدستہ ہاتھ مین لئے تھا۔ انہین دیکھ دیکھ کر آپ ہی آپ خوش ہوتے تھے۔ اور وجد کرکے اپنے اشعار پڑھتے تھے۔ یہ ہندوستانی شاعر تھے۔ چنانچہ چند اشخاص انتخاب ہوئے۔ ان مین ایک شخص دیکھا۔ کہ جب بات کرتا تھا۔ اُسکے منہ سے رنگا رنگ کے پھول جھڑتے تھے۔ لوگ ساتھ ساتھ دامن پھیلائے تھے مگر بعض پھولون مین کانٹے ایسے ہوتے تھے۔ کہ لوگون کے کپڑے پھٹے جاتے تھے۔ پھر بھی مشتاق زمین پر گرنے نہ دیتے تھے۔ کوئی نہ کوئی اٹھا ہی لیتا تھا۔ وہ **میر مرزا رفیع سودا** تھے۔

میر بد دماغی اور بے پروائی سے آنکھ اوٹھا کر نہ دیکھتے تھے۔ شعر پڑھتے تھے۔ اور منہ پھیر لیتے تھے درد کی آواز دردناک دنیا کی بے بقائی سے جی بیزار کئے دیتی تھی

میر حسن اپنی سحر بیانی سے پرستان کی تصویر کھینچتے تھے **میر انشاء اللہ خان** قدم قدم پر نیا بہروپ دکھاتے تھے دم مین عالم ذی وقار متقی پرہیزگار۔ دم مین ڈاڑھی چپٹ بھنگ کا سونٹا کندھے پر۔

جرأت کو اگرچہ کوئی خاطر مین نہ لاتا تھا۔ مگر جب وہ میٹھی آواز سے ایک تان اڑاتا تھا۔ تو سب کے سر ہل ہی جاتے تھے **ناسخ** کی گلکاری چشم آشنا معلوم ہوتی تھی۔ اور اکثر جگہ قلمکاری اس کی عینک کی محتاج تھی۔ مگر آتش کی آتش زبانی اسے جلائے بغیر نہ چھوڑتی تھی۔ **مومن** کم سخن تھے۔ مگر جب کچھ کہتے تھے جرأت کی طرف دیکھتے جاتے تھے۔

ایک پیر مرد دیرینہ سال محمد شاہی دربار کا لباس۔ جامہ پہنے کھڑکی دار پگڑی باندھے جریب ٹیکتے آتے تھے۔ مگر ایک لکھنؤ کے بانکے پیچھے پیچھے گالیان دیتے تھے۔ بانکے صاحب ضرور ان کے دست گریبان ہو جاتے۔ لیکن چار خاکسار اور پانچوان تاجدار انکے ساتھ تھا۔ یہ بچا لیتے تھے۔ بڈھے **میر امن** دہلوی چار درویش کے مصنف تھے۔ اور بانکے صاحب میرزا سرور فسانۂ عجائب والے تھے۔ ذوق کے آنے پر پسند عام کے عطر سے دربار مہک گیا۔ انہون نے اندر آکر شاگردانہ طور پر سب کو سلام کیا۔ سودا نے اٹھ کر ملک الشعرائی کا تاج اُن کے سر پر رکھ دیا۔ **غالب** اگرچہ سب سے پیچھے تھے۔ پر کسی سے نیچے نہ تھے۔ بڑی دھوم دھام سے آئے۔ اور ایک نقارہ اس زور سے بجایا۔ کہ سب کے کان گنگ کر دیئے۔ کوئی سمجھا اور کوئی نہ سمجھا۔ مگر سب واہ وا اور سبحان اللہ کرتے رہ گئے۔

اب مین نے دیکھا کہ فقط ایک کرسی خالی ہے۔ اور بس اتنے مین آواز آئی کہ **آزاد** کو بلاؤ۔ ساتھ ہی آواز آئی۔ کہ شاید وہ اس جرگے مین بیٹھنا قبول نہ کرے۔ مگر وہین سے پھر کوئی بولا۔ کہ اُسے جن لوگون مین بٹھا دوگے بیٹھ جائیگا۔ اتنے مین چند اشخاص نے غل مچایا۔ کہ اس کی قلم نے ایک جہان سے لڑائی باندھ رکھی ہے۔ اُسے دربار شہرت

مین جگہ نہ دینی چاہیئے۔ اِس مقدمے پر قیل وقال شروع ہوئی۔ مین چاہتا تہا۔ کہ نقاب چہرے سے اُلٹ کر آگے بڑہون اور کچہہ بولون۔ کہ میرے ہادیٔ ہمدم یعنی فرشتۂ رحمت نے ہاتہہ پکڑ لیا۔ اور چپکے سے کہا۔ کہ ابھی مصلحت نہین۔ اتنے مین آنکھ کھل گئی۔ مین اس جھگڑے کو بھی بھول گیا۔ اور خدا کا شکر کیا۔ کہ بلا سے دربار مین کرسی ملی یا نہ ملی مردون سے زندون مین تو آیا۔

آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خان بہادر

پیدائش دہلی ۱۸۱۷ء **وفات علی گڈھ ۱۸۹۸ء**

سر سید ۱۷۔ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی مین پیدا ہوے۔ علوم رسمیہ کے تحصیل کے بعد ۲۲ سال کی عمر مین ابتداً دہلی کی صدر امینی کی کچہری مین سرشتہ دار مقرر ہوے۔ اُسکے بعد کمشنری آگرہ مین نائب منشی ہوے۔ ۲۴۔ دسمبر ۱۸۴۱ء مین مین پوری کے منصف ہوے وہان سے فتحپور سیکری پہر دہلی آئے۔ ۱۸۵۵ء مین بجنور کے مستقل صدر امین ہوئے۔ ۱۸۵۸ء مین مراد آباد کے صدر الصدور (سب جج) مقرر ہوے وہان سے غازیپور۔ علی گڈھ۔ بنارس مین سب ججی کے عہدہ کے فرائض انجام دیتے رہے۔ یکم اپریل ۱۸۶۹ء کو بنارس سے ولایت روانہ ہوے۔ ۲۔ اکتوبر ۱۸۷۰ء کو ہندوستان واپس آکر ۲۴۔ مئی ۱۸۷۵ء کو علی گڈھ مین مدرستہ العلوم کی بنیاد ڈالی۔ ۱۸۴۲ء مین بہادر شاہ کے دربار سے آپکو جواد الدولہ عارف جنگ کا خطاب عطا ہوا۔ ۶۔ اگست ۱۸۶۹ء کو سرکار انگلشیہ سے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ کا خطاب اور تمغا ملا۔ ۱۸۷۶ء مین پنشن لیکر اپنی زندگی کو اپنی قوم کے لئے وقف کر دیا۔ ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء بمقام علی گڈھ ۸۱ برس کی عمر مین آپنے انتقال فرمایا۔ اور اپنے قائم کئے ہوئے کالج کی مسجد کے بیرونی حصے مین دفن ہوے۔

سر سید نے ۱۷۔ ۱۸ برس کے سن سے مضامین لکھنے شروع کئے لیکن ۱۸۵۷ء تک اُنکا طرز تحریر زمانہ کے قدیم روشن کے موافق تہا۔ مگر اُسوقت مین بہی سادگی اور بے ساختگی اُنکی تحریر مین پائی جاتی تہی۔ ۵۷ء کے بعد سے آپنے اپنا طرز تحریر بالکل بدلدیا۔

سرسید کے کلام مین تشبیہین۔ استعارے۔ کنائے۔ مثلین۔ تلمیحین۔ نہایت لطیف ہین۔ لطیفے حد سے زیادہ دلفریب ہین۔ کہاوتین اور اشعار برمحل جابجا نظر آتے ہین۔ قدرت بیان حد سے زاید ہے۔

۱۔ سرسید کے قلم مین ہر مطلب کو اُسکے مناسب پیرایہ مین بیان کرنے کی بیحد قابلیت تھی۔

۲۔ مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ مطلب کو اسطرح سلجھا کر ادا کر جاتے کہ جو مضمون لفظون مین سماتا نظر نہ آتا ہو وہ ایسی خوبی سے ادا ہو جاے جیسے انگوٹھی پر نگین جڑ دیا۔

۳۔ واقعات اور حالات کے حسن و قبح کی تصویر اسطرح کھینچتے کہ جو برائیان بسبب الفت و عادت کے دلون مین کھپ گئی ہون اُنکی برائی اور جو خوبیان سوسائٹی کے اثر سے نظرون سے چھپ گئی ہون اُنکی خوبی فوراً دلون پر نقش ہو جاے۔

مولنا حالی اپنی کتاب حیات جاوید مین لکھتے ہین کہ سرسید نے اُردو زبان اور اُردو لٹریچر کو طرح طرح کی مدد پہنچائی ہے۔ مگر جو بے بہا مدد خاصکر اُنکے لٹریری ورکس سے اُردو لٹریچر کو پہونچی ہے اُسکے لحاظ سے اُنکو فادر آف اُردو کہنا کچھ مبالغہ نہین سید کے طرز تحریر مین یہ خصوصیت تھی کہ اُسکی لطافت اور خوبی کے سبب لوگ عموماً اُسکو شوق اور توجہ سے پڑھتے تھے۔ اور اُسکی سادگی اور بے تکلفی دیکھکر ہر ایک کے دل مین ویسا ہی لکھنے کا حوصلہ پیدا ہوتا تھا۔ اسلئے جو صفائی اور سلاست اور تہذیب اور شائستگی اور گھلاوٹ عام تحریرون مین دیکھی جاتی ہے اور مضمون نگاری کا جو سلیقہ اخباری دنیا مین پھیلا ہے۔ یہ سب اسی ایک قلم کی آواز بازگشت ہے۔ سب سے زیادہ زوردار اور باآثر آپ کی اسپیچین ہوتی تھین مگر وہ اکثر پولیٹکل یا مذہبی معاملات پر ہین اسلئے اس انتخاب مین لانے کے لائق نہین۔

آپکی علمی تصانیف سے سلسلۃ الملوک۔ آثار الصنادید۔ اسباب بغاوت ہند وغیرہ اور لکچرون کا مجموعہ اور صدہا مفید مضامین یادگار ہین جو تہذیب الاخلاق اور علی گڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ مین چھپے ہین۔

تعلیم و تربیت

تعلیم و تربیت کو ہم معنی سمجھنا بڑی غلطی ہے بلکہ وہ جدا جدا دو چیزین ہین جو کچھ کہ انسان مین ہے اُسکو باہر نکالنا انسان کو تعلیم دینا ہے۔ اور اُسکو کسی کام کے لائق کرنا اُسکا تربیت کرنا ہے۔ مثلاً جو قوتین کہ خدائے تعالےٰ نے انسان مین رکھی ہین انکو تحریک دینا اور شگفتہ و شاداب کرنا انسان کی تعلیم ہے۔ اور اُسکو کسی بات کا مخزن اور مجمع بنانا اُسکی تربیت ہے۔

انسان کو تعلیم دینا درحقیقت کسی چیز کا باہر سے اُسمین ڈالنا ہے بلکہ اُسکے دل کے سوتون کا کھولنا اور اندر کے سرچی چشمہ کے پانی کو باہر نکالنا ہے جو صرف اندرونی قوئی کو حرکت مین لانے اور شگفتہ و شاداب کرنے سے نکلتا ہے۔ اور انسان کو تربیت کرنا اُسکے لئے سامان کا مہیا کرنا اور اس سے کام کا لینا ہے۔ جیسے جہاز تیار ہونے کے بعد اُسپر بوجھ لادنا اور حوض بنانے کے بعد اُسمین پانی کا بھرنا۔ پس تربیت پانے سے تعلیم کا بھی پانا ضرور نہین ہے۔ تربیت جتنی چاہو کرو اور اُسکے دلکو تربیت کرتے کرتے مُنہ تک بھر دو مگر اُس سے دل کی سرچی سوتین نہین کھلتین بلکہ بند ہو جاتی ہین اندرونی قوئی کو حرکت دئے بغیر تربیت تو ہو جاتی ہے مگر تعلیم کبھی نہین ہوتی۔ اسلئے ممکن ہے کہ ایک شخص کی تربیت تو بہت اچھی ہو اور تعلیم بہت بُری۔

اس تقریر سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ تمام خرابیان جو ہم پر نازل ہوتی ہین اُسکی جڑ یہی ہے کہ ہمنے اپنے دل کو اپنے اندرونی قوئی کو بالکل خراب کر دیا ہے۔ علم جو حاصل کرتے ہین وہ بھی بعوض اِسکے کہ روحانی قوئی کو شگفتہ و شاداب کرے اُنکو پژمردہ بلکہ مردہ کر دیتا ہے۔ اور ہمارے قوی کو جو درحقیقت سرچی سرچشمے تمام نیکیون کے ہین بالکل کمزور اور ناکارہ کر دیتا ہے۔ اور ہماری حالت تمام معاملات مین کیا دین کے اور کیا دنیا کے

خراب ہوتے چلے جاتے ہین پس ہمکو اپنے پر رحم کرنا چاہیے۔ اور ایسی تعلیم اختیار کرنی چاہیے جو اندرونی قوی کو شگفتہ و شاداب کرے اور دل کے سوتون کو کھول کر سرجی چشمہ سے پانی باہر نکالے۔ جس سے ہماری زندگی سرسبز و شاداب ہو۔

تعلیم

تعلیم سے ہماری مراد موافق عرف عام کے لکھنا پڑھنا سیکھنے سے ہے۔ ہر زمانے مین لاکھون کرورون آدمی مختلف مقاصد سے لکھنا پڑھنا سیکھتے رہے ہین۔ عام مقصد جس کے سبب سے تعلیم پر توجہ ہوتی ہے خواہ تعلیم پانے والے خود اسپر متوجہ ہون یا اطفال کے مربیون نے اطفال کی تعلیم پر توجہ کی ہو یہ ہے کہ اُنکے ذہن مین یہ بات سمائی ہوئی ہوتی ہے کہ ایک جاہل کندہ ناتراش سے لکھا پڑھا آدمی زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ اور وہ تعلیم جس درجہ کی ہوئی ہو زندگی کے کاروبار مین اُس کے لئے نہایت مفید اور کارآمد ہوتی ہے۔

اُن تعلیم پانے والون مین لاکھون آدمی تو ایسے ہوتے ہین کہ ادنی درجہ تعلیم تک پہونچکر اور کچھ متوسط درجے کی تعلیم تک پہونچکر رہ جاتے ہین۔ اور چند ایسے ہوتے ہین کہ متوسط درجہ کی تعلیم سے آگے بڑھتے ہین اور اپنے مذاق کے موافق علم کی شاخون مین سے کسی شاخ کی تکمیل پر مائل ہوتے ہین۔ کوئی شاعر بننا چاہتا ہے۔ کوئی ادیب۔ کوئی فلسفے مین ترقی کرتا ہے۔ اور کوئی ریاضیات مین۔ اور کوئی دینیات مین۔ علی ہذا القیاس۔ مگر ہر ایک کے ساتھ حصول معاش کا خیال لگا رہتا ہے۔ اور جو کچھ وہ حاصل کرتا ہے یا کرنا چاہتا ہے اسکو ذریعہ حصول معاش ضرور سمجھتا ہے۔

تعلیم بغیر اسکے کہ اُسکے حاصل کرنے کے لئے کوئی زبان اختیار کی جاے غیر ممکن ہے۔ جس زمانے مین جس زبان کا عروج ہوتا ہے وہی زبان اُسکے لئے اختیار کی جاتی ہے۔ یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ جس ملک مین جو زبان حکومت کرتی ہے اُسی زبان کا عروج ہوتا ہے

خلفاے بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانے مین عربی زبان کا عروج تہا ہر شخص اسی زبان مین علوم کو سیکہنا چاہتا تہا۔ ہندوؤن کے زمانے مین ہندوستان مین سنسکرت زبان کا عروج تہا اسی کو لوگ اختیار کرتے تہے جب مسلمانون کی عملداری ہندوستان مین ہوئی تو فارسی زبان کا عروج ہوا اور سب نے فارسی زبان مین تعلیم پانا اختیار کیا۔ اب ہندوستان مین انگریزی حکومت ہے جس کی زبان انگریزی ہے اور اسی زبان کو عروج ہے۔ اسلئے ہر شخص اسی زبان کے اختیار کرنے پر مائل ہے۔

اکثر حکام کا اور نیز بہت سے لوگون کا یہ خیال ہے کہ لوگ صرف سرکاری نوکری حاصل کرنے کو انگریزی پڑہتے ہین۔ مگر غور کرنے کی بات ہے کہ ہر سال ہندوستان کی یونیورسٹیون سے سیکڑون۔ بی۔ اے۔ اور ایم۔ اے۔ ڈگری پاتے ہین اور انکو یقین کامل ہوتا ہے کہ گورنمنٹ کے پاس اسقدر نوکریان نہین ہین کہ وہ اس جم غفیر۔ بی۔ اے اور ایم۔ اے۔ ڈگری یافتون کو دے سکے۔ پس یقینی ڈگری یافتہ طالبعلمون کو اسکا یقین ہے کہ سب کو سرکاری نوکری نہین مل سکتی سا وصف اس یقین کے جو وہ انگریزی پڑہنے پر مشغول ہین تو ضرور ہے کہ سواے ملازمت سرکاری کے اور کسی ذریعہ سے بہی انکو معاش حاصل کرنے کا خیال ہے۔ یا اس بات کا یقین ہے کہ انگریزی پڑہا ہوا بن انگریزی پڑہے ہوے سے دنیوی کاروبار کے لئے زیادہ مفید اور کارآمد ہے۔ بہرحال یہ بات غلط ہے کہ ہر ایک۔ بی۔ اے اور ایم۔ اے سرکاری ملازمت حاصل کرنے کے لئے پڑہتا ہے۔ اور نہ ملنے کے سبب سرکار سے ناراض ہوتا ہے۔ کیونکہ اسکو پہلے سے یقین ہے کہ سرکار سب کو نوکری نہین دیسکتی۔ ہان جب موقع ہوتا ہے تو ہر ایک سرکاری ملازمت ملنے کی کوشش کرتا ہے جو اسکو ضرور کرنی چاہیئے۔

اس زمانے کی تعلیم مین جو بذریعہ انگریزی زبان کے ہوتی ہے اور اگلے زمانے کی تعلیم مین جو بذریعہ عربی کے ہوتی تہی یہ فرق ہے کہ اگلے زمانے مین تعلیم کا سامان ایسا

موجود اور مہیا نہ تہا کہ ہر شخص جو علم کی کسی شاخ مین یا شاخون مین اس زمانے کے موافق اعلیٰ درجہ کی تعلیم پانا اور اس فن کا ماسٹر ہونا چاہے تو ہو سکتا تہا۔ اور سوسائٹی جو اُس زمانے مین موجود تھی اس تعلیم کی مدد کرتی تہی۔ اور اسپر عمدہ اخلاقی اثر ڈال کر اُس کو اس سوسائٹی کے لایق کر لیتی تہی۔ اگلے زمانے کی سوسائٹی بلحاظ اخلاق اور حسن معاشرت کے ایسی عمدہ تھی کہ اُس مین کوئی نقص اس زمانے مین بھی نہین نکالا جا سکتا۔ مگر افسوس ہے کہ زمانے کے انقلاب کے ساتہہ وہ خود قائم نہ رہی۔

اس زمانے کی تعلیم جو انگریزی زبان کے ذریعہ سے ہندوستان مین ہوتی ہے اُسکے لئے کوئی ایسا سامان نہین ہے کہ جو شخص کسی علم کی کسی شاخ مین اعلیٰ درجہ کی تعلیم پانا چاہے تو اعلیٰ درجے کی تعلیم پاکر اس فن کا ماسٹر ہو سکے۔ ہندوستان مین اعلی تعلیم دینے والی وہ یونیورسٹیان ہین جو ہندوستان مین موجود ہین وہ بلاشبہہ۔ بی۔ اے۔ اور ایم۔ اے۔ کی ڈگریان دیتی ہین۔ مگر اُس تعلیم کو اعلیٰ تعلیم کہنا ہمارے نزدیک محض ناواجب ہے۔ بلکہ وہ علم کی بعض شاخون مین اوسط درجے کی تعلیم ہے اور بعض شاخون مین ادنیٰ درجے کی تعلیم کا رتبہ رکہتی ہے۔

بالفعل جو باتباع احکام یونیورسٹیون کے اسکے ماتحت کالجون مین تعلیم دیجاتی ہے وہ زیادہ تر کتابی اور دماغی تعلیم سے متعلق ہے اس قسم کی تعلیم کا نتیجہ ضرور وہی ہونا چاہیے جو مسٹر کردل نے اپنے لکچر مین بیان کیا ہے اور جنکو اودھ اخبار نے اُردو زبان مین لکہا ہے۔ اُنہون نے فرمایا کہ تعلیم کا منشا یہ نہین ہے کہ چند آدمیون کی دولت بڑھ جاے یا آنکہ غربا کی بمقابلہ باقی ماندہ اشخاص کے زیادہ رعایت کی جاے۔ اور نہ تعلیم کا منشا یہ ہے کہ اسکے ذریعے سے لوگ صرف اپنی باہمی محافظت کرین یا سوداگری اور تجارت ہی کو ترقی دین۔ بلکہ تعلیم کی خاص غایت اور اصل منشا یہ ہے کہ لوگ نیک محض اور عمدہ قسم کے باشندے ہو جائین اور وہ خاموشی حاصل کرین جو زندگی کے بے داغ

رہنے سے حاصل ہوسکتی ہے - اور لوگون کے سوشل اور اخلاقی خصائل کی تکمیل کرین اور اُن بہاری اور عمدہ کامون کا حوصلہ دلائین جن سے ملک کی عزت اور زینت ہوتی ہے -

سر ولیم میکورتھ ینگ نے جو ڈگری یافتہ طالب علمون کو مخاطب کر کے فرمایا اُسکا اصل بھی وہی ہے جو مسٹر کرول نے اپنے لکچر مین کہا تھا - سر ولیم میکورتھ ینگ نے ڈگری یافتہ طالب علمون کو مخاطب ہوکر - فرمایا کہ اُن کی ڈگریان اس بات کے لئے ہین کہ وہ اپنے یومیہ معاملات اور گفتگو مین معزز برتاؤ اختیار کرین - اخلاق اور عمدہ تعلیم کی ترقی مین مدد دین - سوشیل انتظام اور اپنے ہمجنسون کی بہبودی کے قایم رکھنے مین کوشان رہین المختصر ایک بہاری سلطنت کے سربرآوردہ شہریون کے فرائض ادا کرتے رہین -

مگر ہماری راے مین اخلاقی تعلیم صرف کتابون کی تعلیم سے حاصل نہین ہوتی - بلکہ عمدہ سوسائٹی اس کی تعلیم دیتی ہے - ہندوستان مین جو قدیم سوسائٹی علما اور نیک خداپرست رحم دل نیک خصلت لوگون سے مرکب تھی - وہ مدت ہوگئی کہ مردہ ہوگئی ہے اور نئی سوسائٹی جو زمانہ حال کے موافق ہو اب تک قائم نہین ہوئی یا مکمل نہین ہوئی - اسلئے وہ نتائج جس کا ذکر مسٹر کرول نے اپنے لکچر مین کیا - یا سر ولیم میکورتھ ینگ نے ڈگری یافتہ طالب علمون سے خواہش کی حاصل نہین ہوتی -

ہم اس بات کو جیسا کہ اودھ اخبار نے لکھا ہے نہایت مفید اور ضروری سمجھتے ہین کہ اسکول ماسٹرون کو چاہیئے کہ اپنے شاگردون کے نقش ذہن کرتے رہین کہ وہ اعلیٰ درجہ کا چلن اور شریفانہ اُلوالعزمیان اختیار کرین - اور اسی طرح ہمارے کالجون کے پروفیسرون کو بھی منجملہ ایسے لوگون کے ہونا چاہیئے جن مین خیالات عالیہ پائے جاتے ہون مگر ہماری راے مین جب تک کہ خود ایسی قوم کے چند لوگ اس قوم کی سوسائٹی کے مہذب کرنے پر آمادہ نہ ہون اور دلی سعی اور کوشش نہ کرین سوسائٹی کی حالت درست نہین ہوسکتی

اور یہی سبب ہے کہ باوجود یکہ کئی قرن گورنمنٹ کو ہندوستانیون کو تعلیم دیتے ہوے گزرے مگر اُنکی سوسائٹی کی حالت ابتک درست نہین ہوئی۔

نہایت مشکل یہ ہے کہ دنیا مین کسی قوم کی سوسائٹی اور سوشل حالت ایسی نہین ہے کہ جس مین ایسے امور بھی شامل ہون جنکی بنا غلط یا صحیح طور پر مذہبی امور پر مبنی ہوتی نہ کہی جاتی ہو۔ پس اگر وہ امور ترقی سوسائٹی کے مانع ہین اور غلطی سے اُنکی بنا مذہبی امور پر کہی جاتی ہے تو جب تک اُسی قوم کا کوئی شخص غلطی کو ظاہر نہ کرے اور اس مانع کے رفع کرنے مین کوشش نہ کرے تو وہ رفع نہین ہو سکتی۔ غیر قوم کے شخص کا اُس امر مانع پر متنبہ کرنا گو وہ کیسا ہی سچ کہتا ہو مخالف اثر پیدا کرتا ہے۔ اور خیال ہوتا ہے کہ وہ شخص بسبب اختلاف قومی یا مخالفت مذہب کے ایسا کہتا ہے۔ اگرچہ ہم قوم اور ہم مذہب والے پر بھی ہزارون شخص طرح طرح کے اتہام لگاتے ہین اور اسکی بات کی سماعت نہ ہونے پر کوشش کرتے ہین۔ اور گورنمنٹ تو ایسی کوئی بات جس سے مذہب مین مداخلت کرنے کا شبہہ بھی ہو اختیار نہین کر سکتی۔ غرض کہ اخلاقی اور شریف النفسی کی تعلیم عمدہ سوسائٹی پر منحصر ہے۔ اور انگریزی گورنمنٹ سوائے تعلیم دینے کے اور کوئی طریقہ اختیار نہین کر سکتی جس سے ہندوستانیون مین سوسائٹی کی حالت اچھی ہو اور عمدہ سوسائٹی اُن کی بن جاے۔ فقط

گذرا ہوا زمانہ

برس کی اخیر رات کو ایک بڈھا اپنے اندھیرے گھر مین اکیلا بیٹھا ہے۔ رات بھی ڈراؤنی اور اندھیری ہے۔ گھٹا چھا رہی ہے۔ بجلی تڑپ تڑپ کر کڑکتی ہے۔ آندھی بڑے زور سے چلتی ہے۔ دل کانپتا ہے اور دم گھبراتا ہے۔ بڈھا نہایت غمگین ہے مگر اُسکا غم نہ اندھیرے گھر پر ہے نہ اکیلے پن پر اور نہ اندھیری رات

اور بجلی کی کڑک اور آندھی کی گونج پر اور خزاں کی اخیر رات پر۔ وہ اپنے پچھلے زمانہ کو یاد کرتا ہے اور جتنا زیادہ یاد آتا ہے اتنا ہی غم بڑھتا ہے۔ ہاتھوں سے ڈھکے ہوئے موہنہ پر آنکھوں سے آنسو بھی بہے چلے جاتے ہیں۔

پچھلا زمانہ اُسکی آنکھوں کے سامنے پھرتا ہے۔ اپنا لڑکپن اُسکو یاد آتا ہے جبکہ اُسکو کسی چیز کا غم اور کسی بات کی فکر دل میں نہ تھی۔ روپیہ اشرفی کے بدلے ریوڑی اور مٹھائی اچھی لگتی تھی سارا گھر ماں باپ بھائی بہن اُسکو پیار کرتے تھے پڑھنے کے لئے چھٹی کا وقت جلد آنے کی خوشی میں کتابیں بغل میں لے مکتب میں چلا جاتا تھا۔ مکتب کا خیال آتے ہی اُسکو اپنے ہم مکتب یاد آتے تھے وہ اور زیادہ غمگین ہوتا تھا اور بے اختیار چلا اُٹھتا تھا "ہائے وقت ہائے وقت ہائے گذرے ہوئے زمانے۔ افسوس کہ میں نے تجھے بہت دیر میں یاد کیا"

پھر وہ اپنی جوانی کا زمانہ یاد کرتا تھا۔ اپنا سرخ سفید چہرہ۔ سڈول ڈیل بھرا بھرا بدن رسیلی آنکھیں موتی کی لڑی سے دانت۔ امنگ میں بھرا ہوا دل۔ جذبات انسانی کے جوشوں کی خوشی۔ اُسے یاد آتی تھی اُس آنکھوں میں اندھیرا چھائے ہوئے زمانہ میں ماں باپ جو نصیحت کرتے تھے اور نیکی اور خدا پرستی کی بات بتاتے تھے۔ اور یہ کہتا تھا کہ "آہ ابھی بہت وقت ہے" اور بڑھاپے آنے کا کبھی خیال بھی نہ کرتا تھا۔ اُسکو یاد آتا تھا اور افسوس کرتا تھا کہ کیا اچھا ہوتا اگر جب ہی میں اس وقت کا خیال کرتا اور خدا پرستی اور نیکی سے اپنے دل کو سنوارتا اور موت کے لئے تیار رہتا۔ آہ وقت گذر گیا۔ آہ وقت گذر گیا۔ اب پچھتائے کیا ہوتا ہے۔ افسوس میں نے اپنے تئیں ہمیشہ یہ کہکر برباد کیا کہ "ابھی وقت بہت ہے"۔

یہ کہکر وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور ٹٹول ٹٹول کر کھڑکی تک آیا۔ کھڑکی کھولی۔ دیکھا کہ رات ویسی ہی ڈراؤنی ہے۔ اندھیری گھٹا چھا رہی ہے۔ بجلی کی کڑک سے دل پھٹا جاتا ہے۔ ہولناک آندھی چل رہی ہے۔ درختوں کے پتے اڑتے ہیں اور ٹہنے ٹوٹتے ہیں۔ تب وہ چلا کر بولا۔ "ہائے ہائے میری گذری ہوئی زندگی بھی ایسی ہی ڈراؤنی ہے جیسی یہ رات۔ یہ کہکر

پھر اپنی جگہ آبیٹھا۔

اتنے مین اُسکو اپنے مان باپ بھائی بہن - دوست آشنا یاد آئے جنکی ہڈیان قبرون مین گل کر خاک ہو چکی تھین - مان گویا محبت سے اُسکو چھاتی سے لگائے آنکھون مین آنسو بھرے کھڑی ہے - یہ کہتی ہوئی کہ ہائے بیٹا وقت گذر گیا - باپ کا نورانی چہرہ اُسکے سامنے ہے اور اُس مین یہ آواز آتی ہے کہ کیون بیٹا ہم تمہارے ہی بھلے کے لیئے نہ کہتے تھے - بھائی بہن دانتون مین انگلی دیئے ہوئے خاموش ہین اور اُن کی آنکھون سے آنسوؤن کی لڑی جاری ہے - دوست آشنا سب غمگین کھڑے ہین اور کہتے ہین کہ اب ہم کیا کر سکتے ہین -

ایسی حالت مین اُسکو اپنی وہ باتین یاد آتی تھین جو اُسنے نہایت بے پروائی اور بیمروتی اور کج خلقی سے اپنے مان باپ - بھائی بہن - دوست آشنا کے ساتھ برتی تھین - مان کو رنجیدہ رکھنا باپ کو ناراض کرنا بھائی بہن سے بے مروت رہنا - دوست آشنا کے ساتھ ہمدردی کرنا یاد آتا تھا - اور اُسپر اُن گلی ہڈیون مین سے ایسی محبت کا دیکھنا اُس کے دل کو پاش پاش کرتا تھا - اُس کا دم چھاتی مین گھٹ جاتا تھا اور یہ کھکر چلا اٹھتا تھا کہ ہائے وقت نکل گیا - ہائے وقت نکل گیا - اب کیونکر اسکا بدلہ ہو"

وہ گھبرا کر پھر کھڑکی کی طرف دوڑا - اور ٹکراتا لڑتا کھڑکی تک پہونچا - اُسکو کھولا اور دیکھا کہ ہوا کچھ ٹھہری ہے اور بجلی کی کڑک کچھ تھمی ہے پر رات ویسی ہی اندھیری ہے - اُسکی گھبراہٹ کچھ کم ہوئی اور پھر اپنی جگہ آبیٹھا -

اتنے مین اُسکو اپنا ادھیڑپن یاد آیا جس مین نہ وہ جوانی رہی تھی اور نہ وہ جوانی کا جوش نہ وہ دل رہا تھا نہ دل کے ولولون کا جوش اُسنے اپنی اس نیکی کے زمانہ کو یاد کیا جس مین وہ بہ نسبت بدی کے نیکی کی طرف زیادہ مائل تھا - وہ اپنا روزہ رکھنا - نمازین پڑھنی حج کرنا - زکوٰۃ دینی - بھوکونکو کھلانا - مسجدین اور کوئین بنوانا یاد کر کر اپنے دل کو تسلی دیتا تھا - فقیرون اور درویشون کو جس کی خدمت کی تھی اپنے پیرون کو جن سے بیعت کی تھی - اپنی مدد کو

پکارتا تھا۔ مگر دل کی بیقراری نہین جاتی تھی۔ وہ دیکھتا تھا کہ اُسکی ذاتی اعمال کا اُسی تک خاتمہ ہے بھوکے پھر ویسے ہی بھوکے ہین۔ مسجدین ٹوٹ کر یا تو کھنڈر ہین اور یا پھر ویسے ہی جنگل ہین۔ کوئین اندھے پڑے ہین۔ نہ پیر اور نہ فقیر۔ کوئی اُسکی آواز نہین سنتا اور نہ مدد کرتا ہے۔ اُس کا دل بہت گھبراتا ہے اور سوچتا ہے کہ مین نے کیا کیا جو تمام فانی چیزون پر دل لگایا یہ پچھلی سمجھ پہلے ہی کیون نہ سوجھی۔ اب کچھ بس نہین چلتا اور پھر یہ کہکر چلا اٹھا "ہائے وقت۔ ہائے وقت۔ مین نے تجھکو کیون کھو دیا"

وہ گھبرا کر پھر کھڑکی کی طرف دوڑا۔ اُسکے پٹ کھولے تو دیکھا کہ آسمان صاف ہے آندھی تھم گئی ہے۔ گھٹا کھل گئی ہے۔ تارے نکل آئے ہین۔ اُنکی چمک سے اندھیرا بھی کچھ کم ہوگیا ہے۔ وہ دل بہلانے کے لئے تارون بھری رات کو دیکھ رہا تھا کہ یکایک اُسکو آسمان کے بیچ مین ایک روشنی دکھائی دی اور اُس مین ایک خوبصورت دُلہن نظر آئی اُسنے ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھنا شروع کیا۔ جون جون وہ اُسے دیکھتا تھا وہ قریب ہوتی جاتی تھی۔ یہان تک کہ وہ اُسکے بہت پاس آگئی۔ وہ اُسکے حسن وجمال کو دیکھ کر حیران ہوگیا اور نہایت پاک دل اور محبت کے لہجہ سے اُس سے پوچھا کہ تم کون ہو وہ بولی کہ مین ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکی ہون۔ اُسنے پوچھا کہ تمہاری تسخیر کا بھی کوئی عمل ہے۔ وہ بولی ہان ہے نہایت آسان پر بہت مشکل۔ جو کوئی خدا کا فرض ادا کرکے انسان کی بھلائی اور اسکی بہتری مین سعی کرے اُسکی مین مسخر ہوتی ہون۔ دنیا مین کوئی چیز ہمیشہ رہنے والی نہین ہے انسان ہی ایسی چیز ہے جو اخیر تک رہے گا۔ پس جو بھلائی کہ انسان کی بہتری کے لئے کی جاتی ہے وہی نسل در نسل اخیر تک چلی آتی ہے۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ اسی تک ختم ہوجاتا ہے۔ اُس کی موت ان سب چیزون کو ختم کردیتی ہے۔ مادی چیزین بھی چند روز مین فنا ہوجاتی ہین۔ مگر انسان کی بھلائی اخیر تک جاری رہتی ہے۔ مین تمام انسانون

کی روح ہون۔ جو مجکو تسخیر کرنا چاہے انسان کی بہلائی مین کوشش کرے۔ یہ کہکر وہ دُلہن غائب ہوگئی اور بڈہا پہر اپنی جگہ آبیٹہا۔

اب پہر اُسنے اپنا پچہلا زمانہ یاد کیا اور دیکھا کہ اُسنے اپنی پچپن برس کی عمر مین کوئی کام بھی انسان کی بہلائی کا نہین کیا تہا۔ اُسکے تمام کام ذاتی غرض پر مبنی تہے۔ نیک کام جو کئے تہے ثواب کے لالچ اور گویا خدا کو رشوت دینے کی نظر سے کئے تہے۔ خاص انسانی بہلائی کی خالص نیت سے کچہ بہی نہین کیا تہا۔

اپنا حال سونچکر وہ اُس دلفریب دُلہن کے ملنے سے مایوس ہوا۔ اپنا اخیر زمانہ دیکھکر آیندہ کرنے کی بہی کچہہ امید نہ پائی۔ تب تو نہایت مایوسی کی حالت مین بیقرار ہوکر چلّا اٹہا۔ ہائے وقت۔ ہائے وقت۔ کیا پہر تجہے مین بلا سکتا ہون۔ ہائے مین دس ہزار دینارین دیتا اگر وقت پہر آتا اور مین جوان ہوسکتا۔ یہ کہہ کر اُسنے ایک آہ سرد بہری اور بیہوش ہوگیا۔

تہوڑی دیر نہ گذری تہی کہ اُسکے کانون مین میٹہی میٹہی باتون کی آواز آنے لگی۔ اُسکی پیاری ماں اُسکے پاس آکہڑی ہوئی۔ اُسکو گلے لگاکر اُسکی بلائین لین۔ اسکا باپ اسکو دکھائی دیا۔ چہوٹے چہوٹے بہائی بہن اُسکے گرد آکہڑے ہوے۔ ماں نے کہا کہ بیٹا کیون برس کے برس دن رہتا ہے۔ کیون تو بیقرار ہے۔ کس لئے تیری ہچکی بندہ گئی ہے۔ اُٹہ موہنہ ہاتہہ دہو۔ کپڑے پہن۔ نوروز کی خوشی منا۔ تیرے بہائی بہن تیرے منتظر کہڑے ہین۔ تب وہ لڑکا جاگا اور سمجہا کہ مین نے خواب دیکھا اور خواب مین بڈہا ہوگیا تہا۔ اُسنے اپنا سارا خواب اپنی ماں سے کہا۔ اُس نے سُنکر اسکو جواب دیا کہ بیٹا پس تو ایسا مت کر جیسا اُس پشیمان بڈہے نے کیا۔ بلکہ ایسا کر جیسا تیری دُلہن نے تجہہ سے کہا۔

یہ سُنکر وہ لڑکا پلنگ پر سے کود پڑا اور نہایت خوشی سے پکارا کہ "اور یہی میری زندگی کا پہلا دن ہے۔ مین کبہی اُس بڈہے کی طرح نہ پچتاؤن گا اور ضرور اُس دُلہن کو بیاہون گا جس نے ایسا خوبصورت اپنا چہرہ مجکو دکھلایا۔ اور ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکی اپنا نام بتلایا۔

او خدا او خدا تو میری مدد کر۔

پس اے میرے پیارے نوجوان ہموطنو۔ اور اے میرے بچو۔ انسانی بھلائی پر کوشش کرو تاکہ اخیر وقت مین اُس بڈھے کی طرح نہ پچھتاؤ۔ ہمارا زمانہ تو اخیر ہے۔ اب خدا سے یہ دعا ہے کہ کوئی نوجوان اُٹھے اور انسانی ہمدردی اور اپنی قوم کی بھلائی مین کوشش کرے۔

نجم الدولہ۔ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خان غالب

انکا خاندانی سلسلہ افراسیاب بادشاہ توران سے ملتا ہے۔ انکے دادا شاہ عالم کے زمانے مین دہلی آئے یہان فوج کے ایک معزز عہدے پر سرفراز ہوے۔ شاہ عالم کے بعد انکے والد عبد اللہ بیگ خان لکھنؤ جاکر نواب آصف الدولہ مرحوم کے دربار مین پہونچے۔ چند روز بعد حیدر آباد مین جاکر نواب نظام علی خان بہادر کے سرکار مین تین سو سوار کی جمعیت سے ملازم رہے۔ کئی برس کے بعد ایک خانہ جنگی کے بکھیڑے مین یہ صورت بھی بگڑی وہان سے گھر آئے اور الور مین راجہ بختاور سنگھ کی ملازمت اختیار کی یہان کسی لڑائی مین مارے گئے۔ اُسوقت مرزا کی ۵ برس کی عمر تھی۔ نصر اللہ بیگ خان حقیقی چچا مرہٹون کی طرف سے اکبر آباد مین صوبہ دار تھے۔ اُنھون نے اس دُرِ یتیم کو دامن مین لیا۔

مرزا چچا کے سایہ مین پرورش پاتے تھے۔ مگر اتفاق یہ ہے کہ مرگ ناگہانی مین وہ بھی مر گئے۔ بزرگون نے لاکھون روپیہ کی جائداد چھوڑی تھی۔ قسمت سے کسی کا زور چل سکتا ہے۔ وہ امیرزادہ جو شاہانہ دل و دماغ لیکر آیا تھا اُسکو اسی ملک سخن کی حکومت اور مضامین کی دولت پر قناعت کرکے غریبانہ حال سے زندگی بسر کرنی پڑی۔ بہت تدبیرین اور وسیلے درمیان آئے مگر سب کھیل بنکر بگڑ گئے۔

دلی کی تباہی کے بعد زیادہ مصیبت پڑی اُسوقت رامپور تشریف لے گئے نواب صاحب رامپور نے سو روپیہ مہینا مقرر کر دیا۔ مگر مرزا وہان زیادہ نہ رہ سکے پھر دلی واپس آئے۔

مرزا اہل ہند مین فارسی کے باکمال شاعر تھے۔ اُردو انکی مادری زبان نہ تھی مگر اسمین بھی وہ کمال پیدا کیا کہ اس زبان کے مسلم الثبوت استاد ہو گئے۔ تصنیفات اردو مین تقریباً ۱۸۰۰ اشعر کا ایک انتخابی دیوان ہے کہ ۱۸۴۹ء مین مرتب ہو کر چھپا۔ انکے کلام مین دو باتین خصوصیت کی پائی جاتی ہین۔ اول یہ کہ معنی آفرینی اور نازک خیالی اُنکا شیوہ خاص تھا۔ دوسرے چونکہ فارسی مشق زیادہ تھی اور اُس سے انہین طبعی تعلق تھا اسلئے اکثر الفاظ اسطرح ترکیب دیئے جاتے تھے کہ بول چال مین اسطرح بولتے نہین لیکن جو شعر صاف صاف نکل گئے ہین وہ ایسے ہین کہ جواب نہین رکھتے۔

اُردو زبان مین رقعات کے دو مجموعے انکے مرتب ہو کر شایع ہوئے۔ ایک عود ہندی۔ دوسرا اردوے معلے۔ ان خطوط کی عبارت ایسی ہے گویا آپ سامنے بیٹھے گل افشانی کر رہے ہین اسمین بھی فارسی کی ترکیب اور محاورون کا استعمال کر گئے ہین۔

ان خطوط کی طرز عبارت بھی ایک خاص قسم کی ہے کہ ظرافت کے چٹکلے اور لطافت کی شوخیان اس مین خوب ادا ہو سکتی ہین۔ یہ انہین کا ایجاد تھا کہ آپ مزاے لیا۔ اور اورون کو لطف دیئے گئے۔ دوسرے کا کام نہین۔

مرزا نے ۷۳ برس کی عمر ۱۸۶۹ء مین اس جہان فانی سے انتقال کیا۔

رقعات

بنام مرزا حاتم علی مہر

مرزا صاحب۔ مین نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے۔ کہ مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے۔ ہزار کوس سے بزبان قلم باتین کیا کرو۔ ہجر مین وصال کے مزے لیا کرو۔ کیا تم نے مجھسے بات کرنے کی قسم کھائی ہے۔ اتنا تو کہو کہ یہ کیا بات تمہارے جی مین آئی ہے۔ برسون ہو گئے کہ تمہارا خط نہین آیا۔ نہ اپنی خیر و عافیت لکھی نہ کتابون کا بیورا بھجوایا۔ ہان مرزا تفتہ نے ہاترس سے یہ خبر دی ہے کہ پانچ ورق پانچ کتابون کے آغاز کے اُنکو دے آیا ہون اور انہون نے سیاہ قلم کی لوحون کی تیاری کی ہے۔ یہ تو بہت دن ہوے جو تمنے خبر دی

ہے کہ دو کتابون کی طلائی لوح مرتب ہوگئی ہے۔ پھر اب اُن دو کتابون کی جلدین بنجانے کی کیا خبر ہے۔ اور ان پانچ کتابون کے تیار ہونے مین درنگ کس قدر ہے مہتمم مطبع کا خط پرسون آیا تھا وہ لکھتے ہین کہ تمہاری چالیس کتابین بعد منہائی لینے سات جلدون کے اسی ہفتہ مین تمہارے پاس پہونچ جائین گی۔ اب حضرت ارشاد کرین کہ یہ سات جلدین کب آئین گی۔ ہرچند کاریگرون کے دیر لگانے سے تم بھی مجبور ہو۔ مگر ایسا کچھ لکھو کہ آنکھون کی نگرانی اور دل کی پریشانی دور ہو۔ خدا کرے اُن تینتیس ۳۳ جلدون کے ساتھ یا دو تین روز آگے پیچھے یہ سات جلدین آپ کی عنایتی بھی آئین۔ تا خاص وعام جابجا بھیجی جائین۔

میرا کلام میرے پاس کبھی کچھ نہین رہا۔ ضیاء الدین خان اور حسین مرزا جمع کر لیتے تھے۔ جو مینے کہا انہون نے لکھا لیا۔ اُن دونون کے گھر لٹ گئے۔ ہزارون روپے کے کتاب خانے برباد ہوئے۔ اب مین اپنے کلام کے دیکھنے کو ترستا ہون۔ کئی دن ہوے کہ ایک فقیر کہ وہ خوش آواز بھی ہے اور زمزمہ پرداز بھی ہے ایک غزل میری کہین سے لکھوا لایا۔ اُسنے وہ کاغذ جو مجکو دکھایا یقین سمجھنا کہ مجکو رونا آیا۔ غزل تمکو بھیجتا ہون۔ اور صلہ مین اسکے اس خط کا جواب چاہتا ہون۔

غزل

دردِ منت کش دوا نہ ہوا	۱	مین نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا
جمع کرتے ہو کیون رقیبون کو	۲	اک تماشا ہوا گِلا نہ ہوا
ہم کہان قسمت آزمانے جائین	۳	تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا
ہے خبر گرم اُنکے آنے کی	۴	آج ہی گھر مین بوریا نہ ہوا
کیا وہ نمرود کی خدائی تھی	۵	بندگی مین مرا بھلا نہ ہوا
جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی	۶	حق تو یون ہے کہ حق ادا نہ ہوا
زخم گر دب گیا لہو نہ تھما	۷	کام گر رک گیا روا نہ ہوا

رہزنی ہے کہ دلستانی ہے — لیکے دل دلستان روانہ ہوا
کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہین — آج غالب غزل سرا نہ ہوا

جواب کا طالب۔ غالب

۲

بندہ پرور۔ آپکا خط کل پہونچا۔ آج جواب لکھتا ہون۔ داد دینا کتنا شتاب لکھتا ہون۔ مطالب مندرجہ کے جواب کا بھی وقت آتا ہے۔ پہلے تم سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ برابر کئی خطون مین تمکو غم واندوہ کا شکوہ گزار پایا ہے۔ پس اگر کسی بے درد پر دل آیا ہے تو شکایت کی کیا گنجائش ہے۔ بلکہ یہ غم تو نصیبِ دوستان درخور افزایش ہے بقولِ غالب علیہ الرحمۃ۔ **بیت**

کسیکو دے کے دل کوئی نواسنجِ فغان کیون ہو ٭ نہو جب دل ہی پہلو مین تو پھر منہ مین زبان کیون ہو

ہے ہے حسن مطلع یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے۔ **مصرعہ**۔ میرا تو دوست جس کا دشمن اُسکا آسمان کیون ہو۔ افسوس ہے کہ اس غول کے اور اشعار یاد نہ آئے۔ اور اگر خدانخواستہ باشد غمِ دنیا ہے تو بھائی ہمارے ہمدرد ہو۔ ہم اس بوجھ کو مردانہ اٹھا رہے ہین۔ تم بھی اُٹھاؤ اگر مرد ہو۔ بقولِ غالبِ مرحوم۔ **شعر**

دلا یہ درد و الم بھی تو مغتنم ہے کہ آخر — نہ گریۂ سحری ہے نہ آہِ نیم شبی ہے

سحر ہوگی۔ خبر ہوگی۔ اس زمین مین وہ شعر یعنی **شعر**

تمہارے واسطے دل سے مکان کوئی نہین بہتر — جو آنکھون مین تمھین رکھون تو ڈرتا ہون نظر ہوگی

کتنا خوب ہے۔ اردو کا کیا اچھا اسلوب ہے۔ قصیدہ کا مشتاق ہون خدا کرے جلد چھاپا جائے تو ہمارے دیکھنے مین بھی آئے۔

کیا کہئے۔ بھلا کہئے۔ یہ زمین ایک بار یہان طرح ہوئی تھی۔ مگر بحر اور ہی تھی وہ غزل یہ ہے

غزل

کہون جو حال تو کہتے ہو مدعا کہیے — تمہین کہو کہ جو تم یون کہو تو کیا کہیے
نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ ہم ستمگر ہین — مجھے تو خوف ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہیے
ہمین ذریعۂ راحت جراحتِ پیکان — وہ زخم تیغ ہے جسکو کہ دلکشا کہیے
جو مدعی بنے اُسکے نہ مدعی بنیے — جو ناسزا کہے اُسکو نہ ناسزا کہیے
کہین حقیقت جانکاہی مرض لکھیے — کہین مصیبتِ ناسازیِ دوا کہیے
کبھی شکایتِ رنجِ گران نشین کیجیے — کہین حکایتِ صبرِ گریز پا کہیے
رہے نہ جان تو قاتل کو خون بہا دیجیے — کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہیے
نہین بہار کو فرصت نہو بہار تو پھر — طراوتِ چمن و خوبیِ ہوا کہیے
سفینہ جب کہ کنارے پہ آ لگا غالب — خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے

اور وہ جو فعلاتن فعلاتن فعلن یہ بحر ہے اسمین ایک قطعہ ہے کہ وہ مینے کلکتہ مین لکھا تھا۔ تقریب یہ ہے کہ مولوی کرم حسین صاحب ایک میرے دوست تھے اونھون نے ایک مجلس مین چکنی ڈلی بہت پاکیزہ اور بے ریشہ اپنے کفِ دست پر رکھ کر مجھسے کہا کہ اسکی کچھ تشبیہات نظم کیجیے۔ مینے وہان بیٹھے بیٹھے نو دس شعر کا قطعہ لکھکر اُنکو دیا اور صلہ مین وہ ڈلی اُنسے لی۔ وہ قطعہ لکھتا ہون۔

قطعہ

ہے جو صاحب کے کفِ دست پہ یہ چکنی ڈلی — زیب دیتا ہے اسے جسقدر اچھا کہیے
خامہ انگشت بدندان کہ اسے کیا لکھیے — ناطقہ سر بگریبان کہ اسے کیا کہیے
مُہرِ مکتوبِ عزیزانِ گرامی لکھیے — حرزِ بازوئے شہ گرفتان خوارا کہیے
مسی مالیدہ سر انگشتِ حسینان لکھیے — داغِ طرفِ جگرِ عاشقِ شیدا کہیے
خاتمِ دستِ سلیمان کے مشابہ لکھیے — سرِ بستانِ پریزاد سے مانا کہیے
اخترِ سوختۂ قیس سے نسبت دیجیے — خالِ مشکینِ رُخِ دلکشِ لیلا کہیے

حجر الاسود و دیوارِ حرم کیجئے فرض | نافہ آہوے بیابانِ ختن کا کہئے
وضع مین اُسکو اگر سمجھئے قافِ تریاق | رنگ مین سبزۂ نوخیز مسیحا کہئے
کیون اسے قفلِ درِ گنجِ محبت لکھئے | کیون اسے مردمکِ دیدۂ عنقا کہئے
کیون اسے تکمۂ پیراہنِ لیلا لکھئے | کیون اسے نقشِ پئے ناقۂ سلما کہئے
بندہ پرور کے کفِ دست کو دل کیجئے فرض | اور اس چکنی سُپاری کو سویدا کہئے

آپکے خط کے جواب نے انجام پایا۔ اب میرا دردِ دل سُنو۔ برخوردار منشی شیو نراین نے میرے دو خطون کا جواب نہین لکھا اور وہ خطوط جواب طلب تھے۔ تم اُنکو میری دعا کہو اور کہو میان میرا کلام بند ہے۔ اُس مطلبِ خاص کا جواب جلد لکھو یعنی اگر وہ کتاب بن چکی ہے تو جلد بھیجو۔ اور اگر اُسکے بھیجنے مین دیر ہے تو یہ لکھ بھیجو کہ وہ سیاہ قلم کی لوح کی ہے یا طلائی فقط

جواب کا طالب۔ غالب

۳

بہت سہے غمِ گیتی شراب کم کیا ہے | غلامِ ساقیِ کوثر ہون مجکو غم کیا ہے
سخن مین خامۂ غالب کی آتش افشانی | یقین ہے ہمکو بھی لیکن اب اُسمین دم کیا ہے

علاقۂ محبتِ ازلی کو حق مان کر اور حقوقِ غلامیِ جناب مرتضیٰ علی کو سچ جان کر ایک بات اور کہتا ہون۔ کہ بینائی اگرچہ سب کو عزیز ہے مگر شنوائی بھی تو آخر ایک چیز ہے۔ مانا کہ روشناسی اُسکے اجارے مین آئی ہے۔ یہ بھی دلیلِ آشنائی ہے۔ کیا فرض ہے کہ جب تک دیدہ وا دیدہ نہ ہو لے اپنے کو بیگانۂ یکدگر سمجھین۔ سلام کے جواب مین خط بہت بڑا احسان ہے۔ خدا کرے وہ خط جس مین مین نے آپکو سلام لکھا تھا آپکی نظر سے گذر گیا ہو۔ احیاناً اگر نہ دیکھا ہو تو اب مرزا تفتہ سے لیکر پڑھ لیجئے گا۔ اور خط کے لکھنے کے احسان کو اُس خط کے پڑھ لینے سے دوبالا کیجئے گا۔ ہاے **میجر جان جاکوب** کیا جوان مارا گیا ہے۔ سچ اُسکا یہ شیوہ تھا کہ اُردو کی

فکر کو مانع آتا۔ اور فارسی زبان مین شعر کہنے کی رغبت دلواتا۔ بندہ یہ بھی اُنہین مین سے ہے کہ جن کا مین ماتمی ہون۔ ہزارہا دوست مرگئے۔ کس کو یاد کرون اور کس سے فریاد کرون جیون تو کوئی غمخوار نہین اور مرون تو کوئی عزادار نہین۔

غزلین آپکی دیکھین۔ سبحان اللہ چشم بد دور۔ اُردو کی راہ کے تو سالک ہو۔ گویا اس زبان کے مالک ہو۔ فارسی سے بھی یہ خوبی مین کم نہین۔ مشق شرط ہے۔ اگر کہے جاؤگے لطف پاؤگے۔ میرا تو بقولِ طالب آملی اب یہ حال ہے **بیت**

لب از گفتن چنان کشتم کہ گوئی دہن بر چہرہ زخمی بود و بہ شد

جب آپنے بغیر خط کے بھیجے مجکو لکھا ہو تو کیونکر مجکو اپنے خط کے جواب کی نہ تمنا ہو۔ پہلے تو اپنا حال لکھئے کہ مینے سُنا تھا آپ کہین کے صدر مین ہین۔ پھر آپ اکبر آباد مین کیون خانہ نشین ہین۔ اس ہنگامہ مین آپکی صحبت حکام سے کیسی رہی فقط

جواب کا طالب غالب

مولوی عبدالرزاق صاحب شاکر کے نام

قبلہ۔ پہلے معنی ابیاتِ بے معنی سنئے۔ **شعر**

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

ایران مین رسم ہے کہ داد خواہ کاغذ کے کپڑے پہنکر حاکم کے سامنے جاتا ہے۔ جیسے مشعل دن کو جلانا۔ یا خون آلودہ کپڑا بانس پر لٹکا کر لیجانا۔ پس شاعر خیال کرتا ہے کہ نقش کس کی شوخیِ تحریر کا فریادی ہے۔ کہ جو صورتِ تصویر ہے اُس کا پیرہن کاغذی ہے۔ یعنی ہستی اگرچہ مثل تقدیر اعتبارِ محض ہو موجبِ رنج و ملال و آزار ہے۔ دوسرا شعر

شوق ہر رنگِ رقیبِ سر و سامان نکلا قیس تصویر کے پردے مین بھی عریان نکلا

رقیب بمعنی مخالف۔ یعنی شوق سر و سامان کا دشمن ہے۔ دلیل یہ ہے کہ قیس

جو زندگی مین ننگا پڑا پھرتا تھا تصویر کے پردے مین بھی ننگا ہی رہا۔ لطف یہ ہے کہ مجنون کی تصویر بانتن عریان ہی کھینچتی ہے جہان کھینچتی ہے۔

زخم نے داد نہ دی تنگیِ دل کی یارب　　تیر بھی سینۂ بسمل سے پرافشان نکلا

یہ ایک بات مین نے اپنے طبیعت سے نئی نکالی ہے۔ جیسا کہ اس شعر مین شعر

نہین ذریعۂ راحت جراحت پیکان　　وہ زخم تیغ ہے جسکو کہ دلکشا کہئے

یعنی زخم تیر کی توہین بسبب ایک رخنہ ہونے کے۔ اور تلوار کے زخم کی تحسین بسبب ایک طاق سا کھل جانے کے زخم نے داد نہ دی تنگی دل کی کیا داد دیتا۔ وہ تو خود ضیق مقام سے گھبرا کر پرفشان اور سراسیمہ نکل گیا۔

نامۂ غالب کا مکتوب الیہ رحیم بیگ نامی میرٹھ کا رہنے والا ہے۔ دس برس سے اندھا ہو گیا ہے۔ کتاب پڑھ نہین سکتا۔ سن لیتا ہے۔ عبارت لکھ نہین سکتا۔ لکھوا دیتا ہے۔ بلکہ اسکے ہموطن ایسا کہتے ہین کہ وہ قوتِ علمی ہی نہین رکھتا۔ اورون سے مدد لیتا ہے۔ اہل دہلی کہتے ہین کہ مولوی امام بخش صہبائی سے اسکو تلمذ نہین ہے۔ اپنا اعتبار بڑھانے کو اپنے کو انکا شاگرد بتاتا ہے۔ مین کہتا ہون کہ وائے اس پیچ و پوچ پر جسکو صہبائی کا تلمذ موجب عزو وقار ہو۔ رسالہ اسکا قاطع برہان دہلی پہونچکر ڈھونڈونگا۔ اگر مل گیا تو خدمت مین پہونچیگا۔ جناب مستطاب میر قاسم علی خان صاحب صادق القول ہین۔ میرے گھر آئے ہونگے دروازہ بند پایا ہوگا۔ مگر ایک خدشہ ہے کہ حضرت مین اور میرے بھائی مرزا علی بخش خان مین بہت ربط و اتحاد تھا۔ اور وہ مرحوم خدا بیش بیا مرزا و کذب و گزاف مین ضرب المثل تھا۔ اس تصور سے اگر اس جملے کے سچ جاننے مین تامل کرون تو میرا تامل بیجا نہ ہوگا بہرحال میرا سلام کہیگا۔ والسلام

منشی ہرگوپال تفتہ کے نام

رکھیو غالب مجھے اس درد نوائی مین معاف　　آج کچھ درد مرے دل مین سوا اٹھتا ہے

بندہ پرور تمکو پہلے یہ لکھا جاتا ہے کہ میرے دوستِ قدیم میر کرم حسین صاحب کی خدمت مین میرا سلام کہنا۔ اور یہ کہنا کہ ابتک جیتا ہون۔ اور اس سے زیادہ میرا حال مجکو بھی معلوم نہین۔ مرزا حاتم علی مہر کی جناب میں میرا سلام کہنا۔ اور یہ میرا شعر میری زبان سے پڑھ دینا۔

شعر

شرط اسلام بود ورزش ایمان بالغیب　　اے تو غائب ز نظر مہر تو ایمانِ من است

تمہارے پہلے خط کا جواب بھیج چکا تھا کہ اسکے دو دن یا تین دن کے بعد دوسرا خط پہونچا۔ صاحب جس شخص کو جس شغل کا ذوق ہو اور وہ اُسمین بے تکلف عمر بسر کرے۔ اُسکا نام عیش ہے۔ تمہاری توجہ مقرط بطرف شعر و سخن کے تمہاری شرافتِ نفس اور حسنِ طبع کی دلیل ہے۔ اور بھائی یہ جو تمہاری سخن گستری ہے اسکی شہرت مین میری بھی تو نام آوری ہے۔ میرا حال اس فن مین اب یہ ہے کہ شعر کہنے کی روش اور اگلے کہے ہوے اشعار سب بھول گیا۔ مگر ہان اپنے ہندی کلام مین سے ڈیڑھ شعر یعنی ایک مقطع اور ایک مصرع یاد رہ گیا ہے۔ سو گاہ گاہ جب دل الٹنے لگتا ہے تب دس پانچ بار یہ مقطع زبان پر آجاتا ہے **شعر**

زندگی اپنی اسی ڈھب سے جو گذری غالب　　ہم بھی کیا یاد کرینگے کہ خدا رکھتے تھے

پھر جب بہت گھبراتا ہون اور تنگ آتا ہون تو یہ مصرع بڑھ کر چپ ہو جاتا ہون۔ **مصرعہ** ۔ اے مرگِ ناگہان تجھے کیا انتظار ہے ۔ یہ کوئی نہ سمجھے کہ مین اپنی بے رونقی اور تباہی کے غم مین مرتا ہون۔ جو دکھ مجکو ہے اُسکا بیان تو معلوم مگر اُس بیان کی طرف اشارہ کرتا ہون۔ انگریزون کی قوم مین سے جوان سیاہ رو کالون کے ہاتھ سے قتل ہوے اُس مین کوئی میرا امیدگاہ تھا۔ اور کوئی میرا شفیق تھا اور کوئی میرا دوست اور کوئی میرا یار اور کوئی میرا شاگرد۔ ہندوستانیون مین کچھ عزیز کچھ دوست کچھ شاگرد کچھ معشوق۔ سو وہ سب کے سب خاک مین مل گئے۔ ایک عزیز کا ماتم کتنا سخت ہوتا ہے جو اتنے عزیزون کا ماتم دار ہو اُسکا زیست کیونکر نہ دشوار ہو۔ ہائے اتنے یار مرے

کہ جواب مین مرونگا تو میرا کوئی رونے والا بھی نہ ہوگا۔ فقط۔

میر مہدی کے بھائی میر سرفراز حسین کے نام

نور چشم راحت جان میر سرفراز حسین جیتے رہو اور خوش رہو۔ تمہارے دستخطی خط نے میرے ساتھ وہ کیا جو بوڑھے پیرہن یوسف نے یعقوبؑ کے ساتھ کیا تھا۔ میان یہ ہم تم بوڑھے ہین یا جوان ہین۔ توانا ہین یا ناتوان ہین بڑے بیش قیمت ہین یعنی بہر حال غنیمت ہین۔ کوئی جلا بہنا کہتا ہے۔ **شعر**

یادگارِ زمانہ ہین ہم لوگ　　یاد رکھنا فسانہ ہین ہم لوگ

وہی بالاخانہ ہے اور وہی مین ہون۔ سیڑھیون پر نظر ہے کہ وہ میر مہدی آئے وہ میر سرفراز حسین آئے۔ وہ یوسف مرزا آئے۔ وہ میرن آئے۔ وہ یوسف علی خان آئے۔ مرے ہوؤن کا نام نہین لیتا۔ بچھڑے ہوؤن مین سے کچھ گئے ہین۔ اللہ اللہ اللہ ہزارون کا مین ماتم دار ہون۔ مین مرون گا تو مجکو کون روئے گا۔ سنو غالب رونا پیٹنا کیا کچھ اختلاط کی باتین کرو۔ کہو میر سرفراز حسین سے کہ یہ خط میرا مہدی کو پڑھواؤ۔ اور میرن صاحب کو بلاؤ۔ کل شام کو یا پرسون شام کو میر اشرف علی صاحب میرے پاس آئے تھے۔ کہتے تھے کہ کل یا پرسون پانی پت کو جاؤنگا۔ مین نے اُنکی زبانی کچھ پیام میرن صاحب کو بھیجا ہے اگر بھول نہ جائین گے پہونچائین گے۔ خلاصہ اُسکا یہ ہے کہ صاحب اپن نہین ہے نہ ہو۔ غلام اشرف نہین ہے نہ ہو۔ اگر منظور کیجئے تو مین صوفی ہون ہمہ اوست کا دم بھرتا ہون بموجب مصرع کے **مصرعہ**۔ دل بدست آرد کہ حج اکبر است ۔ تم سے کب انکار کرتا ہون۔ اگر مرزا گوہر کی جگہ مانو تو خوش اگر غلام اشرف جانو تو راضی۔ رات کو اپنے گھر مین باتین بناؤ دن کو مجھسے جی بہلاؤ۔ قصہ مختصر کرو اور جلد کرو۔ سید انور کا جو حال لکھتے ہو وہ سچ ہے۔ راجپوت ایسا ہی کچھ کرتے ہین۔ مگر مہاراجہ مسلمانون کا دم بھرتے ہین فقط

خواجہ غلام غوث بیخبر کے نام

قبلہ۔ کبھی آپکو یہ بھی خیال آتا ہے کہ کوئی ہمارا دوست جو غالب کہلاتا ہے وہ کیا کھاتا پیتا ہے اور کیونکر جیتا ہے پنشن قدیم اکیس مہینہ سے بند اور مین سادہ دل فتوح جدید کا آرزومند۔ اُس پنشن کا احاطہ پنجاب کے حکام پر مدار ہے تو انکا یہ شیوہ اور یہ شعار ہے کہ نہ روپے دیتے ہین نہ جواب۔ نہ مہربانی کرتے ہین نہ عتاب۔ خیر اُس سے قطع نظر کی اب سنئے ادہر کی۔ ۱۸۵۶ء سے بموجب تحریر وزیر عطیہ شاہی کا امیدوار ہون تقاضا کرتے ہوے شرماؤن اگر گنہگار ہون۔ گنہگار ٹھہرتا تو گولی یا پھانسی سے مرتا۔ اس بات پر کہ مین بے گناہ ہون مقید اور مقتول نہونے سے آپ اپنا گواہ ہون۔ پیشگاہ گورنمنٹ کلکتہ مین جب کوئی کاغذ بھیجوایا بقلم چیف سکتر بہادر اُسکا جواب پایا ہے۔ ابکی بار دو کتابین بھیجین ایک پیشکش گورنمنٹ اور ایک نذر شاہی ہے۔ نہ اُسکے قبول کی اطلاع نہ اُسکے ارسال سے آگاہی ہے۔ جناب سر ولیم میور صاحب بہادر نے بھی عنایت نہ فرمائی۔ اُنکی بھی کوئی تحریر محبوبہ نہ آئی۔ یہ سب ایک طرف اب خبرین ہین مختلف۔ کہتے ہین کہ چیف سکتر بہادر لفٹنٹ گورنر ہوے یہ کوئی نہین کہتا کہ اونکی جگہ کون سے صاحب عالی شان چیف سکتر ہوے۔ مشہور ہے کہ جناب ولیم میور صاحب صدر بورڈ مین تشریف لے گئے۔ یہ کوئی نہین بتاتا کہ لفٹنٹ گورنری کی سکریٹری کا کام کس کو دے گئے۔ آپکا حال کوئی نہین کہتا کہ آپ کہان ہین۔ ہان از روے قیاس جانتا ہون کہ آپ اُسی منصب اور اُسی دفتر مین شاد وشادمان ہین جواب لفٹنٹی کے سکریٹری ہوے ہونگے اُنسے علاقہ رہتا ہوگا۔ میور صاحب بہادر سے کاہے کو ملنا ہوتا ہوگا۔ لفٹنٹ گورنری اور صدر بورڈ یہ دونون محکمے الہ آباد آگئے یا آئین گے۔ بہرحال آپ اب کیون آگرہ کو جائین گے۔ نواب گورنر جنرل بہادر کی روانگی کی بھی خبر مین اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ ۲۰ جنوری کو گئے۔ کوئی کہتا ہے فروری مین

کوچ فرمائین گے۔ مین تو اُدھر سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ ہر طرح اپنی قسمت کو رو بیٹھا۔ مگر یہ چاہتا ہون کہ حقیقت واقعی پر کماحقہٗ اطلاع حاصل ہو تاکہ تسلی خاطر اور تسکین دل ہو۔ اگر ان مطالب کا جواب نہ مجمل بلکہ مفصل۔ نہ دیر بلکہ جلد مرحمت کیجیے گا تو گویا مجکو مول لے لیجیگا۔ زیادہ اس سے کیا لکھون۔ فقط

۲

پایان شب سیہ سپید است در نومیدی بسے اُمید است

قبلہ۔ آج آپکی خوشی و خوشنودی کے واسطے اپنی روداد لکھتا ہون۔ سنہ ۱۸۶۰ء مین لارڈ صاحب بہادر نے میرٹھ مین دربار کیا۔ صاحب کمشنر بہادر دہلی اہالی دہلی کو ساتھ لے گئے۔ مین نے کہا کہ مین بھی چلون فرمایا کہ نہین جب لشکر میرٹھ سے دلی آیا۔ مین موافق اپنے دستور کے روز ورود لشکر مخیم مین گیا۔ میر منشی صاحب سے ملا۔ اُنکے خیمہ مین سے اپنے نام کا ٹکٹ صاحب سکرٹر بہادر کے پاس بھیجا جواب آیا کہ تم غدر کے دنون مین بادشاہ باغی کی خوشامد کیا کرتے تھے اب گورنمنٹ کو تم سے ملنا منظور نہین۔ مین گدائے میرم اس حکم پر ممنوع نہ ہوا۔ جب لارڈ صاحب بہادر کلکتہ پہونچے مین نے قصیدہ حسب معمول قدیم بھیجدیا۔ مع اس حکم کے واپس آیا کہ اب یہ چیزین ہمارے پاس نہ بھیجا کرو۔ مین مایوس مطلق ہوکر بیٹھ رہا۔ اور حکام شہر سے ملنا ترک کیا۔ اواخر ماہ گذشتہ یعنی فروری ۱۸۶۴ء مین نواب لفٹنٹ گورنر پنجاب دلی آئے۔ اہالی شہر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر و صاحب کمشنر بہادر کے پاس دوڑے اور اپنے نام لکھوائے۔ مین تو بیگانہ محض اور مطرود حکام تنہا جگہ سے نہ ہلا۔ کسی سے نہ ملا۔ دربار ہوا۔ برابکیا کا مگار ہوا۔ شنبہ ۸۔ فروری کو آزادانہ منشی من پھول سنگھ صاحب کے خیمہ مین چلا گیا۔ اپنے نام کا ٹکٹ صاحب سکرٹری بہادر پاس بھیجا۔ بلا لیا۔ مہربان پاکر نواب صاحب کی ملازمت کی استدعا کی وہ بھی حاصل

ہوئی - دو حاکم جلیل القدر کی وہ عنایتین دیکھین جو میرے تصور مین بھی نہ تھین - جملہ معترضہ - میر منشی لفٹنٹ گورنری سے سابقہ معرفت نہ تھا - وہ بطریق حسن طلب میرے خواہان ہوئے تو مین گیا - جب حکام بمجرد استدعا مجھسے بے تکلف ملے تو مین قیاس کر سکتا ہون کہ میر منشی کی طرف سے حسن خلق بایماے حکام ہوگا - بقیہ روداد یہ ہے کہ دوشنبہ مارچ کو سواد شہر مخیم خیام گورنری ہوا آخر روز مین اپنے شفیق قدیم جناب مولوی اظہار حسین خان صاحب بہادر کے پاس گیا - اثناے گفتگو مین فرمایا کہ تمہارا دربار اور خلعت بدستور بحال و برقرار ہے - مینے پوچھا کہ حضرت یہ امر کس اصل پر متفرع ہوا - فرمایا کہ ہمکو کچھ معلوم نہین - بس اتنا جانتے ہین کہ یہ حکم دفتر مین لکھوا کر ۱۴ دن یا ۱۵ دن ادھر کو روانہ ہوے ہین - مین نے کہا سبحان اللہ -

شعر

کارساز ما بفکر کار ما　　فکر ما در کار ما آزار ما

سہ شنبہ ۳ - مارچ کو ۱۲ بجے نواب لفٹنٹ گورنر بہادر نے مجکو بلایا خلعت عطا کیا اور فرمایا کہ لارڈ صاحب بہادر کے یہان کا دربار اور خلعت بھی بحال ہے - انہا لے جاؤگے تو دربار اور خلعت پاؤگے - عرض کیا گیا - کہ حضور کے قدم دیکھے خلعت پایا لارڈ صاحب بہادر کا حکم سن لیا مین نہال ہوگیا - اب یہان سے کہان جاؤن - جیتا رہا تو اور دربار مین کامیاب ہو رہونگا -

شعر

کار دنیا کسے تمام نہ کرد　　ہر چہ گیرید مختصر گیرید

بنام یوسف مرزا

کوئی ہے ذرا یوسف مرزا کو بلائیو - لو صاحب وہ آئے - میان مین نے خط کل تمکو بھیجا ہے مگر تمہارے ایک سوال کا جواب رہ گیا ہے اب سن لو تفضل حسین خان اپنے مامون موئید الدین خان پاس میرٹھ ہے شاید دلی آیا ہو مگر میرے پاس نہین آیا والد اون کے غلام علی خان اکبر آباد مین ہین مکتب داری کرتے ہین لڑکے پڑھاتے ہین روٹی کھاتے ہین تم لکھتے ہو کہ پچاس محل واجد علی شاہ کے کلکتے گئے تمہارے مامون محمد قلی خان کے خط مین لکھتے ہین کہ شاہ اودہ بنارس گئے اس خبر کو اوس خبر کے ساتھ منافات نہین ہے ادھر سے آپ بنارس کو چلے ہون اُدھر سے بیگمات کو وہان بلایا ہو مگر میری جان ہمکو کیا ؎ - عالم پس مرگ ماچہ دریا چہ سراب ؛

یوسف مرزا کیونکر تجکو لکھون کہ تیرا باپ مرگیا اور اگر لکھون تو پھر آگے کیا لکھون کہ اب کیا کرو مگر صبر یہ ایک شیوۂ فرسودہ ابنائے روزگار کا ہے تعزیت یون ہی کیا کرتے ہین اور یہی کہا کرتے ہین کہ صبر کرو ہائے ایک کا کلیجہ کٹ گیا ہے اور لوگ اُسے کہتے ہین کہ تو نہ تڑپ بھلا کیونکر نہ تڑپے گا صلاح اس امر مین نہین بتائی جاتی دعا کو دخل نہین دوا کا لگاؤ نہین پہلے بیٹا مرا پھر باپ مرا مجھسے اگر کوئی پوچھے کہ بے سروپا کس کو کہتے ہین تو مین کھونگا کہ یوسف مرزا کو تمہاری دادی لکھتی ہین کہ رہائی کا حکم ہو چکا تھا یہ بات سچ ہے اگر سچ ہے تو جوان مرد ایک بار دونون قیدون سے چھوٹ گیا نہ قید حیات رہی نہ قید فرنگ ۔

نواب میر غلام بابا خان

جناب نواب صاحب - مین آپکے اخلاق کا شاکر اور آپکے یادآوری کا ممنون

اور آپ کے دوام دولت کا دعاگو ہون اگر بوڑھا اور اپاہج نہ ہوتا تو ریل کی سواری مین مقرر آپ تک پہونچتا اور آپکے دیدار سے مسرت اندوز ہوتا آپ میرے شفیق اور میرے محسن ہین خدا آپکو ہمیشہ سلامت باکرامت رکھے خط کے دیر دیر لکھنے کا سبب ضعف و نقاہت ہے اگر میرے اوقات شبار روزی اور میرے حالات آپ دیکھین تو تعجب کرینگے کہ یہ شخص جیتا کیون ہے صبح سے شام تک پلنگ پر پڑا رہنا اور پہر دم بدم پیشاب کو اوٹھنا اون مجموع مصائب مین سے ایک ادنی مصیبت یہ ہے۔ ۱۲۸۳ھ ہجری شروع ہوئی ۱۲۱۲ھ کی ولادت ہے اب کی رجب کے مہینہ سے ستروان سال شروع ہوگا ستر اہتر اہبرا بوڑھا اپاہج آدمی ہون جو عنایت تم میرے حال پر فرماتے ہو صرف تمہاری خوبی ہے مین کسی لائق نہین نجات کا طالب۔ غالب۔ چہارشنبہ ۱۳۔ مئی ۱۸۶۷ء

بنام منشی حبیب اللہ خان ذکا

صبح جمعہ دہم شوال ۱۲۸۳ھ ۱۵۔ فروری ۱۸۶۷ء بھائی مین نہین جانتا کہ تمکو مجھسے اتنی ارادت اور مجکو تم سے اتنی محبت کیون ہے ظاہراً معاملہ عالم ارواح ہے اسباب ظاہری کو اسمین دخل نہین تمہارے خط کا جواب مع اوراق مسودہ روانہ ہو چکا ہے وقت پر پہونچے گا ستر اہتر اردو مین ترجمہ پیر خرف ہے میری تہتر برس کی عمر ہے پس مین اخرف ہون حافظہ گویا کبھی تہا ہی نہین سامعہ باطل بہت دن سے تہا وہ بھی رفتہ رفتہ حافظہ کی مانند معدوم ہوگیا اب مہینہ بہر سے یہ حال ہے کہ جو دوست آتے ہین رسمی پرسش مزاج سے بڑھ کر جو بات ہوتی ہے کاغذ پر لکھ دیتے ہین غذا مفقود ہے صبحکو قند اور بادام مقشر دوپہر کو گوشت کا پانی سر شام تلے ہوے چار کباب سوتے وقت پانچ روپیہ بہر شراب اور اسی قدر گلاب۔ خرف ہون پوچ ہون۔ عاصی ہون۔ فاسق ہون۔ روسیاہ ہون یہ شعر میر تقی کا حسب حال ہے۔ **شعر**

مشہور ہین عالم مین مگر ہون بھی کہین ہم القصہ نہ درپے ہون ہمارے کہ نہین ہم

آج اسوقت کچھہ افاقت تھی ایک اور خط ضروری لکھنا تھا بکس کھولا تو تمہارا خط نظر پڑا مکرر پڑھنے سے معلوم ہوا کہ بعض مطالب کے جواب لکھے نہین گئے ناچار اب کتابت جداگانہ مین لکھتا ہون تاکہ خلعت کا حال اور میرے اور حالات تمکو معلوم ہو جائین کہ مین قوم کا ترک سلجوقی ہون دادا میرا امادر ارہر سے شاہ عالم کے وقت مین ہندوستان مین آیا سلطنت ضعیف ہوگئی تھی صرف پچاس گھوڑے نقارہ نشان سے شاہ عالم کا نوکر ہوا ایک پرگنہ سیر حاصل ذات کی تنخواہ اور سیاسے کی تنخواہ مین پایا بعد انتقال اوسکے جو طوائف الملوک کا ہنگامہ گرم تھا وہ علاقہ نہ پایا باپ میرا عبداللہ خان بہادر لکھنو جاکر نواب آصف الدولہ کا نوکر رہا بعد چند روز حیدرآباد جاکر نواب نظام علی خان کا نوکر ہوا تین سو سوار کی جمعیت سے ملازم رہا کئی برس وہان رہا وہ نوکری ایک خانہ جنگی کے بکھیڑے مین جاتی رہی والد نے گھبرا کر الور کا قصد کیا اور راجہ بختاور سنگھ کا نوکر ہوا وہان کسی لڑائی مین مارا گیا نصراللہ خان بیگ بہادر میرا چچا حقیقی مرہٹون کی طرف سے اکبرآباد کا صوبہ دار تھا اسنے مجھے پالا ۱۸۰۸ء مین جب جنرل لیک صاحب کامل ہوا صوبہ داری کمشنری ہوگئی اور صاحب کمشنر ایک انگریز مقرر ہوا میرے چچا کو جنرل لیک صاحب نے سوارونکی بھرتی کا حکم دیا چار سو سوارون کا برگیڈیر ہوا ایک ہزار سات سو روپیہ ذات کا اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ سال کی جاگیر حین حیات علاوہ سال بھر مرزبانی کے تھی کہ بمرگ ناگہانی مرگیا رسالہ برطرف ہوگیا ملک کی عوض نقدی مقرر ہوگئی وہ اب تک پاتا ہون پانچ برس کا تھا جو باپ مرگیا آٹھ برس کا تھا جو چچا مرگیا۔ ۱۸۳۰ء مین کلکتے گیا نواب گورنر جنرل سے ملنے کی درخواست کی دفتر دکھایا گیا میری ریاست کا حال معلوم کیا گیا ملازمت ہوئی سات پارچے اور جیغہ سرپیچ مالائے مروارید یہ تین رقم خلعت ملازمان بعد جب دلی مین دربار ہوا مجکو بھی خلعت ملتا رہا بعد غدر بجرم مصاحبت بہادر شاہ دربار و مصاحبت دونون بند ہوگئے میری بریت کی درخواست گزری تحقیقات

ہوتی رہی تین برس کے بعد پنڈ چھٹا اب خلعت معمولی ملا غرض کہ خلعت ریاست کا ہے
عوض خدمت نہین انعامی نہین معوج الذہن نہین ہون غلط فہم نہین ہون بدگمان
نہین ہون جو جسکو سمجھ لیا اُسمین فرق نہین آتا دوست سے راز نہین چھپاتا کسی صاحب
نے حیدرآباد سے گمنام خط ڈاک مین بھیجا بند بُری طرح کیا تھا کھولنے مین سطر کٹ گئی
بارے مطلب ہاتھ سے نہین جاتا رہا بھیجنے والے کی غرض یہ تھی کہ مجکو تم سے رنج و ملال
ہو قدرت خدا کی کہ میری محبت اور بڑھ گئی اور مین نے جانا کہ تم مجھے دل سے چاہتے ہو وہ
خط بجنسہ تمہارے پاس اس خط مین ملفوف کرکے بھیجتا ہون رہنا رد تسخط کو پہچان کر کاتب
سے جھگڑا نہ کرنا مدعا اس خط کے بھیجنے سے یہ ہی کہ تمہاری ترقی منصب اور افزونی مشاہرہ
اس خط سے مجھے معلوم ہوئی تھی فقط

نواب انوار الدولہ عدالدین خان بہادر شفق کے نام

کیونکر کہون مین دیوانہ نہین ہون۔ ہان اتنے ہوش باقی ہین کہ اپنے کو دیوانہ سمجھتا
ہون۔ یہ کیا ہوشمندی ہے کہ قبلہ دار باب ہوش کو خط لکھتا ہون نہ القاب نہ آداب نہ بندگی
نہ تسلیم۔ سُن غالب ہم تجھے کہتے ہین۔ بہت مصاحب نہ بن۔ ایاز قدر خود بشناس۔ مانا کہ
تو نے کئی برس کے بعد رات کو دو لونڈیون کی غزل لکھی ہے اور آپ اپنے کلام پر وجد
کرتا ہے مگر یہ تحریر کی کیا روش ہے۔ پہلے القاب لکھ پھر بندگی عرض کر پھر ہاتھ جوڑ کر مزاج
کی خبر پوچھ پھر عنایت نامے کے آنے کا شکر ادا کر اور یہ کہہ کہ جو مین تصور کر رہا تھا وہ ہوا۔ یعنی
جس دن صبحکو مین نے خط بھیجا اُسی دن آخر روز حضور کا فرمان پہونچا معلوم ہوا کہ حرارت
ہنوز باقی ہے انشاء اللہ تعالے رفع ہو جائیگی۔ موسم اچھا آگیا ہے۔ اگر صرف تبرید تعدیل
سے کام نکل جائے تو کیا کہنا۔ ورنہ بحسب رائے طبیب تنقیہ کرلیجئے۔ مجکو بھی آج دسواں
منضج ہے۔ پانچ سات دن کے بعد مسہل ہوگا۔ شب کو ناگاہ ایک زمین نئی خیال مین آئی

طبیعت نے زاد دی غزل تمام کی - اُسی وقت سے یہ خیال مین تہا کہ کب صبح ہو اور کب یہ غزل نواب صاحب کو بہیجون - خدا کرے آپ پسند کرین - اور میرے قبلہ جناب میر امجد علیصاحب کو سنا دین اور میرے شفیق منشی نادر حسین خانصاحب اور اُنکے بھائی صاحب اسکو پڑہین پروردگار اس مجمع کو سلامت رکھے فقط

پیرو مرشد - شب رفتہ کو مینہ خوب برسا - ہوا مین فرط برودت سے گزند پیدا ہو گیا - اب صبح کا وقت ہے - ہوا ٹہنڈی بے گزند چل رہی ہے - ابر تنک محیط ہے - آفتاب نکلا ہے - پر نظر نہین آتا ہے -

شمس العلماء مولانا خواجہ الطاف حسین حالی

پیدایش پانی پت ۱۸۳۷ء — وفات پانی پت ۱۹۱۴ء

آپ پانی پت ضلع کرنال کے ایک معزز خاندان سے ہین - آپ کے بزرگ ہرات سے آئے اور پانی پت اور اُسکے ملحقات مدد معاش کے طور پر شاہی انعام مین اُنکو ملے ۱۸۳۷ء کے قریب آپ وہین پیدا ہوے - میر ممنون دہلوی کے بہتیجے سید جعفر علی سے آپنے فارسی پڑہی جو اُس زمانہ کے اعلیٰ فارسی دانون مین تہے - اور حاجی محمد ابراہیم حسین انصاری سے عربی کی تعلیم پائی - ۱۷ سال کی عمر سے آپ اکثر دہلی مین رہے - منطق - فلسفہ وغیرہ کی وہین تکمیل کی عنفوان شباب ہی مین نواب مصطفےٰ خان شیفتہ رئیس جہانگیر آباد کے صاحبزادون کی تعلیم آپ کے سپرد ہوئی - اُس زمانے مین جو کچھ کہا نواب صاحب سے اُسمین اصلاح لی - اس تعلق سے آپکو آزردہ - نیر - رخشان - غالب کے خدمات مین باریابی کے اکثر موقعے ملتے رہے - کچھ عرصے کے بعد آپ غالب مرحوم کے حلقہ تلمذ مین داخل ہوے - غالب نے آپکی طبیعت کا اندازہ کر کے کہا کہ اگر تم شعر نہ کہوگے تو ظلم کروگے - مرزا غالب کی وفات پر آپنے - اور مرزا قربان علی بیگ سالک - اور میر مہدی حسین مجروح نے مرثیے لکھے - مگر جو مقبولیت آپ کے مرثیے کو حاصل ہوئی وہ کسی کو نصیب نہین ہوئی -

ابتدا مین آپکی شاعری کا بھی وہی ایشیائی شاعری کا رنگ تہا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد جب آپکو پنجاب بک ڈپو لاہور مین کتابون کی عبارت زمانہ حال کے مطابق درست کرنے کی خدمت ملی اُسوقت مغربی لٹریچر پر غور کرنے کا آپکو بہت اچھا موقع ملا اُسیوقت اس راستہ کو یک قلم ترک کرکے طرز جدید اختیار کیا۔ کرنل ہالرائڈ صاحب نے لاہور مین ایک مجلس مشاعرہ قائم کی تہی اسمین بجائے مصرع طرح کے خاص عنوان پر شعرا کو طبع آزمائی کا موقع دیا جاتا تہا۔ مولانا نے بہی اس گلشن مین جدت طرازی کے نغمے سُنائے چنانچہ نشاط امید۔ مناظرہ رحم و انصاف۔ حب وطن۔ برکہارت وغیرہ اسی بزم کی یادگار ہین۔

بک ڈپو سے تعلق کے ۴ سال بعد آپ انگلو عربک اسکول دہلی کے مدرس ہوے۔ اسی زمانہ مین سر آسمان جاہ کالج دیکہنے کے لیے علی گڈھ آئے۔ مولانا یہی موجود تہے اُنکی باریابی ہوئی۔ اور ۷۵ روپیہ ماہوار علمی وظیفہ مقرر ہوگیا ۱۸۸۹ء مین جب آپ علی گڈھ ڈپوٹیشن کے ساتھ حیدرآباد گئے اُسوقت نواب سر آسمان جاہ بہادر مدار المہام تہے۔ وہان آپنے کئی نظمین پڑہین اُسوقت وظیفہ مین اضافہ ہوکر سو روپیہ ماہوار ملنے لگے۔ اسکے بعد ہی آپ بار ملازمت سے سبکدوش ہوگئے۔

مولانا اپنے طرز کے موجد اور نیچرل اور قومی شاعری کے مجدد۔ اور ہندوستان کے معجز بیان سعدی ہین۔ آپکا کلام صاف۔ دل آویز۔ قومی اصلاح سے بہرا ہوا ہوتا ہے۔ آپکی نثر کی خصوصیات یہ ہین کہ الفاظ اور معنی کے خوبیون کا برابر لحاظ رکھا ہے۔ کلام مین کہین اہمال یا اشکال نہین۔ لفظ البتہ بعض جگہ مشکل ہین سلاست سرسید کے کلام مین بہت زیادہ ہے۔ بامحاورہ اور دلچسپ عبارت لکہتے ہین پروفیسر آزاد یقینی بالا ہین۔ مگر فلسفیانہ اور مورخانہ نظر اور لٹریچر کے رموز پر جسقدر واقفیت مولانا حالی کو تہی سرسید مرحوم وہان تک نہین پہونچے۔

نثر مین حیات سعدی۔ یادگار غالب۔ حیات جاوید۔ مقدمہ شعر و شاعری اور نظم مین مسدس مدوجزر اسلام۔ دیوان حالی۔ شکوہ ہند اور بہت سی مثنویان آپ کی یادگار ہین۔

۱۹۰۴ء مین گورنمنٹ عالیہ نے مولانا کو شمس العلما کے خطاب سے سرفراز

کیا - جو اُنکی علمی خدمات کے اعتبار سے ہر طرح زیبا و مناسب تہا - ۳۱ - دسمبر ۱۹۱۴ء
کو داعی اجل کو لبیک کہکر اس دار فانی سے چل بسے - قومی اور نیچرل شاعری کا
آفتاب غروب ہوگیا -

محاورہ اور روزمرہ

محاورہ لغت مین مطلقاً بات چیت کرنے کو کہتے ہین - خواہ وہ بات چیت اہل زبان کے روزمرہ کے موافق ہو خواہ مخالف - لیکن اصطلاح مین خاص اہل زبان کے روزمرہ یا بول چال یا اسلوب بیان کا نام محاورہ ہے - پس ضرور ہے کہ محاورہ تقریباً دو یا دو سے زیادہ الفاظ مین پایا جاے - کیونکہ مفرد الفاظ کو روزمرہ بول چال یا اسلوب بیان نہین کہا جاتا - بخلاف لغت کے کہ اُسکا اطلاق ہمیشہ مفرد الفاظ پر یا ایسے الفاظ پر جو بمنزلہ مفرد کے ہین کیا جاتا ہے - مثلاً پانچ اور سات دو لفظ ہین جن پر الگ الگ لغت کا اطلاق ہو سکتا ہے - مگر ان مین سے ہر ایک کو محاورہ نہین کہا جائیگا - بلکہ دونون کو ملاکر جب پانسات بولین گے تب محاورہ کہا جائیگا - یہ بہی ضرور ہے کہ وہ ترکیب جس پر محاورہ کا اطلاق کیا جاے قیاسی نہو - بلکہ معلوم ہو کہ اہل زبان اسکو اسطرح استعمال کرتے ہین - مثلاً اگر پانسات یا سات آٹھ یا آٹھ سات پر قیاس کرکے چھ آٹھ یا آٹھ چھ یا سات نو بولا جائیگا تو اُسکو محاورہ نہین کہنے کے - کیونکہ اہل زبان کبہی اسطرح نہین بولتے - یا مثلاً بلاناغہ پر قیاس کرکے اُسکی جگہ بے ناغہ - ہر روز کی جگہ ہر دن - روز روز کی جگہ دن دن - یا کئے دن کی جمع کئے روز بولنا - ان مین سے کسی کو محاورہ نہین کہا جائیگا کیونکہ یہ الفاظ اس طرح اہل زبان کی بول چال مین کبہی نہین آتے -

کبہی محاورہ کا اطلاق خاص کر اُن افعال پر کیا جاتا ہے جو کسی رسم کے ساتھ ملکر اپنے حقیقی معنون مین نہین بلکہ مجازی معنون مین استعمال ہوتے ہین - جیسے اُتارنا -

اسکے حقیقی معنی کسی جسم کو اوپر سے نیچے لائے کے ہین۔ مثلاً گھوڑے سے سوار کو اُتارنا۔ کھونٹی سے کپڑا اتارنا۔ کوٹھے پر سے پلنگ اُتارنا۔ لیکن انھین سے کسی پر محاورہ کے یہ دوسرے معنی صادق نہین آتے۔ کیونکہ ان سب مثالون مین اُتارنا اپنے حقیقی معنون مین مستعمل ہوا ہے۔ ہان نقشہ اُتارنا۔ نقل اُتارنا۔ دل سے اُتارنا۔ ہاتھ اوتارنا۔ پہنچا اُتارنا۔ یہ سب محاورے کہلائین گے۔ کیونکہ ان سب مثالون مین اُتارنے کا اطلاق مجازی معنون پر کیا گیا ہے۔ یا مثلاً کھانا۔ اسکے حقیقی معنی کسی چیز کو دانتون سے چباکر یا بغیر چبائے حلق سے اُتارنے کے ہین۔ مثلاً روٹی کھانا۔ دوا کھانا۔ افیم کھانا وغیرہ۔ لیکن انھین سے کسی کو دوسرے معنی کے لحاظ سے محاورہ نہین کہا جائیگا۔ کیونکہ سب مثالون مین کھانا اپنے حقیقی معنون مین مستعمل ہوا ہے۔ ہان غم کھانا۔ قسم کھانا۔ دھوکا کھانا۔ پچھاڑین کھانا۔ ٹھوکر کھانا۔ یہ سب محاورہ کہلائین گے۔

محاورہ کے جو معنی ہمنے اوّل بیان کئے ہین وہ عام یعنی دوسرے معنون کو بھی شامل ہین۔ لیکن دوسرے معنی پہلے معنی سے خاص ہین۔ پس جس ترکیب کو پہلے معنون کے لحاظ سے محاورہ کہا جائیگا اسکو دوسرے معنون کے لحاظ سے بھی محاورہ کہا جاسکتا ہے لیکن یہ ضرور نہین کہ جس ترکیب کو پہلے معنون کے لحاظ سے محاورہ کہا جاے اُس کو دوسرے معنون کے لحاظ سے بھی محاورہ کہا جاے۔ مثلاً تین پانچ کرنا (یعنی جھگڑا کرنا) اسکو دونون معنون کے لحاظ سے محاورہ کہہ سکتے ہین۔ کیونکہ یہ ترکیب اہل زبان کے بول چال کے بھی موافق ہے۔ اور نیز اسمین تین پانچ کا لفظ اپنے حقیقی معنون مین بولا گیا ہے۔ لیکن روٹی کھانا۔ یا میوہ کھانا۔ یا پان سات۔ یا دس بارہ وغیرہ صرف پہلے معنون کے لحاظ سے محاورہ قرار پاسکتے ہین۔ نہ دوسرے معنون کے لحاظ سے۔ کیونکہ یہ تمام ترکیبین اہل زبان کی بول چال کے موافق تو ضرور ہین مگر انھین کوئی لفظ مجازی معنون مین مستعمل نہین ہوا۔ آیندہ ہم ان دونون معنون مین تمیز کے لئے پہلی قسم کے محاورہ پر روزمرہ کا اور دوسری قسم پر

محاورہ کا اطلاق کرینگے۔

روزمرہ اور محاورہ مین من حیث الاستعمال ایک اور بھی فرق ہے۔ روزمرہ کی پابندی جہانتک ممکن ہو تقریر وتحریر اور نظم ونثر مین ضروری سمجھی گئی ہے۔ یہانتک کہ کلام مین جسقدر کہ روزمرہ کی پابندی کم ہوگی اُسیقدر فصاحت کے درجہ سے ساقط سمجھا جائیگا۔ مثلاً کلکتہ سے پشاور تک سات آٹھ کوس پر ایک پختہ سرا اور ایک کوس پر مینار بنا ہوا تھا۔ یہ جملہ روزمرہ کے موافق نہین ہے۔ بلکہ اسکی جگہہ یون ہونا چاہیے۔ کلکتہ سے پشاور تک سات سات آٹھ آٹھ کوس پر ایک ایک پختہ سرا اور کوس کوس بھر پر یک یک مینار بنا ہوا تھا۔ یا مثلاً آج تک اُنسے ملنے کا موقع نہ ملا۔ یہان نہ ملا کی جگہ نہین ملا چاہیے۔ یا وہ خاوند کے مرنے سے درگور ہوئی۔ یہان زندہ درگور ہوگئی چاہیے۔ یا ؎ سو گئے جب بخت تب بیدار آنکھین ہوگئین۔ یہان ہوگئین کے جگہہ ہوئین چاہیے۔ یا ؎ دیکھتے ہی دیکھتے یہ کیا ہوا۔ یہان کیا ہوگیا چاہیے۔

الغرض نظم ہو یا نثر دونون مین روزمرہ کی پابندی جہانتک ممکن ہو نہایت ضروری ہے۔ مگر محاورہ کا ایسا حال نہین ہے۔ محاورہ اگر عمدہ طور سے باندھا جاے تو بلاشبہ پست شعر کو بلند اور بلند کو بلند تر کر دیتا ہے۔ لیکن ہر شعر مین محاورہ کا باندھنا ضرور نہین۔ بلکہ ممکن ہے کہ شعر بغیر محاورہ کے بھی فصاحت وبلاغت کے اعلیٰ درجہ پر واقع ہو۔ اور ممکن ہے کہ ایک پست اور ادنیٰ درجہ کے شعر مین بے تمیزی سے کوئی لطیف و پاکیزہ محاورہ رکھدیا گیا ہو۔ ایک مشہور شاعر کا شعر ہے۔

گوہر رشک سے لبریز ہے سارا دامن　　اسکجل دامن دولت ہے ہمارا دامن

اس شعر مین کوئی محاورہ نہین باندھا گیا۔ باوجود اسکے شعر تعریف کے قابل ہے۔ دوسری جگہہ بھی شاعر کہتا ہے۔

اُسکا حظ دیکھتے ہین جب صیاد　　طوطے ہاتھون کے اُڑا کرتے ہین

اس شعر مین نہ کوئی خوبی ہے نہ مضمون ہے صرف ایک محاورہ بندہا ہوا ہے۔ اور وہ بھی روزمرہ کے خلاف۔ یعنی اُڑ جاتے ہین کی جگہ اڑا کرتے ہین۔ محاورہ کو شعر مین ایسا سمجھنا چاہیے جیسے کوئی خوبصورت عضو۔ بدن انسان ہین۔ اور روزمرہ کو ایسا جاننا چاہیے جیسے تناسب اعضا بدن انسان ہین جس طرح بغیر تناسب اعضا کے کسی خاص عضو کی خوبصورتی سے حسن بشری کامل نہین سمجھا جاسکتا اسی طرح بغیر روزمرہ کی پابندی کے محض محاورات کے جا و بے جا رکھدینے سے شعر مین کچھ خوبی پیدا نہین ہوسکتی۔

شعر کی معنوی خوبی کا اندازہ اہل زبان اور غیر اہل زبان دونون کرسکتے ہین۔ لیکن لفظی خوبیون کا اندازہ کرنا صرف اہل زبان کا حصہ ہے۔ اہل زبان عموماً اُس شعر کو زیادہ پسند کرتے ہین جس مین روزمرہ کا لحاظ کیا گیا ہو۔ اور اگر روزمرہ کے ساتھ محاورہ کی چاشنی بھی ہو تو وہ اُنکو اور بھی زیادہ مزا دیتی ہے۔ مگر عوام اور خواص کی پسند مین بہت بڑا فرق ہے۔ عوام محاورہ یا روزمرہ کے ہر شعر کو سُنکر سر دھننے لگتے ہین۔ اگرچہ شعر کا مضمون کیسا ہی مبتذل یا رکیک اور سبک ہو۔ اور اگرچہ محاورہ کیسا ہی بے سلیقگی سے باندہا گیا ہو۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ جن اسلوبون مین وہ ایک دوسرے سے بات چیت کرتے ہین جب اونہین اسلوبون مین وزن کی کھچاوٹ اور قافیون کا تناسب دیکھتے ہین اور معمولی بات چیت کو شعر کے سانچے مین ڈھلا ہوا پاتے ہین تو اُنکو ایک نوع کا تعجب اور تعجب کے ساتھ خوشی پیدا ہوتی ہے۔ مگر خواص کی پسند اور تعجب کے لئے صرف روزمرہ کا وزن کے سانچے مین ڈھال دینا کافی نہین ہے۔ اُنکے نزدیک محض تک بندی اور معمولی بات چیت کو موزون کردینا کوئی تعجب خیز بات نہین ہے۔ ہان اگر وہ دیکھتے ہین کہ ایک سنجیدہ مضمون معمولی روزمرہ مین کمال خوبی اور صفائی اور بے تکلفی سے ادا کیا گیا ہے تو بلاشبہہ اُنکو بے انتہا تعجب اور حیرت ہوتی ہے۔ کیونکہ فن شعر مین اور خاصکر اُردو زبان مین کوئی بات اس سے زیادہ مشکل نہین ہے کہ عمدہ مضمون معمولی

بول چال اور روزمرہ مین پورا پورا ادا ہوجاے۔ جن لوگون نے روزمرہ کی پابندی کو سب چیزون سے مقدم سمجھا ہے اُنکے کلام کو بھی جب نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے تو جابجا فروگذاشتین اور کسرین نظر آتی ہین۔ پس جب کوئی شعر باوجود مضمون کی متانت اور سنجیدگی کے روزمرہ اور محاورہ مین بھی پورا اُتر جاے تو لامحالہ اُس سے ہر صاحب ذوق کو تعجب ہوتا ہے۔ مثلاً میر انشا اللہ خان اس بات کو کہ افسردگی کے عالم مین خوشی اور عیش وعشرت کی چھیڑ چھاڑ سخت ناگوار گذرتی ہے۔ اسطرح بیان کرتے ہین۔ **شعر**

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنے۔ تجھے اٹھکھلیان سوجھی ہین یہان بیزار بیٹھے ہین

یا مثلاً مرزا غالب اتنے بڑے مضمون کو کہ (مین معشوق کے مکان پر پہنچا تو اوّل خاموش کھڑا رہا۔ پاسبان نے سائل سمجھکر کچھ نہ کہا۔ جب معشوق کے دیکھنے کا حد سے زیادہ شوق ہوا اور صبر کی طاقت نہ رہی تو پاسبان کے قدمون پر گر پڑا۔ اب اُسنے جانا کہ اسکا مطلب کچھ اور ہے۔ اُسنے میرے ساتھ وہ سلوک کیا کہ ناگفتہ بہ ہے) دو مصرعون مین اس طرح بیان کرتے ہین۔

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا۔ مری جو شامت آئے۔ اُٹھا اور اُٹھ کے قدم مین نے پاسبان کیلئے

یا مثلاً مرزا غالب کہتے ہین۔

رونے سے اور عشق مین بیباک ہوگئے۔ دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہوگئے

قاعدہ ہے کہ جب تک انسان عشق و محبت کو چھپاتا ہے اُسکو ہر ایک بات کا پاس ولحاظ رہتا ہے۔ لیکن جب راز فاش ہوجاتا ہے تو پھر اُسکو کسی سے شرم اور حجاب نہین رہتا اس شعر مین یہی مضمون ادا کیا گیا ہے۔ دھویا جانا بیحیا اور بے لحاظ ہوجانیکو کہتے اور پاک آزاد اور شہدے کو کہتے ہین۔ رونے کے لئے دھویا جانا اور دھوئے جانے کے لئے پاک ہونا۔ باوجود اتنی لفظی مناسبتون اور محاورہ کی نشست اور روزمرہ کی صفائی کے مضمون پورا پورا ادا ہوگیا ہے۔ اور کوئی بات اَن نیچرل نہین ہے۔ یا مثلاً مومن خان کہتے ہین۔

کل تم جو بزم غیر مین آنکھین چرا گئے　　کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے

آنکھین چرانا۔ اغماض و بے توجہی کرنا ہے۔ کھویا جانا شرمندہ اور کھسیانا ہونا۔ پا جانا۔ سمجھ جانا یا تاڑ جانا معنی ظاہر ہین۔ اس شعر کا مضمون بھی بالکل نیچرل ہے اور محاورات کی نشست اور روزمرہ کی صفائی قابل تعریف ہے۔ اگرچہ اسکا ماخذ مرزا غالب کا یہ شعر ہے۔

اگرچہ ہے طرز تغافل پردہ دار راز عشق　　پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہین کہ وہ پا جائے ہے

مگر مومن کا بیان زیادہ صفائی سے بندھا ہے۔

الغرض روزمرہ کی پابندی تمام اصناف سخن مین عموماً اور غزل مین خصوصاً جہانتک ہو سکے نہایت ضروری چیز ہے۔ اور محاورہ بھی بشرطیکہ سلیقہ سے باندھا جاے شعر کا زیور ہے۔

(حالی)

نیچرل شاعری

نیچرل شاعری سے وہ شاعری مراد ہے جو لفظاً و معنیً دونوں حیثیتون سے نیچر یعنی فطرت یا عادت کے موافق ہو۔ لفظاً نیچر کے موافق ہونے سے یہ غرض ہے کہ شعر کے الفاظ اور اُنکی ترکیب و بندش تا بمقدور اُس زبان کی معمولی بول چال کے موافق ہو جسمین وہ شعر کہا گیا ہے۔ کیونکہ ہر زبان کی معمولی بول چال اور روزمرہ اُس ملک والون کے حق مین جہان وہ زبان بولی جاتی ہے نیچر یا سکنڈ نیچر کا حکم رکھتے ہین۔ پس شعر کا بیان جسقدر کہ بے ضرورت معمول بول چال اور روزمرہ سے بعید ہوگا اُسیقدر اُن نیچرل سمجھا جائیگا۔ معنیً نیچر کے موافق ہونے سے یہ مطلب ہے کہ شعر مین ایسی باتین بیان کیجائین جیسی کہ ہمیشہ دنیا مین ہوا کرتی ہین یا ہونی چاہیئین۔ پس جب شعر کا مضمون اسکے

خلاف ہوگا وہ اُن نیچرل سمجھا جائیگا۔ مثلاً۔ میر حسن دہلوی کے یہ اشعار۔

کوئی رکھ کے زیر زنخدان چھڑی　　رہی نرگس آسا کھڑی کی کھڑی
رہی کوئی انگلی کو دانتون مین دب　　کسی نے کہا گھر ہوا یہ خراب

ان دونون شعرون کو نیچرل کہا جاسے گا۔ کیونکہ بیان بھی بول چال کے موافق ہے اور مضمون بھی ایسا ہے کہ جس موقع پر وہ لایا گیا ہے وہان ہمیشہ ایسا ہی واقع ہوا کرتا ہے۔ یا مثلاً ذوق کا یہ شعر ہے۔

رہتا ہے اپنا عشق مین یون دل سے مشورہ　　جس طرح آشنا سے کرے آشنا صلاح

اس شعر کو بھی نیچرل کہا جائیگا کیونکہ عشق مین اور ہر ایک مشکل کے وقت انسان اپنے دل سے اسی طرح مشورہ کیا کرتا ہے۔ یا مثلاً ظفر کا یہ شعر ہے۔

تیرے رخسار و گیسو کو بتا تشبیہ دون کیونکر　　نہ ہی لالہ مین رنگ ایسا نہ ہی سنبل مین بو ایسی

اس شعر کو بھی نیچرل کہا جائیگا کیونکہ عاشق کو فی الواقع کوئی رنگ اور کوئی بو معشوق کے رنگ و بو سے بہتر یا اُسکے برابر نہین معلوم ہوتی۔ یا مثلاً مومن خان کا یہ شعر ہے۔

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا　　جب کوئی دوسرا نہین ہوتا

یہ بھی نیچرل شعر سمجھا جائیگا۔ کیونکہ جس سے تعلق خاطر بڑھ جاتا ہے اُسکا تصور تنہائی مین ہمیشہ پیش نظر رہتا ہے۔ یا مثلاً داغ کے یہ اشعار ہین۔

طبیعت کوئی دن مین بھر جائیگی　　چڑھی ہے یہ آندھی اُتر جائیگی
رہین گی دم مرگ تک خواہشین　　یہ منت کوئی آج بھر جائیگی

ان دونون شعرون کا مضمون گو ایک دوسرے کے ضد معلوم ہوتا ہے مگر دونون اپنی اپنی جگہ نیچر کے مطابق ہین فی الواقع ہوا و ہوس کا بھوت بڑی زور شور کے ساتھ سر پر چڑھتا ہے مگر بہت جلد اُتر جاتا ہے اور فی الواقع دنیا کی خواہشون سے کبھی نیت سیر

نہین ہوتی۔ یا مثلاً غالب کا یہ شعر ہے۔

رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج　　مشکلین اتنی پڑین مجھپر کہ آسان ہوگئین

یہ شعر بھی نیچرل ہے اور فطرت انسان کے کسی قدر گہری اور پوشیدہ خاصیت کا پتا دیتا ہے جسکے بیان کرنے کے بعد کوئی شخص اُس سے انکار نہین کر سکتا۔

اوپر کے تمام اشعار جیسا کہ ظاہر ہے ایسے ہین جنکو لفظاً اور معنیً دونون حیثیتون سے نیچرل کہنا چاہیے۔ اب ہم چند مثالین ایسی دیتے ہین جنکو لفظاً یا معنیً یا دونون حیثیتون سے نیچرل نہین کہا جا سکتا۔ مثلاً ناسخ کا یہ شعر ہے۔

کبھی ہے وہ بیان عارض کا کبھی یاد مژہ دلکو　　کبھی ہین خار پہلو مین کبھی گلزار پہلو مین

اس شعر کو صرف لفظاً نیچرل کہا جا سکتا ہے لیکن معنیً نہین کہا جا سکتا۔ معشوق کے تصور سے بلاشبہہ عاشق کو فرحت ہو سکتی ہے اور رنج بھی۔ لیکن جب فرحت ہو تو عارض اور مژگان دونون کی تصویر سے فرحت ہونی چاہیے۔ اور جب رنج ہو تو دونون کے تصور سے رنج ہونا چاہیے۔ یہ نہین ہو سکتا کہ پلکین جو خار سے مشابہ ہین اُنکے تصور سے پہلو مین خار ہون اور عارض جو گل سے مشابہ ہے اُسکے تصور سے پہلو مین گلزار ہو۔ یا مثلاً غالب کا یہ شعر ہے۔

عرض کیجیے جوہر اندیشہ کی گرمی کہان　　کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا

جوہر اندیشہ مین کیسی ہی گرمی ہو یہ کسی طرح ممکن نہین کہ اُسمین صحرا نوردی کا خیال آنے سے خود صحرا جل اُٹھے۔ یا مثلاً امیر مینائی کا یہ شعر ہے

کیا نزاکت ہے جو توڑے شاخ گل سے کوئی پھول　　آتش گل سے پڑے چھالے تمہارے ہاتھ مین

نزاکت کسی درجہ کی کیون نہ ہو یہ ممکن نہین کہ آتش گل یعنی خود گل کے چھونے سے ہاتھ مین چھالے پڑ جائین۔ یا مثلاً ذوق کا یہ شعر ہے۔

دفن ہے جس جا پہ کشتہ سرد مہری کا ترے　　بیشتر ہوتا ہے پیدا وہان شجر کافور کا

سرد مہری مین اتنی ٹھنڈک ہو سکتی ہے جتنی کہ لفظ سرد مین۔ پھر اسکے کشتہ کی خاک مین اتنا اثر ہو نا کہ اُس سے شجرِ کافور پیدا ہو۔ محض الفاظ ہی الفاظ ہین جنمین معنی کا بالکل نشان نہین۔

ہر زبان مین نیچرل شاعری ہمیشہ قدما کے حصہ مین رہی ہے۔ مگر قدما کے اول طبقہ مین شاعری کو قبولیت کا درجہ حاصل نہین ہوتا۔ انہین کا دوسرا طبقہ اُسکو سڈول بناتا ہے اور سانچے مین ڈھال کر اُسکو خوشنما اور دلربا صورت مین ظاہر کرتا ہے۔ مگر اُسکی نیچرل حالت کو اُس خوشنمائی اور دلربائی مین بھی بدستور قایم رکھتا ہے۔ انکے بعد متاخرین کا دورہ شروع ہوتا ہے۔ اگر یہ لوگ قدما کی تقلید سے قدم باہر نہین رکھتے اور خیالات کے اسی دائرہ مین محدود رہتے ہین جو قدما نے مظاہر کئے تھے اور نیچر کے اُس منظر سے جو قدما کے پیش نظر تھا آنکھ اٹھا کر دوسرے طرف نہین دیکھتے تو اُنکی شاعری رفتہ رفتہ نیچرل حالت سے تنزل کرتی ہے۔ یہان تک کہ وہ نیچر کی راہِ راست سے بہت دور جا پڑتے ہین۔ اسکی مثال ایسی سمجھنی چاہیئے کہ ایک باورچی نے ایسے مقام پر جہان لوگ سالم۔ کچے اور آلو نے ماش یا مونگ پانی مین بھیگے ہوے کھاتے تھے اُنھین پانی مین اُبال کر اور نمک ڈال کر لوگون کو کھلایا اُنھون نے اپنی معمولی غذا سے اسی کو بہت غنیمت سمجھا۔ دوسرے باورچی نے ماش یا مونگ دلوا کر اور دال کو دھو کر مناسب مصالح اور گھی ڈال کر کھانا تیار کیا۔ اب تیسرے باورچی کو اگر وہ دال ہی کے پکانے مین اپنی اُستادی ظاہر کرنی چاہتا ہے اسکے سوا اور کوئی موقع تنوع پیدا کرنے کا باقی نہین رہا کہ وہ مقدار مناسب سے زیادہ مرچین اور کھٹائی اور گھی ڈالکر لوگون کو اپنی چٹ پٹی ہانڈی پر فریفتہ کرے۔

اسی مطلب کو ہم دوسری طرح پر دلنشین کرنے مین کوشش کرتے ہین۔ فرض کرو کہ فارسی زبان مین جسپر اردو شاعری کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ جن لوگون نے اوّل غزل لکھی ہوگی ضرور ہے کہ اونہون نے عشق و محبت کے اسباب اور دواعی محض نیچرل اور سیدھے سادے طور پر معشوق کی صورت۔ حسن و جمال نگاہ اور ناز و انداز وغیرہ کو قرار دیا ہوگا

انکے بعد لوگون نے انہین باتون کو مجاز اور استعارہ کے پیرایہ مین بیان کیا۔ مثلاً نگاہ و ابرو یا غمزہ و ناز و ادا کو مجازاً تیغ و شمشیر کے ساتھ تعبیر کیا۔ اور اس جدت و تازگی سے وہ مضمون زیادہ لطیف و بامزہ ہوگیا۔ متاخرین جب اسی مضمون پر پل پڑے اور انکو قدما کے استعارے سے بہتر کوئی اور استعارہ ہاتھ نہ آیا اور جدت پیدا کرنے کا خیال دامنگیر ہوا۔ انہون نے تیغ و شمشیر کے مجازی معنون سے قطع نظر کی اور اس سے خاص سروہی یا اصیل تلوار مراد لینے لگے جو قبضہ یا باڑ۔ پیلا۔ آب اور تاب اور ڈاب سب کچھ رکھتی ہے۔ میان مین رہتی ہے۔ گلے مین حمائل کیجاتی ہے۔ زخمی کرتی ہے۔ ٹکڑے اڑاتی ہے۔ سر اتارتی ہے خون بہاتی ہے۔ چورنگ کاٹتی ہے۔ اسکی دھار تیز بھی ہوسکتی ہے اور کند بھی۔ قاتل کا ہاتھ اسکے مارنے سے تھک سکتا ہے۔ وہ قاتل کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر سکتی ہے اسکے مقتول کا مقدمہ عدالت مین دائر ہوسکتا ہے اسکا قصاص لیا جاسکتا ہے اسکے وارثون کو خون بہا دیا جاسکتا ہے۔ غرض کہ جو خواص ایک لوہے کی اصلی تلوار مین ہوسکتے ہین وہ سب اسکے لئے ثابت کرنے لگے۔

یا مثلاً اگلون نے کسی پر عاشق ہوجانے کو مجازاً دل دادن یا دل باختن یا دل فروختن سے تعبیر کیا تھا رفتہ رفتہ متاخرین نے دل کو ایک ایسی چیز قرار دے لیا جو کہ مثل ایک جواہر یا ایک پھل کے ہاتھ سے چھینا جاسکتا ہے۔ واپس لیا جاسکتا ہے۔ کھویا اور پایا جاسکتا ہے۔ کبھی اسکی قیمت پر تکرار ہوتی ہے۔ سودا بنتا ہے تو دیا جاتا ہے ورنہ نہین دیا جاتا کبھی اسکو معشوق عاشق سے لیکر کسی طاق مین ڈالکر بھول جاتا ہے۔ اتفاقاً وہ عاشق کے ہاتھ لگ جاتا ہے اور وہ آنکھ بچاکر وہان سے اڑا لاتا ہے۔ پھر معشوق کے ہان اسکی ڈھنڈیا پڑتی ہے اور عاشق اسکی رسید نہین دیتا۔ کبھی وہ یارون کے جلسہ مین آنکھون ہی آنکھون مین غائب ہوجاتا ہے۔ سارا گھر چھان مارتے ہین کہین پتہ نہین لگتا اتفاقاً معشوق جو بالون مین کنگھی کرتا ہے تو وہ جون کی طرح چھڑ پڑتا ہے۔ کبھی وہ ایسا تلپٹ

ہوجاتا ہے کہ زلف یار کی ایک ایک شکن اور ایک ایک لٹ مین اُسکی تلاش کی جاتی ہے۔ مگر کہین کچھ سراغ نہین ملتا۔ کبھی وہ بیع بالخیار کے قاعدے سے یار کے ہاتھ اس شرط پر فروخت کیا جاتا ہے کہ پسند آئے تو رکھنا ورنہ پھیر دینا۔ اور کبھی اُسکا نیلام بول دیا جاتا ہے کہ جو زیادہ دام لگائے وہی لیجائے۔

یا مثلاً اگلون نے معشوق کو اسلئے کہ وہ گویا لوگون کے دل شکار کرتا ہے مجازاً صیاد باندھا تھا۔ پچھلون نے رفتہ رفتہ اُسپر تمام احکام حقیقی صیاد کے مترتب کر دیئے۔ اب وہ کہین جال لگا کر چڑیان پکڑتا ہے۔ کہین اُسکو تیر مار کر گراتا ہے۔ کہین اُنکو زندہ پنجڑے مین بند کرتا ہے۔ کہین اُنکے پر نوچتا ہے کہین اُنکو ذبح کر کے زمین پر تڑپاتا ہے۔ جب کبھی وہ تیر کمان لگا کر جنگل کی طرف جا نکلتا ہے۔ تمام جنگل کے پنچھی اور پکھیرو اُس سے پناہ مانگتے ہین۔ سیکڑون پرندون کے کباب لگا کر کھا گیا۔ بیسیون پنجرے قمریون اور کبوترون اور لُوؤن اور بٹیرون کے اُسکے دروازے پر ٹنگے رہتے ہین۔ سارے چڑی مار اُسکے آگے کان پکڑتے ہین۔

یا مثلاً اگلون نے عشق الٰہی یا محبت روحانی کو جو ایک انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ ہو سکتی ہے مجازاً شراب کے نشہ سے تعبیر کیا تھا۔ اور اس مناسبت سے جام و صراحی۔ خم و پیمانہ۔ ساقی و مے فروش وغیرہ کے الفاظ بطور استعارہ کے استعمال کئے تھے۔ یا محض شعرائے متصوفین نے شراب کو اس وجہ سے کہ وہ اس دار الغرور کے تعلقات سے تھوڑی دیر کو فارغ البال کرنے والی ہے بطور تفاول کے موصل الی المطلوب قرار دیا تھا رفتہ رفتہ وہ اور اوسکے تمام لوازمات اپنے حقیقی معنون مین استعمال ہونے لگے۔ یہان تک کہ مشاعرہ بلا مبالغہ کلال کی دوکان بنگئی۔ ایک کہتا ہے لا۔ دوسرا کہتا ہے اور لا۔ تیسرا کہتا ہے پیالہ نہین تو روک ہی سے پلا۔ کچھ بہک رہے ہین۔ کچھ پکار رہے ہین۔ کوئی واعظ پر پھبتی کہتا ہے۔ کوئی زاہد کی ڈاڑھی پر ہاتھ لپکاتا ہے۔ کوئی شیخ کی پگڑی اچھالتا ہے۔

جوان اور بوڑھے - جاہل اور عالم - رند اور پارسا - سب ایک رنگ مین رنگے ہوئے ہین - جو ہے نشہ کے خمار مین انگڑائیان لے رہا ہے - جدھر دیکھو العطش العطش کی پکار ہے -

اسی طرح متاخرین نے ہر مضمون کو جو قدما نیچرل طور پر باندھ گئے تھے نیچر کی سرحد سے ایک دوسرے عالم مین پہنچا دیا معشوق کے دہانہ کو تنگ کرتے کرتے صفحہ روزگار سے یک قلم مٹا دیا - کمر کو پتلی کرتے کرتے بالکل معدوم کر دیا - زلف کو دراز کرتے کرتے عمر خضر سے بڑھا دیا - رشک کو بڑھاتے بڑھاتے خدا سے بھی بدگمان بن گئے - جدائی کی رات کو طول دیتے دیتے ابد سے جا بھڑایا - الغرض جب پچھلے انہین مضامین کو جو اگلے باندھ گئے ہین اوڑھنا اور بچھونا بنا لیتے ہین تو انکو مجبور نیچرل شاعری سے دست بردار ہونا پڑتا ہے -

اس سے ہرگز یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ متاخرین کی شاعری ہمیشہ آن نیچرل ہوتی ہے - نہین بلکہ ممکن ہے کہ متاخرین مین کچھ ایسے لوگ بھی ہون جو قدما کی جولانگاہ کے علاوہ ایک دوسرے میدان مین طبع آزمائی کرین - یا اسی جولانگاہ کو کسی قدر وسعت دین - یا زبان مین بہ نسبت متقدمین کے زیادہ گھلاوٹ اور لوچ اور وسعت اور صفائی پیدا کر سکین چنانچہ ہم دیکھتے ہین کہ لکھنؤ مین میر انیس نے مرثیہ کو بے انتہا ترقی دی ہے اور نواب مرزا شوق نے مثنوی کو زبان اور بیان کے لحاظ سے بہت صاف کیا ہے - اسی طرح دلی مین ذوق - ظفر - اور خاصکر داغ نے غزل کی زبان مین نہایت وسعت و صفائی اور بانکپن پیدا کر دیا ہے

(حالی)

مرزا اسد اللہ خان غالب کی اردو نثر پر ریو و

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا ۱۸۵۰ء تک ہمیشہ فارسی مین خط و کتابت کرتے تھے مگر سنہ مذکور مین جبکہ وہ تاریخ نویسی کی خدمت پر مامور کئے گئے اور ہمہ تن مہر نیمروز کے لکھنے مین مصروف ہو گئے اُسوقت بضرورت اُنکو اردو مین خط کتابت کرنی پڑی ہوگی - وہ فارسی نثر مین اور

اکثر فارسی خطوط جنمین قوت متخیلہ کا عمل اور شاعری کا عنصر نظم سے بھی کسی قدر غالب معلوم ہوتا ہے نہایت کاوش سے لکھتے تھے۔ پس جب اُنکی ہمت مہر نیمروز کی ترتیب و انشا مین مصروف تھی ضرور ہے کہ اُسوقت اُنکو فارسی زبان مین خط و کتابت کرنی اور وہ بھی اپنی طرز خاص مین شاق معلوم ہوئی ہوگی۔ اسلئے قیاس چاہتا ہے کہ انہون نے غالباً ۱۸۵۰ء کے بعد سے اُردو زبان مین خط لکھنے شروع کئے ہین۔ چنانچہ وہ ایک خط مین لکھتے ہین کہ فارسی زبان مین خطون کا لکھنا پہلے سے متروک ہے۔ پیرانہ سری اور ضعف کے صدمون سے محنت پژوہی اور جگر کاوی کی قوت مجھ مین نہین رہی۔ حرارت غریزی کو زوال ہے اور رجال ہے

مضمحل ہوگئے قویٰ غالب　　اب عناصر مین اعتدال کہان

غالباً اُردو زبان مین تحریر اختیار کرنے کو مرزا نے اوّل اوّل اپنی شان کے خلاف سمجھا ہوگا مگر بعض اوقات انسان اپنے جس کام کو حقیر اور کم وزن خیال کرتا ہے وہی اُسکے شہرت اور قبولیت کا باعث ہوجاتا ہے۔ جہان تک دیکھا جاتا ہے مرزا کی عام شہرت ہندوستان مین جسقدر اُنکی اُردو نثر کی اشاعت سے ہوئی ہے ویسی نظم اُردو اور نظم فارسی اور نثر فارسی سے نہین ہوئی۔ اگرچہ لوگ عموماً مرزا کو فارسی کا بہت بڑا شاعر جانتے تھے اور اُنکے اُردو دیوان کو بھی ایک عالی رتبہ کلام عام افہام سے بالاتر سمجھتے تھے۔ مگر لوگون کا ایسا خیال کرنا محض تقلیداً تھا نہ تحقیقاً وہ خود اپنے ایک مرتبہ دان اور پایہ شناس دوست کو خط مین لکھتے ہین میرے فارسی قصیدے کہ جن پر تجکو ناز ہے کوئی اُنکا لطف نہین اٹھاتا۔ مگر بطریق اذعان کہ یہ شخص فارسی خوب کہتا ہے۔ داد سخن کہان اور ادراک پایہ معنی کہان۔ مہر نیمروز کے پانسات جزو جو آپکے پاس بھیجے ہین میری خاطر نہ کیجیے۔ انصاف سے کہئے کہ یہ نثر کہین اور ہے۔ اور پھر اُس نثر کا کوئی مشتاق نہو۔

اگرچہ مرزا کی اُردو نثر کی قدر بھی جیسی کہ چاہیے ویسی نہین ہوئی۔ چنانچہ بعض اوقات تحریرون مین دیکھا گیا کہ اُردوی معلی اور بوستان خیال کی عبارت کو ایک مرتبے مین رکھا گیا

ہے۔لیکن پہر بھی مرزا کی اُردو نثر کے قدردان بہ نسبت ناقدردانون کے ملک مین بہت زیادہ نکلین گے۔

مرزا کی اُردو نثر مین زیادہ تر خطوط و رقعات ہین چند تقریظین اور دیباچے ہین اور تین مختصر رسالے ہین۔جو برہان قاطع کے طرفدارون کے جواب مین لکھے ہین۔لطائف غیبی تیغ تیز اور نامہ غالب اسکے سوا چند اجزا ایک ناتمام قصے کے بہی ہین۔جو مرزا نے مرنے سے چند روز پہلے لکھنا شروع کیا تہا۔ان مین سب سے زیادہ دلچسپ اور لطف انگیز اُنکے خطوط ہین جنمین سے زیادہ تر اُردوے معلی مین اور اُس سے کم عود ہندی مین جمع کرکے چہپوائے گئے ہین۔

مرزا کی اُردو خط و کتابت کا طریقہ فی الواقع سب سے نرالا ہے۔نہ مرزا سے پہلے کسی نے خط کتابت مین یہ رنگ اختیار کیا اور نہ اُنکے بعد کسی سے اُسکی پوری پوری تقلید ہوسکی اُنہون نے القاب و آداب کا پُرانا اور فرسودہ طریقہ اور بہت سی باتین جنکو مترسلین نے لوازم نامہ نگاری مین سے قرار دے رکھا تہا مگر درحقیقت فضول اور دوراز کار تہین سب اُڑا دین۔وہ خط کو کبہی میان کبہی برخوردار کبہی بہائی صاحب۔کبہی مہاراج کبہی کسی اور مناسب لفظ سے آغاز کرتے ہین۔اُسکے بعد مطلب لکہتے ہین۔اور اکثر بغیر اس قسم کے الفاظ کے سرے ہی سے مدعا لکہنا شروع کردیتے ہین۔

ادائے مطالب کا طریقہ بالکل ایسا ہے جیسے دو آدمی بالمشافہ بات چیت یا سوال وجواب کرتے ہین۔مثلاً اُنکو یہ لکہنا تہا کہ محمد علی بیگ میرے کوٹہے کے نیچے سے گذرا مین نے پوچہا کہ لوہارو کی سواریان روانہ ہوگئین اُسنے کہا ابہی نہین ہوئین۔مین نے پوچہا کیا آج نہ جائینگی اُسنے کہا آج نہ ورجائینگی۔تیاری ہورہی ہے۔اس مطلب کو انہون نے اسطرح ادا کیا ہے محمد علی بیگ ادہر سے نکلا۔بھئی محمد علی بیگ۔لوہارو کی سواریان روانہ ہوگئین۔حضرت ابہی نہین۔کیا آج نہ جائینگی۔آج ضرور جائینگی۔تیاری ہورہی ہے۔

میر مہدی مجروح کو خط لکھا ہے اسمین لکھنا یہ ہے کہ میرن صاحب آئے اور اُن سے یہ یہ باتین ہوئین - مگر وہ اسطرح نہین لکھتے بلکہ اُسکو اس طرح شروع کرتے ہین -

اے میرن صاحب - السلام علیکم - حضرت آداب - کہو صاحب آج اجازت ہے میر مہدی کے خط کا جواب لکھنے کی - حضور مین کیا منع کرتا ہون - مگر مین اپنے ہر خط مین آپکی طرف سے دعا لکھدیتا ہون - پھر آپ کیون تکلیف کرین - نہین میرن صاحب اُسکے خط کو آئے ہوئے بہت دن ہوئے ہین - وہ خفا ہوا ہوگا - جواب لکھنا ضرور ہے - حضرت وہ آپ کے فرزند ہین - آپ سے خفا کیا ہونگے - بھائی آخر کوئی وجہ تو بتلاؤ کہ تم مجھے خط لکھنے سے کیون باز رکھتے ہو - سبحان اللہ - اے لو حضرت آپ تو خط نہین لکھتے اور مجھ سے فرماتے ہین کہ تو باز رکھتا ہے - اچھا تم باز نہین رکھتے مگر یہ کہو کہ تم کیون نہین چاہتے کہ مین میر مہدی کو خط لکھون - کیا عرض کرون - سچ تو یہ ہے کہ جب آپکا خط جاتا اور وہ پڑھا جاتا تو مین سُنتا اور خط اُٹھاتا - اب جو مین وہان نہین ہون تو نہین چاہتا کہ آپ کا خط جاے مین اب پنجشنبہ کو روانہ ہوتا ہون - میری روانگی کے تین دن بعد آپ خط شوق سے لکھئے گا - میان بیٹھو - ہوش کی خبر لو - تمہارے جانے نہ جانے سے مجھے کیا علاقہ - مین بوڑھا آدمی - بھولا آدمی تمہاری باتون مین آگیا - اور آجتک اُسے خط نہین لکھا - لاحول ولاقوۃ - اسکے بعد میر مہدی سے مخاطب ہوکر اصل مطلب لکھتے ہین -

بعض جگہہ مکتوب الیہ کو خطاب کرتے کرتے اُسکو غائب فرض کر لیتے ہین - یہانتک کہ جو لوگ مرزے کے انداز بیان سے واقف نہین وہ اُسکو مکتوب الیہ کا غیر سمجھ لیتے ہین مثلاً میر مہدی کو لکھتے ہین - میر مہدی جیتے رہو - آفرین صد ہزار آفرین - اردو عبارت لکھنے کا کیا اچھا ڈھنگ پیدا کیا ہے کہ مجکو رشک آنے لگا ہے - سُنو دلی کے تمام مال و متاع و زر و گوہر کی لوٹ پنجاب احاطے مین گئی ہے - یہ طرز عبارت خاص میری دولت تھی سو ایک ظالم پانی پت انصاریون کے محلے کا رہنے والا لوٹ لے گیا - مگر مین نے اُسکو بجل کیا -

اللہ برکت دے۔

ظاہر ہے کہ اس عبارت مین ایک ظالم سے مراد خود میر مہدی مجروح ہین۔ کیونکہ غدر کے بعد وہ پانی پت کے حملہ مذکور مین کئی سال مقیم رہے تھے۔ مگر جو لوگ مرزا کی اٹکیلی چالون سے ناواقف ہین وہ غلطی سے اُسکے دوسرے معنی سمجھ جاتے ہین۔ اکثر لوگون کو اس خیال سے کہ راقم بھی پانی پت انصاری محلے کا رہنے والا ہے۔ ان الفاظ سے یہ دھوکا ہوا ہے کہ مرزا صاحب نے میری نسبت لکھا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ مین نے جسقدر اُنکو سمجھایا کہ یہ خود میر مہدی ہی کی نسبت لکھا ہے۔ میری نسبت نہین لکھا اُسیقدر اُنکو اس بات کا زیادہ خیال ہوا کہ مین ازراہ کسر نفسی کے ایسا کہتا ہون۔

مغربی طریقے پر جو قصے لکھے جاتے ہین اُنمین اکثر اس قسم کے سوال وجواب ہوتے ہین جیسے کہ مرزا کی تحریرون مین ہم اوپر دکھا چکے ہین۔ مگر وہان پر سوال وجواب کے سرے پر سائل اور مجیب کا نام یا اُنکے نامون کی کوئی علامت لکھدیجاتی ہے۔ ورنہ یہ نہین معلوم ہوسکتا کہ سوال کہان ختم ہوا اور جواب کہان سے شروع ہوا۔ مرزا ایسے موقع پر سائل ومجیب کا نام نہین لیتے۔ اور نہ اُنکے نام کی علامت لکھتے ہین۔ مگر سوال جواب کے ضمن مین ایک ایسا لفظ لے آتے ہین جس سے صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ سوال کیا ہے جواب کیا۔ شاید قصے یا ناولون مین یہ بات نہ چل سکے مگر خطوط مین تو مرزا نے یہ راہ بالکل صاف کردی ہے۔

مرزا کی طرز تحریر کی جو خصوصیتین اوپر مذکور ہوئین یہ کوئی ایسی چیز نہین ہے کہ اور لوگ اوسکی پیروی نہ کرسکین مگر وہ چیز جس نے اُنکے مکاتبات کو ناول اور ڈراما سے زیادہ دلچسپ بنادیا ہے وہ شوخی تحریر ہے جو اکتساب یا مشق ومہارت یا پیروی وتقلید سے حاصل نہین ہوسکتی۔ ہم دیکھتے ہین کہ بعض لوگون نے خط کتابت مین مرزا کی روش پر چلنے کا ارادہ کیا ہے۔ اور اپنے مکاتبات کی بنیاد بذلہ سنجی اور ظرافت پر رکھنی چاہی ہے مگر اُنکی

اور مرزا کی تحریر مین وہی فرق پایا جاتا ہے جو اصل اور نقل یا روپ اور بہروپ مین ہوتا ہے مرزا کی طبیعت مین شوخی ایسی بھری ہوئی تھی جیسی ستار کے تار مین سُر بھرے ہوے ہوتے ہین - اور قوت متخیلہ جو شاعری اور ظرافت کی خلّاق ہے اُسکو مرزا کی دماغ کے ساتھہ وہی نسبت تھی جو قوت پرواز کو طائر کے ساتھہ - اگرچہ مرزا کے بعد نثر اُردو مین بے انتہا وسعت اور ترقی ہوئی ہے - علمی - اخلاقی - پولیٹیکل - سوشل - اور ریلیجس مضامین کے لوگون نے دریا بہا دیے ہین - بائیوگرافی اور نوول مین بھی متعدد کتابین نہایت ممتاز لکھی گئی ہین - باوجود اسکے مرزا کی تحریر خط کتابت کے محدود دائرے مین بلحاظ دلچسپی اور لطف بیان کے اب بھی اپنا نظیر نہین رکھتی -

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا خط لکھتے وقت ہمیشہ اسبات کو نصب العین رکھتے تھے کہ خط مین کوئی ایسی بات لکھی جاے کہ مکتوب الیہ اُسکو پڑھکر محظوظ اور خوش ہو - پھر جس رتبے کا مکتوب الیہ ہوتا تھا اُسکی سمجھہ اور مذاق کے موافق خط مین شوخیان کرتے تھے - مثلاً اپنے ایک دوست کو خط لکھا ہے اُسمین اُنکی لڑکی کو جو بچپن مین مرزا کے سامنے آتی تھی اور اب جوان ہوگئی ہے بعد دعا کے لکھتے ہین کیون بھئی اب ہم اگر کول آئے بھی تو تمکو کیونکر دیکھین گے - کیا تمہارے ملک مین بھتیجیان چچا سے پردہ کرتی ہین یا مثلاً نواب امیر الدین احمد خان کو جو اب رئیس لوہارو ہین - اُنکے بچپن کے زمانے مین اُنکے رقعے کا جواب جس مین مرزا کو دادا صاحب لکھا تھا اس طرح لکھتے ہین - اے مردم چشم جہان بین غالب پہلے القاب کے معنی سمجھہ لو یعنی چشم جہان بین غالب کی پُتلی - چشم جہان بین تمہارا باپ مرزا علاء الدین احمد خان بہادر - اور پُتلی تم - میان تمہارے دادا تو نواب امیر الدین خان بہادر ہین - مین تو صرف تمہارا دل دادہ ہون -

ایک دوست کو دسمبر ۱۸۵۷ء کی اخیر تاریخون مین خط لکھا ہے اُنھون نے اُسکا جواب جنوری ۱۸۵۸ء کی پہلی یا دوسری کو لکھہ بھیجا اُسکے جواب مین اُن کو اس طرح

لکھتے ہین - دیکھو صاحب یہ باتین ہمکو پسند نہین ۱۸۵۷ء کے خط کا جواب ۱۸۵۸ء مین بھیجتے ہو - اور مزا یہ کہ جب تم سے کھا جائیگا تو یہ کھوگے کہ مین نے دوسرے ہی دن جواب لکھا ہے

ایک دوست کو رمضان مین خط لکھا ہے اُس مین لکھتے ہین دہوپ بہت تیز ہے روزہ رکھتا ہون مگر روزے کو بہلاتا رہتا ہون - کبھی پانی پی لیا کبھی حقہ پی لیا کبھی کوئی ٹکڑا روٹی کا بھی کھا لیا - یہان کے لوگ عجب فہم رکھتے ہین مین تو روزہ بہلاتا ہون اور یہ صاحب فرماتے ہین کہ تو روزہ نہین رکھتا - یہ نہین سمجھتے کہ روزہ نہ رکھنا اور چیز ہے اور روزہ بہلانا اور بات ہے -

جس زمانے مین برہان قاطع پر اعتراض لکھے ہین اور لوگون نے مرزا کی سخت مخالفت اور مؤلف برہان کی حمایت کی ہے ایک خط مین صاحب برہان کا ذکر کرنیکے بعد اُسکی اور اُسکے طرفدارون کی نسبت لکھتے ہین - ان فرہنگ لکھنے والون کا مدار قیاس پر ہے جو اپنے نزدیک صحیح سمجھا وہ لکھدیا نظامی وسعدی کی لکھی ہوئی کوئی فرہنگ ہو تو ہم اُسکو مانین ہندیون کو کیونکر مسلم الثبوت جانین - ایک گائے کا بچہ بزور سحر آدمی کی طرح کلام کرنے لگا - بنی اسرائیل اُسکو خدا سمجھے -

ایک خط کے آخر مین جو نواب علاء الدین خان کو لکھا ہے لکھتے ہین - اُستاد میر جان کو اس راہ سے کہ میری پھپھی اُنکی چچی تھین اور یہ مجھ سے عمر مین چھوٹے ہین - دعا - اور اس رو سے کہ دوست ہین اور دوستی مین کمی بیشی سن وسال کی رعایت نہین کرتے - سلام - اور اس سبب سے کہ اُستاد کہلاتے ہین - بندگی - دُرود -

ایک خط مین برسات کی شدت کا ذکر کرتے کرتے لکھتے ہین - دیوان خانے کا حال محلسرا سے بدتر ہے مین مرنے سے نہین ڈرتا فقدان راحت سے گھبرا گیا ہون - چھت چھلنی ہو گئی ہے - ابر دو گھنٹے برسے تو چھت چار گھنٹے برستی ہے -

نواب علاء الدین خان اور اُنکے والد نواب امین الدین خان مین کچھ شکر رنجی ہے -

باپ ولی آئے ہین اور بیٹے کو لوہارو چھوڑ آئے ہین۔ مرزا نواب علاء الدین خان کو خط مین لکھتے ہین۔ سُنا گیا کہ نواب امین الدین خانصاحب نے اپنی کوٹھی مین نزول اجلال کیا۔ پھر دن رہے ازراہ مہربانی ناگاہ میرے ہان تشریف لائے مین نے تمہین پوچھا کہ وہ کیون نہین آئے۔ بھائی صاحب بولے کہ جب مین یہان آیا تو کوئی وہان بھی لوٹ رہے۔ اس سے علاوہ وہ اپنے بیٹے کو بہت چاہتے ہین۔ مینے کہا اتنا ہی جتنا تم اُسکو چاہتے ہو۔ ہنسنے لگے۔ غرضکہ مین نے بظاہر اُنکو تم سے اچھا پایا۔ آگے تم لوگون کے (یعنی احمد بخش خانیون کے) دلون کا اللہ مالک ہے۔

ایک دفعہ کثرت اخراجات سے تنگ آکر بعضے خرچ بند کر دئے ہین۔ یہانتک کہ شراب پینا بھی چھوڑ دیا ہے نواب علاء الدین خان نے اپنے والد کے اشارے سے اسکا سبب دریافت کیا اور مولوی حمزہ خان کی طرف سے بطور نصیحت کے مرزا صاحب کو یہ شعر لکھا ہے۔ چون پیر شدی حافظ از میکدہ بیرون شو۔ اُسکا جواب اسطرح لکھتے ہین۔ بھائی کو سلام کہنا اور کہنا کہ صاحب وہ زمانہ نہین ہے کہ اِدہر متھرا داس سے قرض لیا اُدہر درباری مل کو جا مارا۔ اِدہر خوب چند چین سُکھ کی کوٹھی جا لوٹی۔ ہر یک پاس تمسک ہری موجود۔ شہد لگاؤ اور چاٹو نہ مولی نہ سوداس سے بڑھکر یہ بات کہ روٹی کا خرچ بالکل پیچھے کے سر۔ با این ہمہ کبھی خان نے کچھ دیدیا کبھی الور سے کچھ دلوا دیا۔ کبھی مان نے کچھ آگرے سے بھیجدیا۔ اب مین اور باسٹھ روپے آٹھ آنے کلکٹری کے سو روپے رام پور کے قرض دینے والا ایک مختار کار۔ وہ سود ماہ بماہ لیا چاہے۔ مول تین قسط اُسکو دینی پڑی انکم ٹکس جدا چوکیدار جدا سود جدا مول جدا۔ بی بی جدا۔ بچے جدا۔ شاگرد پیشہ جدا۔ آمد وہی ایک سو باسٹھ ۱۶۲۔ تنگ آگیا۔ گذارا مشکل ہوگیا۔ روزمرہ کا کام بند رہنے لگا۔ سوچا کہ کیا کرون کہان سے گنجایش نکالون۔ قہر درویش بجان درویش۔ صبح کی تبرید متروک۔ چاشت کا گوشت آدھا۔ رات کی شراب وگلاب موقوف۔ بیس بائیس روپے ستھائی۔ روزمرہ

کا خرچ چلا۔ یاروں نے پوچھا تبریدو شراب کب تک نہ پیوگے۔ کہا گیا کہ جب تک وہ نہ پلائیں گے۔ پوچھا کہ نہ پیوگے تو کس طرح جیوگے۔ جواب دیا کہ جس طرح وہ چلائیں گے۔ بارے مہینہ پورا نہیں گذرا تھا کہ رامپور سے علاوہ وجہ مقرری کے اور روپیہ آگیا۔ قرض مقسط ادا ہوگیا۔ متفرق رہا خیر ہے صبح کی تبرید رات کی شراب جاری ہوگئی گوشت پورا آنے لگا۔ چونکہ بھائی نے وجہ موقوفی وجہ جاری پوچھی تھی انکو یہ عبارت پڑھا دینا۔

ایک خط میں تعلقات خانہ داری کی اس طرح شکایت کرتے ہیں۔ سنو عالم دو ہیں ایک عالم ارواح اور ایک عالم آب و گل۔ حاکم ان دونوں عالموں کا وہ ایک ہے جو خود فرماتا ہے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ اور پھر آپ ہی جواب دیتا ہے لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ ہر چند قاعدہ عام یہ ہے کہ عالم آب و گل کے مجرم عالم ارواح میں سزا پاتے ہیں لیکن یوں بھی ہوا ہے کہ عالم ارواح کے گنہگار کو دنیا میں بھیجکر سزا دیتے ہیں۔ چنانچہ میں آٹھویں رجب ۱۲۱۲ھ میں روبکاری کے واسطے یہاں بھیجا گیا (یعنی پیدا ہوا) تیرہ برس حوالات میں رہا۔ ساتویں رجب ۱۲۲۵ھ ہجری کو میرے واسطے حکم دوام حبس (یعنی نکاح) صادر ہوا۔ ایک بیڑی میرے پاؤں میں ڈالدی اور دلی شہر کو زندان مقرر کیا۔ اور مجھے اس زندان میں ڈالدیا۔ فکر نظم و نثر کو مشقت ٹھہرایا۔ برسوں کے بعد میں جیلخانہ سے بھاگا تین برس بلا شرقیہ میں پھرتا رہا۔ پایان کار مجھے کھٹکے سے پکڑ لائے اور پھر اسی محبس میں بٹھا دیا۔ جب دیکھا کہ یہ قیدی گریز پا ہے دو ہتکڑیاں اور بڑھا دیں۔ پاؤں بیڑی سے فگار ہاتھ ہتکڑیوں سے زخم دار۔ مشقت مقرری اور مشکل ہوگئی۔ طاقت یک قلم زائل ہوگئی۔ بجیا ہوں۔ سال گذشتہ بیڑی کو زاویہ زندان میں چھوڑ مع دونوں ہتکڑیوں کے بھاگا۔ بیٹھر مراد آباد ہوتا ہوا رامپور پہنچا۔ کچھ دن کم دو مہینے وہاں رہا تھا کہ پھر پکڑا آیا۔ اب عہد کیا کہ پھر نہ بھاگوں گا۔ بھاگوں کیا۔ بھاگنے کی طاقت بھی تو نہ رہی۔ حکم رہائی دیکھئے کب صادر ہو۔ ایک ضعیف سا احتمال ہے کہ اس ماہ ذی الحجہ میں چھوٹ جاؤں۔ بہر تقدیر

بعد رہائی کے تو آدمی سوائے اپنے گھر کے اور کہین نہین جاتا۔ مین بعد نجات سیدھا عالم ارواح کو چلا جاؤن گا۔

الغرض مرزا کے خطوط و رقعات مین ایسے خطوط بہت کم نکلین گے جن مین اس قسم کی ظرافت اور ہنسی کی باتین مندرج نہون۔ یہانتک کہ رنج و افسردگی کا بیان بھی اس قسم کی چہیڑ سے خالی نہین ہوتا۔

منشی نبی بخش مرحوم کو لکھتے ہین۔ بھائی صاحب مین بھی تمہارا ہمدرد ہوگیا۔ یعنی منگل کے دن ۱۸۔ ربیع الاول کو شام کے وقت میری وہ پھپھی کہ بچپن سے آجتک اُسکو ماں سمجھا تھا اور وہ بھی مجکو بیٹا سمجھتی تھی مرگئی آپکو معلوم رہے کہ یہ سون میرے گویا نو آدمی مرے۔ تین پھپھیان اور تین چچا اور ایک باپ اور ایک دادی اور ایک دادا یعنی اس مرحومہ کے ہونے سے مین جانتا تھا کہ یہ نو آدمی زندہ ہین۔ اور اُسکے مرنے سے جانا کہ یہ نو آدمی آج ایک بار مرگئے۔

فتح دہلی کے بعد جو شہر مین سناٹا ہوگیا ہے اُسکی کیفیت ایک خط مین منشی ہرگوپال تفتہ کو اس طرح لکھتے ہین۔ صاحب تم جانتے ہو کہ یہ معاملہ کیا ہے اور کیا موقع ہوا۔ وہ ایک جنم تھا کہ جس مین ہم تم باہم دوست تھے اور طرح طرح کے ہم مین تم مین معاملات مہر و محبت درپیش آئے۔ شعر کے دیوان جمع کئے اُسی زمانے مین ایک اور بزرگ تھے کہ وہ ہمارے تمہارے دوست تھے اور منشی نبی بخش اُنکا نام اور حقیر تخلص تھا۔ ناگاہ نہ وہ زمانہ رہا نہ وہ اشخاص نہ وہ معاملات نہ وہ اختلاط نہ وہ انبساط۔ بعد چند مدت کے پھر دوسرا جنم ہمکو ملا۔ اگرچہ صورت اس جنم کی بعینہ مثل پہلے جنم کے ہے۔ یعنی ایک خط مین نے منشی نبی بخش صاحب کو بھیجا۔ اُسکا جواب مجکو آیا۔ اور ایک خط تمہارا کہ تم بھی موسوم بہ منشی ہرگوپال و متخلص بہ تفتہ ہو آج آیا۔ اور مین جس شہر مین ہون اُسکا نام بھی دلی اور اس محلے کا نام بھی بلی ماروں کا محلہ ہے۔ لیکن ایک دوست اُس جنم کے دوستون مین سے نہین پایا جاتا واللہ ڈھونڈتے

کو مسلمان اس شہر مین نہین ملتا۔ کیا امیر کیا غریب کیا اہل حرفہ اگر کچھہ ہین تو باہر کے ہین ہنوز البتہ کچھہ کچھہ آباد ہو گئے ہین۔

بعض خطوط مین یاس و حسرت و افسردگی اور دنیا کی بے ثباتی و بے اعتبائی کا بیان نہایت موثر طریقے مین کیا ہے جس سے اُنکے خیالات معلوم ہوتے ہین مثلاً۔

ایک خط مین لکھتے ہین ناتوانی زور پر ہے بڑھاپے نے تمکا کر یا ضعف ہستی کا ہلی گرانجانی نے رکاب مین پاؤن ہے باگ پر ہاتھہ ہے۔ بڑا سفر دور و دراز درپیش ہے۔ زاد راہ موجود نہین۔ خالی ہاتھہ جاتا ہون۔ اگر نا پرسیدہ بخش دیا تو خیر اور اگر باز پرس ہوئی تو مستقر مقر ہے اور ہاویہ زاویہ ہے دوزخ جاوید ہے اور ہم ہین۔ ہاے کسی کا کیا اچھا شعر ہے۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہین کہ مر جائین گے　　مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائین گے

ایک اور خط مین منشی ہرگوپال کو لکھتے ہین۔ تمہشق سخن کر رہے ہو اور مین مشق فنا مین مستغرق ہون بوعلی سینا کے علم اور نظیری کے شعر کو ضائع اور بے فائدہ اور موہوم جانتا ہون زیست بسر کرنے کو کچھہ تھوڑی سی راحت درکار ہے باقی حکمت اور سلطنت اور شاعری اور ساحری سب خرافات ہے ہندؤن مین اگر کوئی اوتار ہوا تو کیا۔ اور مسلمانون مین نبی ہوا تو کیا۔ دنیا مین نام آور ہوے تو کیا اور گمنام جیئے تو کیا کچھہ معاش ہو کچھہ صحت جسمانی باقی سب وہم ہے اے یار جانی۔ ہر چند وہ بھی وہم ہے مگر مین ابھی اسی پایہ پہ ہون۔ شاید آگے بڑھکر یہ پردہ بھی اُٹھہ جاے اور وجہ معیشت اور صحت و راحت سے بھی گذر جاؤن۔ عالم بیرنگی مین گذر پاؤن جس سناٹے مین ہون وہان تمام عالم بلکہ دونون عالم کا پتہ نہین۔ ہر کسی کا جواب مطابق سوال کے دے جاتا ہون۔ یہ دریا نہین سراب ہے۔ ہستی نہین پندار ہے۔ ہم تم دونون اچھے خاص شاعر ہین مانا کہ سعدی و حافظ کے برابر مشہور ہوے اُنکو شہرت سے کیا حاصل ہوا کہ ہمکو تمکو ہوگا۔

مرزا نے بعض اردو خطوط مین اور خاصکر اردو تقریظون مین مسجع عبارت لکھنے کا التزام کیا ہے۔ اگرچہ اس زمانے مین ایسا التزام تکلفات بارده مین شمار کیا جاتا ہے خصوصاً اردو جو بمقابلہ عربی یا سنسکرت وغیرہ کے ایک نہایت محدود زبان ہے وہ اس قسم کے تصنع اور مشاطگی کی متحمل نہین معلوم ہوتی۔ مگر مرزا نے جس قسم کی مسجع عبارت اردو خطوط یا تقریظون وغیرہ مین لکھی ہے اسپر یہ گرفت مشکل سے ہوسکتی ہے۔ عربی۔ اور سنسکرت زبان کے سوا اور زبانون کی مسجع نثرون مین عموماً یہ عیب ہوتا ہے کہ دوسرے فقرے مین جو پہلے فقرے کی رعایت سے خواہ نخواہ قافیہ تلاش کرنا پڑتا ہے تو اسمین تصنع اور آورد کا رنگ پیدا ہوجاتا ہے اور اسلئے پہلے فقرے کے مقابلے مین دوسرا فقرہ کمزور ہوجاتا ہے۔ مگر مرزا کی مسجع نثر مین یہ بات بہت کم رہتی ہے۔ دوسرے فقرے مین تقریباً وہی بے تکلفی پائی جاتی ہے جیسی پہلے فقرے مین۔ اور یہ بات اسی شخص سے بن پڑتی ہے جو باوجود خوش سلیقگی اور لطف طبیعت کے شاعری مین غایت درجہ کا کمال رکھتا ہو اور وزن و قافیہ کی جانچ اور تول مین ایک عمر بسر کرچکا ہو۔ یہان اسکی مثالین لکھنے کی ضرورت نہین ہے۔ مرزا کے اردو رقعات مین اسکی مثالین بکثرت موجود ہین۔ مگر یہ معلوم رہے کہ مقفیٰ عبارت مرزا خاصکر ان خطون مین لکھتے تھے جنسے ہنسی ظرافت اور مخاطب کا خوش کرنا مقصود ہوتا تھا ورنہ واقعات کا بیان مصائب کا ذکر یا تعزیت یا ہمدردی کا اظہار ہمیشہ سیدھی سادی نثر جاری مین کرتے تھے۔ مثلاً سید یوسف مرزا کو انکے باپ کی تعزیت مین لکھتے ہین۔

یوسف مرزا کیونکر تجکو لکھون کہ تیرا باپ مرگیا۔ اور اگر لکھون تو آگے کیا لکھون کہ اب کیا کرو۔ مگر صبر یہ ایک شیوۂ فرسودہ ابنائے روزگار ہے۔ تعزیت یون ہی کیا کرتے ہین اور یہی کہا کرتے ہین۔ صبر کرو۔ ہائے۔ ایک کا کلیجہ کٹ گیا ہے اور لوگ اسے کہتے ہین کہ تو نہ تڑپ بھلا کیونکر نہ تڑپے گا۔ صلاح اس امر مین نہین بتائی جاتی دعا کو دخل نہین۔ دوا کا لگاؤ نہین۔ پہلے بیٹا مرا۔ پھر باپ مرا۔ مجھسے اگر کوئی پوچھے کہ بے سروپا کسکو کہتے ہین

تو مین کہونگا یوسف مرزا کو۔ تمہاری دادی لکھتی ہین کہ رہائی کا حکم ہو چکا تھا۔ اگر یہ بات سچ ہے تو جو امر دو ایک بار دونون قیدون سے چھوٹ گیا۔ نہ قید حیات رہی نہ قید فرنگ۔

انہین کو بیٹے کی تعزیت اس طرح لکھتے ہین۔ اے میری جان۔ اے میری آنکھو وہ خدا کا مقبول بندہ تھا۔ وہ اچھی روح اور اچھی قسمت لیکر آیا تھا یہان رہکر کیا کرتا۔ ہرگز غم نکرو اور اگر ایسی ہی اولاد کی خوشی ہے تو ابھی تم خود بچے ہو خدا تمکو جیتا رکھے۔ اولاد بہت۔ نانا۔ نانی کے مرنیکا ذکر کیون کرتے ہو وہ اپنی اجل سے مرے ہین۔ بزرگون کا مرنا بنی آدم کی میراث ہے۔ کیا تم یہ چاہتے تھے کہ وہ اس عہد مین ہوتے اور اپنی آبرو کھوتے۔ ہان مظفر الدولہ کا غم منجملہ واقعات کربلائے معلی ہے۔ یہ داغ جیتے جی نہ مٹیگا۔

مرزا نے چند تقریظین اور دیباچے بھی اردو زبان مین لکھے ہین اور ان سب مین مسجع اور مقفی عبارت لکھنے کا التزام کیا ہے۔ جو بے تکلفی اور صفائی مرزا کے خطوں مین پائی جاتی ہے وہ ان تقریظون اور دیباچون مین نہین ہے۔ خصوصاً مسجع کی رعایت نے ان مین آورد اور تصنع کا رنگ زیادہ پیدا کر دیا ہے۔ لیکن مرزا کو اس مین معذور سمجھنا چاہیے جو لوگ تقریظون اور دیباچون کی فرمایش کرتے تھے وہ بغیر ان تکلفات بارده کے ہرگز خوش ہونے والے نہ تھے۔ جو طریقہ اس زمانے مین ریویو لکھنے کا نکلا ہے اسکو اب بھی بہت کم لوگ ناپسند کرتے ہین۔ اور مرزا کے وقت مین تو اسکا کہین نام و نشان بھی نہ تھا۔ بلا ایں ہمہ ان مین سے بعض نثرین مرزا کی روش خاص مین نہایت ممتاز ہین۔

(مولوی الطاف حسین حالی)

شمس العلما مولانا حافظ نذیر احمد دہلوی

پیدائش نگینہ ضلع بجنور ۱۸۳۶ء وفات دہلی ۱۹۱۲ء

۶۔ دسمبر ۱۸۳۶ء روز سہ شنبہ کو نواح تحصیل نگینہ ضلع بجنور مین پیدا ہوے

اپنے والد مولوی سعادت علی کے ہمراہ بنارس شہر بجنور مین رہتے تھے۔ مگر سن تمیز کو پہونچنے کے بعد سے برابر دہلی ہی مین رہے۔

آپنے فارسی کتابین اپنے والد ہی سے پڑھین۔ عربی کی ابتدائی کتابین مولوی نصر اللہ خان سے اُسکے بعد مولوی عبد الخالق صاحب سے پڑھین جنوری ۱۸۴۵ء مین دہلی کالج مین داخل ہوئے۔ کالج مذکور سے نکلنے کے بعد ابتداءً آپ ضلع گجرات کے ایک اسکول مین [illegible] ملازم ہوئے ۱۸۵۳ء مین دو برس کے بعد وہ ملازمت ترک کرکے کانپور کے ڈپٹی انسپکٹر ایس کے رشتہ پر مقرر ہوئے ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد آپ الہ آباد کے ڈپٹی انسپکٹر مدارس مقرر ہوئے۔ عبد اللہ خان ایس عدالت کے مکان پر آپکا قیام تھا انہین کی تحریک سے آپنے انگریزی شروع کردی۔ اور اُسکو بقدر ضرورت خوب حاصل کرلیا حیدر آباد مین جاکر آپنے تلنگی سیکھی۔ پیرانہ سالی مین دہلی مین آپنے سنسکرت پڑھی۔

آپنے گورنمنٹ کے حکم سے انکم ٹکس اور تعزیرات ہند کا ترجمہ انگریزی سے اردو مین کیا۔ اس صلہ مین آپکو ۱۸۶۱ء مین کانپور کی تحصیلداری ملی۔ اُسکے بعد آپنے ضابطہ فوجداری و قانون شہادت کا ترجمہ کیا اس صلہ مین ۱۸۶۳ء مین کانپور ہی مین آپ ڈپٹی کلکٹر ہوئے وہان سے گورکھپور جالون اعظم گڈھ وغیرہ تبدیل ہوتے رہے۔

نواب محسن الملک اور نواب عماد الملک مولوی سید حسن صاحب بلگرامی کی تحریک سے سر سالار جنگ نے ۱۸۷۷ء مین آپکو حیدر آباد مین طلب کیا۔ وہان ایک ہزار تنخواہ دو سو چالیس بہتہ پر ایک بڑے عہدہ سے سرفراز ہوئے۔ وہان کا کام نہایت خوبی سے انجام دیکر سبکدوش ہوئے دہلی مین آکر خانہ نشین ہوئے۔ ۲۸۔ اپریل روز جمعہ ۱۹۱۲ء کو ۸ بجے دن کو بعارضہ فالج انتقال ہوا۔

آپنے اردو زبان کو بہت بڑی مدد پہونچائی آخر وقت تک تالیف و تصنیف سے آپکا قلم نہین رکا۔ منتخب الحکایات۔ چند بند۔ توبۃ النصوح۔ مرآۃ العروس۔ نبات النعش۔ ابن الوقت۔ محصنات۔ رویائے صادقہ۔ الحقوق والفرائض۔ ترجمۃ القرآن۔ موعظۃ حسنہ۔ اور بہت سی کتابین اور لکچر اور سپیچین آپکی یادگار ہین۔

آپکی تحریر مین سادگی ہے۔ امثال و محاورات کا استعمال زیادہ کرتے ہین

لہذا مذہب کو محکوم عقل بنانا سخت غلطی ہے۔

بلاشبہ مبدأ فیاض نے انسان کو ظاہری اور باطنی جتنی قوتین دی ہین سب مین عقل بڑی زبردست ہے۔ اور وہی مدار تکلیف شرع بھی ہے۔ لیکن بیش برین نیست کہ عقل بھی ایک قوت ہے۔ اور جس طرح انسان کی دوسری قوتین محدود اور ناقص ہین اسی طرح عقل بھی محدود اور ناقص ہے۔ مثلاً آنکھ کہ ایک خاص فاصلے پر دیکھ سکتی ہے اس سے باہر نہین۔ پھر بے روشنی کے کام نہین دیتی۔ اجسام کثیف مین نفوذ نہین کرتی۔ اگر دیکھنے والا متحرک ہو (مثلاً فرض کرو کہ کشتی یا ریل مین ہو) تو وہ الٹا ٹھہری ہوئی چیزون کو متحرک دیکھتا ہے اور اپنے تئین ٹھہرا ہوا تیز حرکت مین مشکل معلوم ہوتی ہے۔ جیسے لڑکے گلٹی سے کھیلتے ہین۔ پیالے مین تھوڑا سا پانی بھر کر لکڑی کھڑی کرین تو لچکی ہوئی دکھائی دے گی شفاف پانی کی تہ کی چیزین اوپر کو ابھری ہوئی نظر آتی ہین۔ اور اسی طرح کی اور بہت سی غلطیان نظر سے ہوتی ہین۔ جنکی تفصیل علم مناظر مین موجود ہے۔ غرض جس طرح مثلاً ہماری قوت باصرہ محدود اور ناقص ہے اسی طرح عقل کی رسائی کی بھی ایک حد ہے۔ وہ بھی نقصان سے بری نہین۔ اور اس سے بھی غلطیان ہوتی ہین۔ غلطی کے لئے اختلاف رائے کی دلیل کافی ہے ہندسہ کے علاوہ جسکے اصول بدیہیات پر مبنی ہین (اور اسی وجہ سے اسمین اختلاف ہو نہین سکتا) ڈاکٹر۔ فلسفی۔ جج۔ ہیئت دان۔ مدبران ملک۔ اہل مذہب۔ وغیرہ وغیرہ سبھی کو دیکھتے ہین کہ ایک دوسرے سے لڑتے مرتے ہین منطق کے قاعدے منضبط ہوئے مناظرے کے اصول ٹھہرائے گئے مگر اختلاف نہ کم ہوا اور نہ تا قیامت کم ہو۔

جب ہست و نیست کا اختلاف ہو تو ضرور ایک بر سر غلط ہے۔ اگرچہ عقل انسانی کا نقصان اختلاف رائے سے بھی مستنبط ہو سکتا ہے۔ مگر ہم ذرا اسکو تفصیل کے ساتھ بیان کرنا چاہتے ہین۔ دو ڈھائی سو برس کے عرصے مین اہل یورپ کو سیکڑون باتین ایسی دریافت ہوئین کہ کسی کو کیمیا کا حکمی نسخہ مل گیا ہوتا اور وہ اس کو عام بھی کر دیتا تو اتنا فائدہ نہ پہونچتا

جتنا کہ ان ماڈرن ڈسکوریز یعنی زمانہ حال کی دریافتون سے ہوا - اور جن اقبالمندون کو خدا نے واقعات اور موجودات نفس الامری مین غور و خوض کرنے کی دہن لگا دی ہے خدا اُنکی کوششون کو مشکور و کامیاب کرتا ہے - بحر بے پایان موجودات مین غوطے لگا رہے ہین - اور معلومات جدید کے بے بہا موتی ہین کہ برابر نکلے چلے آتے ہین - ان ماڈرن ڈسکوریزمین سے زیادہ نہین صرف ایک چیز عام فہم لو جس سے انگریزون کے طفیل مین ہم بھی فائدہ اُٹھا رہے ہین - ریل - اب ہم پوچھتے ہین کہ دنیا مین گھر گھر آگ تھی - گھر گھر ہنڈیان پکتی تھین - ہر ہر متنفس بھاپ سے بخوبی واقف تھا - سیکڑون ہزارون برس پہلے سٹیم (بھاپ) کی طاقت کیون معلوم نہین ہوئی - اور یہی سوال ہر ڈسکوری کی بابت ہو سکتا ہے جو اب تک ہوئی یا آئندہ کسی وقت مین ہو -

سر اسحٰق نیوٹن جسکو سب سے پہلے مسئلہ کشش کا الہام ہوا کہتا تھا کہ خدا کی بے انتہا قدرت کے سمندر مین بے شمار موتی بھرے پڑے ہین اور مین تو ابھی کنارے پر بیٹھا ہوا بچون کی طرح سیپیان اور گھونگے جمع کر رہا ہون - یہ مقولہ تھا اُس شخص کا جسنے زمین اور آسمان کے قلابے ملا کر نظام بطلیموس کی جگہ اپنا نظام قایم کیا - اور آج سارا یورپ اُس کے نام پر فخر کرتا ہے -

جسکو خدا نے عقل دی ہے وہ تو یون اپنی عقل کی نارسائی کا اعتراف کرتے ہین اور ایک ہمارے زمانے کے انگریزی خوان ہین کہ سیدھی سی اقلیدس کی نئی شکل پوچھو تو بغلین جھانکنے لگین اور لن ترانیان یہ کہ ہمچو ما دیگرے نیست - پس جون جون زمانہ ترقی کرتا جاتا ہے عقل انسانی کا قصور ہے کہ کہلتا چلا جاتا ہے - اب سے زیادہ نہین صرف ڈیڑھ سو برس پہلے کسی کی عقل مین یہ بات آسکتی تھی کہ مہینون کی مسافت ہم گھنٹون مین طے کر سکین گے - یا ہزار ہا کوس کا حال چند لمحے مین معلوم کر لیا کرینگے - یا آگ سے برف جمائین گے - یا کپڑے کی کل مین کپاس بھر کر اچھے خاصے دُھلے دھلائے تہ کئے ہوئے

نشان نکال لیا کرینگے - اور ابھی کیا معلوم کہ ہم کیا کیا کر سکینگے - مگر پھر بھی رہینگے آدمی عاجز - ناچیز - بے حقیقت - بھلا آدمی کیا عقل پر ناز کریگا - جبکہ اسکو پاس کے پاس اتنا تو معلوم ہی نہین کہ روح کیا چیز ہے اور اسکو جسم کے ساتھ کس طرح کا تعلق ہے -

وقت کے ازلی ابدی ہونے پر خیال کرتے ہین تو انسان کی ہستی ایسی بے ثبات دکھائی دیتی ہے جیسے دن رات مین ایک طرفۃ العین بلکہ اس سے بھی کم - اور اس ہستی پر انسان کے یہ ارادے اور یہ حوصلے کہ گویا زمین اور آسمان مین سمانا نہین چاہتا - پھر کیسے کیسے لوگ ہو گذرے ہین کہ اس سرے سے اس سرے تک ساری زمین کو ہلا مارا اور مر گئے تو کچھ بھی نہین ایک تودہ خاک - آخر وہ کیا چیز تھی جو ان مین سے نکل گئی حیوانات نباتات لاکھون قسم کی مخلوقات کا ایک چکر سا بندھا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ زمین سے پیدا ہوتے اور پھر اسی مین فنا ہو جاتے ہین کسی کی عقل کام کرتی ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور کس غرض سے ہو رہا ہے - جان تو ایک قسم کی نباتات مین بھی ہے مگر جانورون کے بہت سے افعال انسان سے ملتے ہوئے ہین - بلکہ بعض حیوانات بعض باتون مین انسان پر بھی شرف رکھتے ہین - مگر ہم دیکھتے ہین تو انکے تمام کمالات وہبی اور فطری ہین - پھر وہ کون سی تکمیل ہے جس کے لئے انکو یہ ہستی دی گئی -

انگریزون نے تحقیقات کا کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھا مگر شروع سے اب تک کسی ایک جگہہ یا کسی ایک چیز یا کسی ایک بات کا مسلسل پتہ نہ چل سکا - زمانۂ حال سے جس قدر پیچھے کو دور ہوتے جاتے ہین منظر تاریخ دھندلا ہوتا چلا جاتا ہے - یہان تک کہ آپ سے چار پانچ ہزار برس پہلے کا کسی کو کچھ حال ہی نہین معلوم کہ دنیا کا کیا رنگ تھا - عقل انسانی کی نارسائی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ آج تک کسی چیز کی ماہیت حقیقت ہی منکشف نہین ہوئی - جانا تو کیا جانا - عرض وہ بھی شاید نی صدد - مثلاً پانی کہ ہم اسکا اتنا ہی حال جانتے ہین کہ سیال (بہنے والا) ہے جو شکل چاہو آسانی سے قبول کر لیتا ہے - آمیزش سے پاک ہو تو شفاف ہے نشیب کے

طرف کو بہتا ہے۔ وزن مخصوص کے قاعدے سے ۳۳ فٹ سے زیادہ ہوا مین بلند نہین ہوسکتا۔ حرارت کے اثر سے ہوا بن جاتا ہے۔ باگر علم طبعی کے کسی ماہر سے پوچھو تو شاید دو چار خواص اور بیان کر سکے گا۔ مگر یہ سب آثار ہین نہ ماہیت۔ ماہیت کا نام آیا اور عقل گم ہوئی۔

بات کیا ہے کہ دنیا ہے عالم اسباب یہان واقعات کا ایک سلسلہ ہے ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا واقع ہوتا رہتا ہے۔ ہم واقعہ متقدم کو سبب اور علت کہتے ہین اور واقعہ متاخر کو مسبب اور معلول نتیجہ۔ اگرچہ سبب کے قرار دینے مین اکثر چند در چند غلطیان ہوتی ہین مگر فرض کرو کہ ہم سبب کے قرار دینے مین غلطی نہ بھی کرین تاہم سبب اور مسبب مین جو علاقہ ہے آجتک اُسکا راز کسی پر نہین کھلا مثلاً جلانا آگ کا خاصہ ہے مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے مگر کوئی نہین بتا سکتا کہ کیون۔ ذرا آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھو تو روے زمین کے سارے ریگستانون مین اتنے ذرے نہ ہونگے جتنے ستارے آسمان مین بھرے پڑے ہین۔ پھر یہ ستارے دیکھنے مین چھوٹے چھوٹے نقطے سے نظر آتے ہین اور درحقیقت ایک ایک بجاے خود ایک جہان ہے کہ ہماری زمین کی اُس کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہین۔ غرض سوچنے سمجھنے والے کو دنیا سرتاسر طلسم حیرت ہے۔

جب دنیاوی امور مین عقل انسانی کی نارسائی کا یہ حال ہو کہ کسی بات کی کنہ کو نہین پہونچ سکتی تو دین مین وہ کیا ہماری راہ بری کریگی۔ ؎

تو کار زمین را نکو ساختی کہ با آسمان نیز پرداختی

یہ دنیا تو پھر بھی عالم شہود ہے۔ ہم اس مین موجود ہین اور اس کو اپنی آنکھون سے دیکھتے اور تھوڑا بہت اس مین تصرف بھی کر سکتے ہین اور کرتے ہین۔ دین خبر دیتا ہے کہ اس دنیا کے سواے ایک جہان اور ہے یہ ظاہر ہے وہ غائب یہ فانی ہے وہ باقی یہ مجاز ہے وہ حقیقت۔ یہ تمہید ہے وہ نفس مطلب۔ یہ امتحان ہے وہ نتیجہ۔ یہ سفر ہے وہ منزل مقصود یہ خواب ہے وہ تعبیر۔ یہ افسانہ ہے وہ حق الامر۔ ظاہر ہے کہ عقل انسانی کو اُس جہان کے

متعلق کچھ بھی نہین جاننا چاہیئے - کیونکہ وہ اس کی منتہاے رسائی سے بہت دور پڑے ہین لیکن خدا کی بے انتہا مہربانی سے بعید تھا کہ انسان جو اُس کی مخلوقات مین سب سے افضل ہے اُس جہان سے بالکل بے خبر رہے - اور جس طرح اُس نے اور چیزون کو دوسرے خواص بخشے ہین عقل انسانی کو نیک و بد کی تمیز عطا فرمائی کہ جاہل سے جاہل اور وحشی سے وحشی بھی بھلائی کی طرف راغب ہے - نہ کسی دنیاوی مفاد کی طمع سے - اور برائی سے ہارب (بھاگنے والا) ہے نہ کسی نقصان کے خوف سے بلکہ گویا انسان کا دل مقناطیسی سوئی ہے اور نیکی شمال کی سمت - پس اُس جہان کے متعلق رسائی معلومات واقفیت جو کچھ سمجھو یہ انسانی فطرت ہے کہ آدمی بالطبع نیکی کو پسند اور بدی کو ناپسند کرتا ہے - پھر انسان کی عقل اپنی طرف سے کچھ کمی نہین کرتی - بھتیرا دور مارتی ہے کہ وہان کی حقیقت دریافت کرون مگر کچھ پتہ نہین چلتا - ؎

حالِ عدم نہ کچھ کھلا گزرے ہے زندگان کیا　　کوئی حقیقت آن کر کہتا نہین بڑی بھلی

نیکی بدی کی امتیاز کے ساتھ اس کو اتنی بات اور بھی سوجھتی ہے کہ انسان کے ہر ایک فعل کو ایک نتیجہ لازم ہے - اگرچہ بسا اوقات بعض افعال کے نتائج اسی دنیا مین واقع ہو جاتے ہین - مگر بعض کے نہین بھی ہوتے - اور ہم دیکھتے ہین کہ دنیاوی نتائج کے علاوہ طبیعتین کسی اور نتیجے کی بھی منتظر رہتی ہین - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک جہان اور ہونا چاہیئے - اور اُسکی ضرورت ہے - اور نہین معلوم کیا سبب ہے کہ دل خود بخود اندر سے گواہی دیتا ہے کہ مرنے سے تو ہمارا پیچھا چھوٹتا ہوا نظر نہین آتا - مرے پیچھے ہم کسی حالت مین رہین مگر رہین گے ضرور - پس یہان تک عقل کی پرواز تمام ہوئی ؎

اگر یک سر موے برتر پرم　　فروغ تجلی بسوزد پرم

مگر اس سے تو کچھ بھی کشود کار نہ ہوا - دل جو اُس کے جہان کے تفصیلی حالات کے مشتاق تھے بدستور جویا کے جویا رہے - اب دین کے سرحد مین آگے بڑھنا چاہتے ہو

تو چراغ عقل کو گل کر دو اور آفتاب جہان تاب کلام الٰہی کو اپنا ہادی اور راہنما قرار دو۔

(نذیر احمد دہلوی)

کارخانۂ عالم

یعنی دنیا کی تمام مخلوقات پر غائر نظر ڈالکر اُس صانع مطلق کی حیرت انگیز صنعت اور کاریگری کو دیکھ کر خداوند عالم کی ہستی اور وجود کا قائل ہونا چاہیئے۔ اور یہ سمجھنا چاہیئے کہ اُسی خالق یکتا نے ہم سب کو نیست سے ہست کیا۔ معدوم سے موجود کیا۔ وہی باقی ہے اور سب چیزیں فانی۔ اُسکی ہستی سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔

دنیا کا ایک بڑا بھاری عظیم الشان کارخانہ ہے کہنے کو محدود ہے مگر کسی نے اسکی انتہا نہیں پائی۔ اس کارخانہ کے مقابلے میں زمین کی بابین وسعت اتنی بھی تو حقیقت نہیں جیسے بڑے سے بڑے پہاڑ کے آگے ایک ذرے کی۔ اگر علم ہیأت کی سب باتیں سچی ہیں اور جب مشاہدات اور اصول ہندسہ پر مبنی ہیں تو انکو غلط ہی کون کہہ سکتا ہے تو چار و ناچار انسان کو اپنی درماندگی کا نارسائی اور بے حقیقتی کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ ہزار دس ہزار بیس ہزار پچاس ہزار لاکھ کوس تک کا بھی خیر ہم یوں ہی سا کچھ اندازہ کرسکتے ہیں۔ مہا سنگھ و مہا سنگھ کوسوں کے سمجھنے کو کسی کی اٹکل لائیں۔ بھلا کچھ ٹھکانا ہے ان دوریوں کا کہ زمین پر سے گولہ چھوٹے اور شبانہ روز متصل ایک رفتار سے سیدھا چلا جائے تو انیس برس میں جاکر آفتاب تک پہونچے۔ اللہ اکبر جل شانہ۔ بڑے سے بڑے پلے کی دوربینیں ایجاد ہوئیں مگر ہم نے اجرام فلکی کا کیا دیکھا ایک جھلک وہ بھی اُن معدودے چند کی جو زمین سے بہ نسبت دوسرے بے شمار اجرام کے قریب ہیں۔ کبھی آسمان خوب صاف ہوتا ہے تو اندھیری رات میں کس کثرت سے ستارے دکھائی دیتے ہیں گویا گہری افشان چھڑکی ہوئی ہے۔ اور اگر کسی طرح اونچے سے اونچے ستارے پر پہونچنا ممکن ہوتا تو وہاں سے بھی جہاں تک اور آگے کو نظر کام کرتی یہی کیفیت دکھائی

دیتی - پھر خدا جانے کتنے کروڑ کوسون کی مسافت ہے کہ ستارے ہمکو ننھے ننھے نقطے دکھائی دیتے ہین - ورنہ جس طرح اسکا یقین ہے کہ دو اور دو چار ہوتے ہین اسی طرح جاننے والون کو اسکا بھی اذعان (یقین) ہونا چاہیے کہ ایک ایک نقطہ بجائے خود جہان ہے - اور جہان بھی کیسا کہ اگر اسکو بڑا مٹکا فرض کرو تو زمین اُسکے سامنے خشخاش کا نہ سہی تو رائی کا دانہ - جو تارے زمین سے زیادہ پاس ہین یعنی اُنکی دوری لاکھون کوس کے پیٹے کے اندر ہی اندر ہے دوربین کی مدد سے اُن کے حالات کسی قدر زیادہ دریافت ہوے ہین - اور پاس پڑوس کی آخر تھوڑی بہت خبر ہونی ہی چاہیے - سمندر جھیلین - پہاڑ - دھوپ چھاؤن ہوا - بادل یہ سب چیزین ان تارون مین صاف دیکھ پڑتی ہین - اس سے اور دوسرے بہت سے قرائن سے علماے ہیات قیاس کرتے ہین اور بجا قیاس کرتے ہین کہ زمین کی طرح ان جہانون مین بھی جان دار آباد ہین یہان عقل انسانی کے اوسان اور بھی گم ہین - بھلا اتنے بے شمار جہانون کی کل مخلوقات کا توہم کیا اندازہ کر سکتے ہین جب کہ ایک زمین کی مخلوقات کی گنتی تو درکنار تمام اقسام تک منضبط نہین -

کسی کتاب مین نظر سے گزرا کہ زمانۂ حال کا کوئی فلسفی خردبین مین پانی کی ایک بوند کو دیکھ رہا تھا سو سے زیادہ طرح کے جاندار تو وہ اس ایک بوند مین بہ مشکل شمار کر سکا آخر تھک کر بیٹھ رہا - ایک بوند مین اتنی مخلوقات ہو تو تمام کرۂ آب مین جو تین چوتھائی زمین کو ڈھانکے ہوے ہے کتنی مخلوقات ہوگی - خدا ہی کو خبر ہے - پھر زمین کے گرداگرد ۴۵ میل کے دل کا کرہ ہے اور اُس مین بھی جاندارون کی ایسی ہی یا اس سے زیادہ کثرت ہے - ہرچند کارخانۂ قدرت الٰہی کی عظمت اور شان فہم بشر سے خارج ہے مگر جس طریق پر مین نے اجمالاً بیان کیا اگر کوئی آدمی متواتر اور متصل مدتون تک غور کرتا رہے تو ضرور اُسکے دل مین اپنی بے حقیقتی اور درماندگی اور بے وقعتی کا تیقن پیدا ہوگا جس کو مین دینداری کی بنیاد یا تمہید سمجھتا ہون -

اسکے بعد ذہن کو اسطرف متوجہ کرنا چاہیئے کہ اتنا بڑا کارخانہ یا ین حکمت کیسی عمدگی اور کیسے انضباط کے ساتھ چل رہا ہے کہ عقل دنگ ہوتی ہے۔ اجرام فلکی کے اتنے اتنے بڑے بے شمار گولے کہ خدا کی پناہ اور خود زمین سب چکر مین ہین۔ خدا جانے کب سے اور کب تک اور نہ آپس مین ٹکراتے ہین نہ بال برابر اپنی رفتار بدلتے ہین۔ اب جو آدمیون کو قاعدہ معلوم ہوگیا ہے تو سیکڑون ہزارون برس پہلے سے پیشین گوئی ہوسکتی ہے کہ فلان ستارہ فلان وقت فلان مقام پر ہوگا۔ اور وہین ہوتا ہے۔ حساب مین اگر غلطی نہ ہو تو منٹ سکنڈ کیسا سکنڈ کے ہزاروین حصے کی قدر بھی آگا پیچھا نہین ہوسکتا۔ یہان روے زمین پر ایک بہنگے۔ ایک دانے۔ ایک پھل۔ ایک پنکھڑی۔ گھاس کے ایک ڈنٹھل چھوٹی سے چھوٹی اور ادنے سے ادنے چیز کو بھی نظر غور سے دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز کی کچھ نہ کچھ غرض وغایت ہے جسکی تکمیل کا پورا پورا سامان اس جز مین موجود ہے۔ مثلاً ریگستانی علاقون مین اونٹ پیدا کیا ہے تو اسکے پانون کے تلوے جوڑے اور اسفنج کی طرح پوے ہین۔ کہ ریت مین نہ دھسین۔ اسکی گردن بہت لمبی ہے تاکہ اونچے درختون کے پتے چر سکے۔ اس کو ایک خاص طرح کا خانہ دار معدہ دیا گیا ہے جس مین کئی کئی ہفتون کے لئے کھانا پانی بھر لیتا ہے۔ کیونکہ جیسے ملک مین وہ پیدا کیا گیا ہے وہان کئی کئی دن متواتر تک پانی جاری کا نہ ملنا کچھ تعجب نہین۔ اسکے علاوہ اس کے پاس کوہان کا گودام ہے کہ اگر اسکو ایک عرصہ خاص تک کھانا پینا کچھ بھی نہ ملے تو کوہان کی چربی بدل ما یتحلل (جو چیز تحلیل ہوتی جائے اسکا بدلہ) کا کام دے۔ ہرن وغیرہ جنگلی جانورون کی ٹانگین پتلی پتلی ہین تاکہ شکاری جانورون سے بچنے کے لئے پھرتی کے ساتھ بھاگ سکین۔ ہاتھی کے ایک سونڈ لٹک رہی ہے جس سے وہ ہاتھ کا کام لیتا ہے۔ پرندون کے جثے سبک ہین تاکہ ہوا مین اڑ سکین۔ دریائی جانورون کے نیچے کھال سے جڑے ہوئے ہین گویا کہ ہر ایک کے پاس قدرتی چپو ہین۔ گوشت خوار جانورون کے پنجے اور

دانت اُنکی غذا کے مناسب ہین - نباتات مین پھل پھول کی حفاظت کے واسطے کانٹے ہین - پوست ہین - خول ہین - سرد ملک کے جانورون کی اون بڑی بڑی اور کہنی ہے کہ جاڑا نہ کھائین - جتنے جاندار معرض تلف مین ہین اُن مین تو اللہ تناسل کی کثرت ہے تاکہ نسل معدوم نہ ہو - مثلاً ایک ایک مچھلی لاکھ لاکھ سے زیادہ انڈے دیتی ہے - آدمی چونکہ بقاے حیات کا سامان عقل کی مدد سے بہم پہونچا سکتا ہے سینگ اور پنجے اور اون اس قسم کے قدرتی سامان اُس کو نہین دیئے گئے - جس ملک مین نباتات کی کثرت ہے وہین برسات بھی زیادہ ہوتی ہے - کیونکہ وہ ملک پانی کا محتاج ہے - انسان اگر اپنی ہی بناوٹ مین غور کرے تو اُس کا ایک ایک رُوان صانع قدرت کی کمال دانش مندی اور عنایت پر گواہی دے رہا ہے - اُس کے جسم مین ایک چھوٹا اور آسان سا پرزہ ہاتھ ہے کہ دنیا مین جسقدر انسان کے تصرفات ہین اور انسان کی بساط پر خیال کرو تو ان تصرفات کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے - سب اسی پرزے کے ہین -

اہل یورپ نے عقل کے زور سے بڑی بڑی عمدہ کلین بنائی ہین - اس مین شک نہین کہ ان کلون سے عقل انسانی کی قوت بڑی شُد و مُد کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے - مگر مجکو بھی دو چار کلون کے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے ایک بکھیڑا ہے کہ ہگھنون زمین پر پھیلا ہے سیکڑون پرزے ہزارہا پیچ بلین پہیئے چرخیان کمانیان خدا جانے دنیا بھر کے کیا کیا سامان جمع کئے ہین - تب کہین جاکر وہ ایک مطلب حاصل ہوتا ہے جسکے لئے کل بنائی گئی ہے - یہ تو آدمی کی بنائی ہوئی کلون کا حال ہے اور ایک ادنیٰ سی کل خدائی بنائی ہوئی ہے یہی آدمی کا ہاتھ کہ ہزارہا قسم کے کام اس سے نکلتے ہین اور ترکیب دیکھو تو ایسی سلیس اور مختصر کہ ایک کفِ دست ہے اور تین تین جوڑ کی پانچ انگلیان اللہ اللہ خیر صلاح - انسان کے بدن مین ایک اور ذرے بھر کی چیز آنکھ ہے اس کی ساخت مین جو اندرونی حکمتین ہین اُن سے بالاستیعاب ایک کتاب بن سکتی ہے - مگر خارج کی احتیاطون کو تو دیکھو

الحمد

کہ پہلے گویا ہڈیون کا کاواک ہے جس مین نگینے کی طرح آنکھ تعبیہ کی ہوئی ہے - اوپر بھون کا چھجے دار سایہ بان سامنے پوٹون کا پردہ - پردے مین پلکون کی جھالر پھر پوٹے کے اندر مسامات ہین جن مین سے آئینہ جسم کے صاف رکھنے کو ہمیشہ ایک خاص طرح کی رطوبت رستی رہتی ہے یہی رطوبت ہے جو زیادہ ہو کر آنسو بن جاتی ہے - جتنی دفعہ انسان پلک جھپکاتا ہے گویا اتنی ہی دفعہ آئینے پر پھیرا پھرتا ہے - گرد اور دھوئین اور کنک کی صورت مین بے اختیار آنسو بہنے لگتے ہین - جس کے یہ معنی ہین کہ پھیرا کافی نہین - بلکہ آئینے کو دھونیکی ضرورت ہے -

میرا تو کیا منہ ہے کہ موجودات عالم مین جو اسرار حکمت مضمر ہین انکا ایک شمہ بھی بیان کرسکون - مگر میری غرض اسی قدر ہے کہ دنیا کے کارخانے کو اس نظر سے دیکھنا چاہیے - کل مین نے آئینہ اللہ کا سبق سنا وہ عجائب قدرت پڑھتا ہے - کسی شخص نے نیچرل فلاسفی (علم طبعی) مین سے بعض بعض مضامین چھانٹ کر اردو مین ترجمہ کر دیئے ہین - اسی مین لکھا تھا کہ مچھر کے موہنے کے آگے جو ایک پتلی سونڈ سی ہوتی ہے وہ حقیقت مین ایک نلوا ہے اس نلوے مین تین اوزار ایک تو سوئی جس کو مچھر مسام انسان مین داخل کرتا ہے ایک آری کہ مسام کو چوڑا کرنے کی ضرورت ہو تو اس سے کام لے اور ایک سیتگی جس کی راہ خون چوستا ہے - اس مین اتنی بات اور بھی تھی کہ اس شکل خاص مین مچھر کی حیات کی مدت صرف تین دن کی ہے - ایک مقام پر تھا کہ تیتری کے ایک پر مین کھپرون کی طرح تیس ہزار دیولیان - اس طرح کی باتون کو اگر انسان سرسری طور پر نہ سنے جیسے کہ اسکی عادت ہے تو ہر ہر فرد اس بات کی گواہی دیگا کہ اسکو کسی بڑے قدرت والے دانشمند ہمہ دان حاضر ناظر سمیع بصیر نے کسی مصلحت سے جان بوجھ کر بنایا ہے ممکن نہین کہ انسان صمیم قلب سے موجودات عالم مین غور اور خوض کرے اور اسکا دل انداد سے نہ بولنے لگے کہ یہ اتنا بڑا کارخانہ بہ این عمدگی و انضباط خود بہ خود یا اتفاقیہ طور پر تو نہین ہوگیا - کیونکہ واقعات اتفاقی کی شان ہی دوسری ہوتی ہے - ان مین قاعدے کا کہان پتہ

اور انضباط کا کیا مذکور۔ اور قاعدہ اور انضباط بھی کیسا کہ دنیا کی ابتدا سے لیکر آج کی گھڑی تک توان مین رتی برابر فرق پڑا نہین۔

جس غور کے طرف مین تمکو متوجہ کرنا چاہتا ہون اُس مین یہ بھی داخل ہے کہ وقت کیا چیز ہے۔ جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ اگرچہ وقت کی وسعت کا اندازہ بھی فہم بشر سے خارج ہے مگر خبر جہان تک تم سے اجرام فلکی کے فاصلون کی طرح اندازہ کرتے ہین پڑے لاکھ دو لاکھ چار لاکھ برس کا ایک محدود وقت لے کر اُسی سے وسعت کو سوچو اور تمثیلاً یون تصور کرو کہ وقت ایک بڑا لمبا خط ہے۔ اُس مین سے تمہاری ہستی اگرچہ تمہارے معتقدات کے مطابق طب انگریزی پر پورا پورا عمل کرنے سے حد طبعی سے بھی کتنی ہی متجاوز کیون نہ ہو جاے تاہم اُس کو وقت مفروض کے ساتھ کیا نسبت ہوگی۔ شاید جیسے محیط زمین کے مقابلہ مین ایک انچ گویا اس سے بھی کم۔ یہ تو انسان کی ہستی ہے۔ اور اس پر خدا سے انکار اور اپنی عقل پر ناز بیجا۔ انسان سے دنیا مین ہزارہا طرح کی بیہودگیان سرزد ہوتی ہین مگر یہ سب بیہودگیون پر فوق لے گئی ہے کہ خدا ہی کا منکر ہو بڑے افسوس کی بات ہے اور پرلے درجے کی بدقسمتی کہ عقل جو انسان کو اسی غرض سے دی گئی ہے کہ مخلوقات سے خالق کو پہچانے ورنہ دنیا کی چندروزہ زندگی تو جانور بھی بسر کر لیتے ہین جنکو بہت سا کھانا اور پانی درکار ہوتا ہے اور فرق یہ ہے کہ حاجتین کثیر اور عقل کم اور پھر انسان سے کہین زیادہ خوشحال۔ غرض بڑے افسوس کی بات ہے کہ وہی عقل انسان کو ایسا گمراہ کرے کہ خدا کا قائل نہ ہونے دے حقیقت مین میری سمجھ مین نہین آتا کہ کوئی آدمی کس منھ سے کہہ سکتا ہے کہ خدا نہین۔ تم مجکو اتنا تو سمجھاؤ کہ تم نے اپنے تئین سمجھا ہے کیا۔ چندین ہزار عالم کے مقابلے مین تمہاری کیا حقیقت ہے۔ اور چندین ہزار عالم بھی نہ سہی ان کی مخلوقات بھی نہ سہی ایک روے زمین پر ابتدا سے اب تک تم جیسے اور تم سے بہتر اور تم سے بہتر سے بہتر کروڑہا آدمی پیدا ہوے

اور اپنی زندگی مین انھون نے کیا کچھہ نہین کیا۔ خدا کے ایسے ایسے بھی بہت سے بے شمار بندے ہوے ہین جنھون نے حکومتین کین سلطنتین کین۔ اپنے زمانے مین نامی نامور ہوے۔ اور پھر ایسے مٹے کہ گویا پیدا ہی نہین ہوے تھے۔ نہ اُنکا نام ہے نہ نشان ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم کوئی انوکھے آدمی ہو۔ تم بھی اپنے ارادے سے پیدا نہین ہوے اور قسم ہے اُس ذات پاک کی کہ جس کے ہاتھہ مین میری اور تمہاری دونون کی اور سب جاندارون کی جان ہے اپنے ارادے سے زندہ بھی نہین ہو۔ اور اپنے ارادے سے مروگی بھی نہین۔ اور مرے بعد مہینے دو مہینے پیچھے نہ سہی پچاس سو دو سو ہزار برس بعد روے زمین پر اتنا جاننے والا بھی تو نہین ہوگا کہ ہم تم بھی کوئی تھے۔

(نذیر احمد دہلوی)

ہماری تعلیم

کچھہ خبر بھی ہے کہ علم نے اس زمانے مین دوسری شان اختیار کی ہے۔ ہم جو اپنے علوم پر نظر کرتے ہین تو اُنکے دو ہی نتیجے پاتے ہین۔ یا تو زبان کی تکمیل یا ذہن کی تیزی۔ سو زمانے نے ایسا پلٹا کھایا کہ دونون نتیجے بیکار ہوگئے۔ جن زبانون کی تکمیل کے پیچھے ہم عمر کا بڑا حصہ صرف کیا کرتے تھے اب اُن زبانون کو کوئی نہین پوچھتا۔ رہی ذہن کی تیزی یعنی حکمت نظری اسکا بھرم حکمت عملی نے اُٹھا دیا۔ اور ہم علم کے اعتبار سے بالکل کورے کے کورے رہ گئے زبان کی تکمیل سے جو اغراض دنیوی متعلق ہوسکتے ہین وہ اب انگریزی کی طرف منتقل ہوگئے ہین۔ لیکن ہم مین سے اکثر اُن اغراض کے سمجھنے مین غلطی کرتے ہین۔ لوگون نے اسی کو انگریزی کی غرض و غایت سمجھہ رکھا ہے اور اسی لئے اسکو سیکھتے ہین کہ حکام وقت کی زبان ہے اور اسی کے ذریعہ سے ہم حکام کے ساتھہ بآسانی خیالات کا مبادلہ یعنی عرض مطلب۔ فہم مافی الضمیر کر سکتے ہین۔ بلاشبہہ حاکم اور محکوم مین بآسانی خیالات کا مبادلہ بڑی ضروری

اور بکار آمد چیز ہے۔ لیکن مین انگریزی کی ٹون کو ذرا اونچا لیجانا چاہتا ہون۔ حکام کے ساتھہ خیالات کا مبادلہ تو انگریزی کے ادنیٰ ترین اور خسیس ترین فائدون مین سے ہے۔ انگریزی کا اصلی اور عمدہ فائدہ جو مدنظر ہونا چاہیئے یہ ہے کہ زبان انگریزی علوم مفیدہ کی کلید ہے۔ یہ علوم یا تو سرے سے ایشیائی زبانون مین ہین ہی نہین یا ہین بھی تو زمانہ حال کی تحقیقات کے مقابلے مین تقویم پارینہ کا حکم رکھتے ہین۔ انگریزی زبان قوم اور ملک کو اُسی وقت مفید ہوگی جب یہ مقصود پیش نظر رکھہ کر اُس کو حاصل کروگے غرض یہ ہے کہ علم مقصود بالذات اور زبان انگریزی کو اُسکا آلہ سمجھا جاے۔ افسوس ہے کہ اس گر کو ابھی تک لوگون نے سمجھا ہی نہین۔ یا سمجھا ہے تو اسپر عمل نہین کیا۔ اور سمجھا اور اُسپر عمل کیا ہوتا تو اتنے ہی دنون مین ہندوستان کی کایا پلٹ گئی ہوتی۔ تحقیقات مزید اور ترقی اور ایجاد کا تو کیا ذکر ہے جو علوم زبان انگریزی مین مدون ہین اور جس درجہ تک وہ پہونچ چکے ہین اتنے ہی پر کسی نے کچھ عمل کرکے دکھایا ہوتا۔ ہمارے بدنصیب ہندوستان مین مٹیریل کی تو کمی نہین کمی ہے تو اسکی ہے کہ کوئی مٹیریل کا استعمال کرنے والا نہین۔ ایک تو نوکری کی لکیر کے فقیر سے بیٹھے ہین۔ اور نوکری کیمیا اور کیریت احمر ہوتی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ مثلاً سو بی۔ اے۔ پاس ہوتے تو نوے روٹیون کے لئے سرگردان پڑے پھرتے ہین۔ اور نوے بھی اب ہین یا کوئی دن جاتا ہے کہ سو پاس اور سو کے سو پاس حرمان و یاس۔ انگریزی پڑھکر کچھ فائدہ اُٹھانا چاہتے ہو تو پہلے نوکری کے خبط کو سر سے نکالو۔ یہ جنون تمہین نہین پنپنے دیگا۔ کبھی ان باتون پر بھی غور کیا کرو کہ مثلاً تمہارے اسی شہر مین کتنے آدمی ہین۔ اور انمین کتنے ہین جو نوکری سے معاش پیدا کرتے ہین۔ حساب لگاؤگے تو فیصد کوئی چوتھے پانچوین درجہ کا ڈیسیمل نکلے گا۔ پھر مردم آزاری کے مواقع پاکر شیخی بگھارنے کی تو بات اور ہے خوشحالی کا ایک سٹنڈرڈ قرار دے لو۔ مثلاً مین سمجھتا ہون کہ جسکی سو روپیہ ماہوار کی آمدنی ہو اُس کو اس زمانہ مین خوشحال سمجھنا چاہیئے۔ اب دیکھو کہ خوشحال کے اسٹنڈرڈ کے لحاظ سے نوکری پیشون مین فی صد کتنے ہین۔ اور

دوسرے پیشون مین کتنے - تو پاؤگے کہ اس نسبت مین نوکری پیشہ چوتھے پانچوین درجے کے ڈیسیل سے بھی دور ہٹے ہوے ہین - پس تم انگریزی پڑھکر جو ایک نوکری پر دھڑنا دو تو اُسکے یہ معنی ہونگے کہ اس عمارت کو جو برسون کی محنت سے بنائی ہے اپنے ہاتھون ڈھاتے ہو - عقلاً شرعاً کوئی سا پیشہ بھی مبتذل نہین - مبتذل اگر ہے تو وہ آدمی ہے جو دغا بازی بے ایمانی سے پیشے کو بدنام کرتا ہے - دل پر دینداری اور نیکی کا پرتو پڑا ہو تو جانو کہ اصلی عزت کیا ہے (خدا کے نزدیک بڑا بزرگ وہ ہے جو بڑا پرہیزگار ہو) لوگ نہ اسلئے نوکری کے گرویدہ ہو رہے ہین کہ اس پیشے مین تمول اور خوش حالی زیادہ ہے - نہین بلکہ اسلئے کہ اُنکو اپنے ابناے جنس پر حکم چلانے اور اُنکو ستانے اور ایذا دینے کا موقع ملتا ہے - لوگون نے اسی کو عزت سمجھ رکھا ہے - حالانکہ نیک دل اور دیندار آدمی کی نظر مین اس سے بڑھکر کوئی بے عزتی کی بات نہین - تم تو نصیحت کی بات کو اس کان سنتے اور اُس کان نکال دیتے ہو - تحکم اور مردم آزاری کو عزت سمجھو تو نوکری ذریعہ عزت ہے - اور پرائی تابعداری کے اعتبار سے دیکھو تو وہ ایک طرح کی غلامی ہے - کتنی ہی بڑی نوکری کیون نہ ہو آخر کسی نہ کسی کی محکومی تو اُسمین ہو ہی گی - غرض نوکری کو عموماً پیشۂ معزز سمجھنا محض خیالی بات ہے - عزت اور ذلت کسی پیشہ پر موقوف نہین - بلکہ عزت اور ذلت کا مدار انسان کا اپنا کردار ہے - اگر کوئی شخص کسی بڑی خدمت پر مامور ہے اور وہ آمدنی بھی معقول رکھتا ہے اور بڑی شان سے زندگی بسر کرتا ہے حکومت بھی ہے اختیارات بھی ہین - اور سرکار مین بھی رشد و رسائی ہے - اور وہ ناحق بندگان خدا کو ایذا دیتا اور اُنکے حقوق تلف کرتا اور رشوت لیتا ہے حقیقت مین وہ سب سے زیادہ ذلیل ہے - نہ صرف پبلک کی نظر مین بلکہ خود اپنی نظر مین اور خدا کے نزدیک - لیکن ایک غریب آدمی جو محنت مزدوری سے جائز طور پر معاش پیدا کرتا کسی سے لڑتا جھگڑتا نہین کوئی اس کا شاکی نہین ایسا شخص اصلی عزت رکھتا اور اُس کا مستحق ہے -

اس وقت جو اس تعمیم کے ساتھ تعلیم ہو رہی ہے اور تعلیم کو اس سے بھی زیادہ عام کرنیکی کوشش کی جا رہی ہے اچھی طرح طالب علمون کے ذہن نشین کر دینا چاہیے کہ نوکری کے خبط کو سر مین نہ آنے دین ورنہ تعلیم سے فائدے کی جگہہ اُلٹا نقصان اُٹھائین گے۔ اور ہمیشہ کے لئے اپنی زندگی اور نہ صرف اپنی زندگی بلکہ اور بہت سی زندگیان جو اُنکے ساتھ وابستہ ہین سب کو تلخ کر دینگے۔ میرے اس بیان سے کوئی صاحب ایسا نہ سمجھین کہ مین تعلیم کیطرف سے لوگون کے دلون کو اُچاٹ کرتا ہون۔ میرا مقصود ہرگز یہ نہین مین تو تعلیم کو اور اسی تعلیم کو جو ان دنون ہو رہی ہے ہر فرد بشر کے لئے نہایت ضروری خیال کرتا ہون۔ کیونکہ مجکو وہ دن آتا ہوا دکھائی دے رہا ہے (اگرچہ جب تک وہ آئے آئے مین دنیا سے رخصت ہو جاؤن گا)۔ مگر مجکو وہ دن آتا ہوا دکھائی دے رہا ہے جبکہ یہی تعلیم شرط زندگی ہونے والی ہے۔ اور زندگی سے میری مراد ہے معزز اور مطمئن زندگی۔

میرا مطلب صرف اسقدر ہے کہ جو لوگ تعلیم پا رہے ہین۔ اور تعلیم تو سبھی کو پانی چاہیے۔ غرض سارے تعلیم یافتہ اگر ایک ہی پیشے پر جھک پڑین گے گو وہ پیشہ فی حد ذاتہ کیسا ہی وسیع کیون نہ ہو یہ اُسکا ضروری اور بدیہی نتیجہ ہے کہ سب بھوکے مرین۔ لوگونکی ضرورتین متنوع ہین اور اسنے دنیا مین تنوع پیشے چل پڑے ہین۔ انسانی ضرورتون اور پیشون کے تنوع سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا مین روزی کی کمی نہین۔ مگر ہم ایک پیشہ خاص کے مقید ہو کر روزی کو تنگ کر لیتے ہین۔ اب یہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ نوکری کے علاوہ دوسرے پیشون کے لئے تعلیم ہی کی کیا ضرورت ہے۔ جواب یہ ہے کہ تعلیم سے تو کبھی کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ پیشہ بھی بے نیاز نہین ہوا۔ ہان تعلیم سینہ بسینہ ہوتی رہی ہے۔ یا نقل و تقلید سے۔ اس زمانے مین یہ نئی بات پیدا ہوئی ہے کہ ایک ایک چیز اور ایک ایک کام علم مستقل قرار پایا ہے۔ مثلاً موسیقی کہ ہمارے ہان سینہ بسینہ اُسکی تعلیم ہوتی ہے یا نقل و تقلید سے لوگ اُسکو حاصل کرتے ہین۔ مگر تم نے انگریزی بینڈ بجتے دیکھے ہونگے کہ اونچی اونچی میزون کا ایک حلقہ ہے لوگ مزامیر لئے اُسکے

گرد کھڑے ہین۔ ہر ایک کے آگے ایک کتاب دھری ہے۔ صدر مقام پر بینڈ ماسٹر کھڑا ہوا باجے بجوا رہا ہے۔ انگریزون کی ولایت مین تو یہ حال ہو گیا ہے کہ درزی اور حجام اور موچی اور لوہار تک اپنا پیشہ نہین چلا سکتا تاوقتیکہ اُسنے سبقاً سبقاً اپنے پیشے کی کتابی تعلیم نہ پائی ہو اور یہ بات سب پر روشن ہے کہ یہ ہندوستان کل باتون مین یورپ کی تقلید کرتا چلا جا رہا ہے اور تقلید کے بدون اسکو چارہ نہین۔ تعلیم گو کسی خاص پیشے کی نہ بھی ہو تاہم اس سے اتنی آگاہی تو انسان کو ضرور ہو جاتی ہے کہ وہ جس کام کو اختیار کریگا اُسکو کر دکھائے گا۔ اور سلیقے کے ساتھ کر دکھائے گا۔

(نذیر احمد)

منازل حیات

یہ مضمون مولوی عبد الرشید صاحب دہلوی کے ایک ناول منازل السائرہ سے لیا گیا ہے۔ مولوی عبد الرشید صاحب شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم دہلوی کے بھائی نہایت قابل اہل زبان ہین آپنے یہ ناول عورتون کے تعلیم کے لئے لکھا ہے جیسا کہ مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے توبۃ النصوح وغیرہ لکھی ہے۔ اسکی زبان نہایت پیاری ہے خیالات نہایت پاکیزہ جس سے اخلاق پر عمدہ اثر پڑ سکتا ہے۔ اس ناول مین انسان کی عمر کے چار زمانون کے حالات کا سچا فوٹو ایک مقام پر دکھلایا ہے وہ مضمون یہان منتخب کیا جاتا ہے۔

گلزار شیر خوارگی

یہ ایک چھوٹا سا مگر خوشنما و شاداب باغیچہ تھا۔ مختلف عمرون کے آدمی مرد اور عورتین باد بہاری کا لطف اُٹھاتے پھر رہے تھے صبح سعادت کا وقت تھا۔ گلہاے رنگین کی پیاری

صورتون نے زمین چمن کو بوقلمون کر رکھا تھا۔ شبنم نے موتیون کے ہار بچھا دیئے تھے۔ باد صبا فرحت و انبساط کے مژدے دیتی پھر رہی تھی۔ عورتون کی گود مین چھوٹے چھوٹے بچے تھے مرد جوق جوق ہاتھ مین ہاتھ دیئے ہنستے بولتے۔ اِدھر اُدھر ٹہل رہے تھے۔ امیدون نے اُنکے چہرے مالامال اور دل چونچال کر رکھے تھے۔ ہرے بھرے گلزار آنکھون کے سامنے لہلہا رہے تھے۔ ارمانون کے قدرتی چشمے کشت امید کو تر و تازہ کر رہے تھے۔ انتہائے نظر اور حد خیال تک چپہ چپہ اور ذرہ ذرہ شاداب دکھائی دیتا تھا۔ وسط چمن مین ایک دودھ کی نہر لہرین لے رہی تھی۔ کیا بیفکری کا زمانہ تھا۔ مسافر وہی چھوٹے چھوٹے بچے ہول لگی کنارے پر آئے منہ جھکایا اور سیر ہو گئے۔ ہائے کیا نعمت تھی کہ کلیجے سے لگا کر دنیا بھر کی کلفت دور ہو جاتی تھی۔ افکار و ملال خواب و خیال ہو جاتے تھے۔ رنج و غم غلط ہو جاتا تھا کیا دولت تھی جس کے مقابل ہفت اقلیم کی سلطنت ہیچ و بے وقعت تھی۔ بادشاہ وقت کا حکم اتنا مناسب تھا کہ ہر شخص مسافر نوازی اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اگر کوئی اللہ کا بندہ اس خدمت سے محروم رہ جاتا تو اپنے تئین نہایت بدقسمت تصور کرتا۔ کیا مبارک سرزمین تھی جو مرد نظر آیا شگفتہ۔ جو عورت دکھائی دی وہ باغ باغ۔ عورتون کے پرے کے پرے جس وقت مسافر کو گود مین لیکر گلگشت کو نکلتے تھے۔ درختون کی صدائین بلند ہوتی تھین۔

یہ محافظ و خبر گیر جو مسافرون کی خدمت پر متعین تھے ایسے اچھے لوگ تھے کہ سو طرح سے نثار تھے۔ ذرا مسافر کے پھانس لگی اور بیچین ہوے۔ ان لوگون کی پیشانیان ستارہ صبح کی طرح روشن تھین اور اُنکے دل برکت نور سے معمور۔ محبت کا سرمہ اُنکے آنکھون مین لگا ہوا تھا اور خدمتگذاری کی روشنی اُنکے چہرون پر چمک رہی تھی۔ مکر کا نام نہ تھا۔ ریا کا کام نہ تھا۔ خالص محبت تھی اور سچی خدمت۔ اللہ اللہ کیا لوگ تھے کہ جان تک دریغ نہ کرتے تھے۔ خوش قسمت میزبان تھے کہ کامیابی کے ساتھ مہمانون کی خدمت ختم کرتے تھے۔ اگر کوئی مسافر اُنکی خدمت ہی مین ہمیشہ کے واسطے رخصت ہو جاتا تھا تو روتے تھے اور

پیٹتے تھے۔ یہاں ایک بات دیکھ کر بہت ہی تعجب ہوا۔ بہت کم مسافر ایسے نظر آئے کہ خدمت محافظین کو مدنظر رکھا۔ اس خدمت کا معاوضہ تو خیر ناممکن تھا جب وہ وقت آتا کہ وہ ان کے محتاج ہوتے تو یہ آنکھ چرا جاتے۔ لذائذ نفسانی کے پابند ہو جاتے غیرون سے محبت کرتے۔ دوستون سے اختلاط کرتے خود محافظ ہو کر مسافرون کی خدمت کرتے لیکن وہ خدمت فراموش کر دیتے جسکی بدولت خدا نے اس قابل کیا پھر بھی وہ اللہ کے بندے ہر حال مین خوش تھے جسکو سنا یہی کہتے ہین "خدمت کرو تمہاری سعادت ہے نہ کرو کچھ شکایت نہین"۔

منزلون مسافرون کے ہمراہ جاتے اور حتی المقدور آنکھ سے اوجھل نہ ہونے دیتے۔ ہر منزل مین خدمت کرتے اور ہر مصیبت مین شریک رہتے۔ انہین بعض ناعاقبت اندیش ایسے بھی تھے جو عقل کی آنکھون پر پردے ڈال لیتے تھے اور درجہ محبت کو کمال پر پہنچا کر جا بیجا کا انتیاز کھو دیتے تھے۔ اپنے بُرے اعمال اور ناقص افعال کا نمونہ دکھا کر مطلب اصلی خبط کر دیتے تھے اور پہلی ہی منزل سے مسافر بیچارون کی باٹ مارنی شروع کر دیتے تھے۔

سرائے طفولیت

سرائے طفولیت ایک عالی شان محل حیات آباد مین آسمان سے کھڑا باتین کر رہا تھا۔ شہر کے ہر چہار طرف چونہ گچی کی پختہ عمارتین بنی ہوئی تھین۔ سرائے کے دروازۂ خاص پر رنگ برنگ کے جھنڈے ہوا مین لہرا رہے تھے۔ دیوارون کی گلکاریان محرابون کے نقش و نگار موسم بہار کا مزہ دے رہے تھے۔ رنگا رنگ کے جواہرات جڑے ہوئے جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔ لوگ خوش حال و فارغ البال۔ نہ کوئی مفلس نہ کنگال۔ بازار کشادہ و بارونق۔ دکاندار خلیق و منکسر مزاج عجیب مقام تھا کہ ہر طرف بے فکری کے ڈنکے بج رہے تھے۔

سرائے کے اندر ہر طرف وسیع و پختہ کمرے بنے ہوئے تھے بے فکری کا دور تھا۔

اطمینان و فارغ البالی کی حکومت تھی۔ امیری کا کارخانہ تہا۔ بادشاہت کا زمانہ تہا۔ محافظ زیادہ وہی تھے جو منزل اول مین تھے۔ مگر محبت کا ثمر پہلے سے بڑھ گیا تھا۔ مسافرون کی قدر و منزلت روز بروز زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ کیا مبارک سرزمین تھی کہ رنج و غم پاس آکر نہ پھٹکتا تھا۔ ناعاقبت اندیشی انواع و اقسام کی نعمتین اُنکے دسترخوان پر چُن دیتی تھی۔ کھیل کود کے خلعتِ گران بہا زیب تن۔ خوشی کا تاج سر پر لگائے ہوئے اِدہر اُدہر پھرتے تھے۔ کیا دن تھے کہ پھر نہ آئے۔ اور کیا جگہہ تھی کہ دوبارہ دیکھنی نصیب نہ ہوئی بغض و حسد کا گذر نہ تہا۔ فکر معیشت کا پتہ نہ تھا۔ دولت و عسرت کا امتیاز نہ تھا۔ نخوت و غیبت کا نام نہ تھا۔ جو ضرورت ہوئی وہ رفع۔ جو خواہش ہوئی وہ پوری۔ اُن کی بھولی بھولی باتون اور سیدہے سادے معاملون پر آسمانِ انصاف سے موتی برس رہے تھے۔ فراغت و اطمینان کا باغ خوشی و خرمی کے پھول نچھاور کر رہا تہا محبت و پیار کے ہار گلے مین پڑے تھے۔ کامیابی کے گلدستے طاقون مین چُنے ہوئے تھے۔ آرام و آسایش کی بیلین دیوارون پر چڑھی ہوئی تھین۔ غرض ہر قطعہ گلزار ارم بنا ہوا تہا۔

محافظ و خبرگیر کیسے کیسے خدمتگذار کہ حکم کی دیر اور تعمیل کو تیار۔ ایسے ایسے نازبردار کہ ذرا سے اشارے پر جان نثار کرنے کو آمادہ۔ انتظام اتنا معقول کہ بڑے بڑے سرکش و تاجدار مسافرون کے سامنے عاجز و لاچار تھے۔ اس منزل کا تمام زمانہ آزادانہ و بیباکانہ گذر گیا۔ ضرورت سے پہلے اور حاجت سے بیشتر ہر چیز تیار اور موجود۔ نہ کسی بات کا کھٹکا تہا نہ کسی قسم کا خوف۔ نہ عزت کی خواہش تھی نہ دولت کا ارمان۔ نہ نخوت کے اسباب نہ غرور کا سامان۔ جو ملا وہ کھا لیا۔ جہان نیند آئی وہان پڑ رہے۔ طبیعت مین شر نہ تہا اور دل مین فساد نہ تہا۔ "کیا ہوگا" کا فکر نہ تہا۔ "کیا ہوگیا" یہ یاد نہ تہا۔ کوئی بات خلاف مزاج ہوئی رو دیے۔ کوئی چیز اچھی ہاتھ آگئی ہنس دیے۔ مگر طبیعتون مین قبولیت کا مادہ موجود تہا۔ جو سنتے تھے وہ کہتے تھے جو دیکھتے تھے وہ کرتے تھے۔ نتایج سفر کا دارومدار

اسی جگہہ تہا۔ ذراسی لاپروائی بدتر سے بدتر بنا دیتی تھی۔

چمنستان شباب

چمنستان شباب کی سرحد مین داخل ہوتے ہی طبیعت خود بخود شگفتہ ہونے لگی۔ ہوا کے فرحت بخش جہونکے دل و دماغ کو تروتازہ کرنے لگے۔ پھولون کی تیز اور مست خوشبو سے کوسون تک جنگل مہک رہا تھا۔ جون جون آگے بڑہتے گئے دل مین اُمنگ اور خواہشین پیدا ہوتی گئین۔ پاس پہنچکر دیکھا ایک خوشنما باغ دور تک چلا گیا ہے۔ دروازے لگے ہوے ہین۔ چار دیواری کہینچی ہوئی ہے۔ مگر اندر جانے کے واسطے اجازت عام ہے۔ کسی قسم کی روک ٹوک نہین۔ آگے قدم بڑہایا۔ تمام عالم سرسبز و شاداب نظر آیا۔ ہر قطعہ چمن بہشت برین بنا ہوا ہے۔ رنگ برنگ کے پھول کہل رہے ہین۔ خوشبوؤن نے ہوا اور ہواؤن نے باغ کو لہکا رکھا ہے۔ گلاب کے تختے پہیلے ہوئے ہین میٹھے اور ٹہنڈے پانی کے چشمے بہ رہے ہین۔ بار آور درخت جہنڈ کے جہنڈ جہوم جہوم کر زمین کو چوم رہے ہین۔ طائران خوش الحان ڈالیون پر بیٹھے چہکار رہے ہین۔ ہرے بہرے درخت کھڑے لہلہا رہے ہین۔ پرند کلیلین کر رہے ہین۔ گہلے قطار در قطار چلے گئے ہین۔ کیلے کی چہاؤن دور تک پہیلی ہوئی ہے۔ سنگ مرمر کے حوض بنے ہوئے ہین۔ رنگ برنگ کی مچہلیان تیر رہی ہین۔ وسط چمن مین ایک بارہ دری ہے۔ پٹا پٹی کے پردے پڑے ہوے ہین مخمل رومی و کاشانی کا فرش بچہا ہوا ہے۔ کنیزان مہرو سر سے پاؤن تک جواہرات مین ڈوبی زرق برق لباس سے آراستہ پیراستہ ادہر اُدہر پہر رہی ہین۔

سرائے طفولیت کے طرف سے مسافر بہاگے دوڑے چلے آرہے تہے اور چمنستان شباب کے اسباب دیکھ کر اسطرح دلدادہ ہوتے تہے کہ گویا اب تمام عمر یہ فرحت و شگفتگی انکا ساتہ نہ چہوڑیگی۔ اس سرزمین کی ہر چیز مین کچہ ایسا مقناطیسی اثر تہا کہ دل خود بخود کہنچا

چلا جاتا تھا۔ دو چار صورتین ایسی بھی دکھائی دین جنھون نے اس بات کا پتہ لگا لیا کہ یہ دلفریب جلوے عارضی و فانی ہین۔

غور سے دیکھا تو درحقیقت تمام چمنستان ایک جادو کا کارخانہ تھا۔ گلاب کے پودے کانٹون سے پٹے پڑے تھے۔ چنبیلی کے پھولون مین شہد کی مکھیان چھپی بیٹھی تھین۔ بیلون مین سانپ بچھو لپٹے ہوے تھے۔ چشمون کا پانی دیکھنے مین صاف شفاف مگر پینے مین زہر ہلاہل۔ چور قزاق گرہ کٹ اُٹھائی گیرے آنکھون کے سامنے پھر رہے تھے۔ اور اپنے فن کے ایسے کامل و ہوشیار کہ کیسا ہی تجربہ کار آدمی کیون نہو بات کی اور گرفتار ہوا۔ نشے کا سا عالم تھا۔ جو نظر آیا وہ بیخود و سرشار۔ دیوارون پر خوبصورت تصویرین بنی ہوئی تھین مگر تصویر ایک دام تزویر تھا۔ ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھا اور گلے کا ہار ہوئی۔ جو چیز تھی دیکھنے مین کچھ برتنے مین کچھ۔ ہوا کے خوشگوار جھونکون تک مین سمیت ملی ہوئی تھی ذرا ہوا لگی اور مسافر کچھ کا کچھ ہوا۔ باغ کے اُس طرف ایک بیابان تھا۔ ڈھاکے کا جنگل کوسون دور چلا گیا تھا۔ جانور صحرائی ہر طرف بسے ہوئے تھے۔ درندون کی خوفناک آواز سے رات کو تمام جنگل گونج جاتا تھا۔ بھیڑیے بسا اوقات اندر گھس آتے تھے۔ شیرون کے منہ کو خون لگا ہوا تھا۔ چیتے ہر وقت تاک لگائے رہتے تھے۔ ہاتھیون کا غول بارہا ادھر سے اُدھر نکل جاتا تھا۔

چمنستان شباب کے پانی مین خاص طور پر یہ تاثیر تھی کہ مسافر اپنی اصلیت بھول جاتا تھا۔ حرص و تمنا دامنگیر ہو جاتی تھی۔ خواہش و ارمان کا ہجوم ہو جاتا تھا۔ مزاج مین نخوت آجاتی تھی۔ آنکھون پر غفلت کے پردے پڑ جاتے تھے۔ حسن و عشق کی تصویرین دلون کو مسخر کر لیتی تھین۔ اتلاف حقوق ظلم و تعدی عادات ہو جاتے تھے۔ خوف خدا غارت ہو جاتا تھا۔ خود غرضی کا جال ایک طرف بچھا ہوا تھا۔ علائق کی زنجیرین دوسری طرف پڑی ہوئی تھین۔ غرض از ابتدا تا انتہا چمنستان اور بارہ دری ایک سانچا تھا کہ مسافر کو ڈھالا

اور دوسری طرف پھینکدیا۔ گرفتارانِ بلا ہاتھ مین ہتکڑیان پاؤن مین بیڑیان جکڑے ہوے اور کسے ہوے دھکے کھاکھاکر باہر نکلے تھے۔ زمانۂ گذشتہ کی یادگار دو چار کلنگ کے ٹیکے دس پانچ بدنامیون کے تمغے باقی رہ جاتے تھے۔ گناہون کی بھاری گٹھری سرپر ہوتی تھی مڑمڑکر دیکھتے جاتے تھے۔ مگر جو قدم اُٹھتا تھا پھر پلٹ نہین سکتا تھا۔

یہ لوگ اپنے پاؤنمین کلہاڑیان مارتے تھے۔ ورنہ خود چمنستان شباب کے واقعات اگر چشم بصیرت سے دیکھتے اور تاملِ صحیح کرتے تو اصلاح کو کافی تھے۔ بیمار پڑے ہوے کراہ رہے تھے۔ مصیبت زدہ چیخ چلا رہے تھے۔ قبرستان قبرون سے اور مرگھٹ کھوپڑیون اور ہڈیون سے پٹ رہے تھے۔ کوئی مان کے غم مین سوگوار تھا۔ کوئی باپ کے رنج مین بیقرار۔ کسی کی بہن چھٹ رہی تھی کسی کا بھائی جدا ہو رہا تھا۔ ایک جوان بیٹی کو رو رہا تھا۔ دوسرا بیٹے پر جان کھو رہا تھا۔ کوئی رو رہا تھا۔ کوئی ہنس رہا تھا۔ کہین پیدائش کہین موت۔ کہین چھٹی کہین برات۔ کہین دن کہین رات زمین سے لیکر آسمان تک ہر چیز رنج مین ڈوبی ہوئی۔ مرد مغموم۔ عورتین متفکر۔ غرض جو تھا بڈھا ہو یا جوان حیران و پریشان۔ عظیم الشان محل ویران پڑے تھے۔ سنگین و پختہ عمارتین سنسان کھڑی تھین۔ آبادی بیشمار تھی مگر ہر ایک اپنے دُکھ درد مین گرفتار تھا۔ بہت سے ایسے بھی تھے جنکو خدا نے ہر اعتبار سے مالامال کر رکھا تھا۔ عنایت ایزدی شامل حال تھی۔ صاحب اولاد تھے۔ فارغ البال تھے مگر غور سے دیکھا تو رنج و آفات مین بال بال جکڑے ہوے تھے۔ مُسالمت و غفلت کی انگلیان اُن کے کانون مین ٹھس ہوئی تھین۔ اور طمع و حرص کے پردے آنکھون پر پڑے ہوے تھے۔

عالمِ ضعیفی یا دریاے انحطاط

چمنستان شباب کے اس کنارے پر حیات آباد سے ملا ہوا دریاے انحطاط ہے

لے رہا تھا۔ لوگ کشتیون مین بیٹھہ بیٹھہ کر پار اُترنے کی کوشش کر رہے تھے۔ موجون کے تھپیڑے۔ پانی کے گرداب۔ پہاڑون کی چٹانین۔ بادِ مخالف کے جھوکے دھارے کے سامنے بھی مشکل سے آنے دیتے تھے۔ غفلت، لاپروائی کے ناخدا جب کسی بلا کا سامنا ہوتا ہاتھہ پر ہاتھہ رکھ کر بیٹھ جاتے مسافرون کی آنکھون پر غفلت کے پردے پڑے ہوے تھے۔ ساتھہ کی کشتیان برابر ڈوبتی چلی جاتی تھین اور اپنی بربادی کا خیال بھول کر نہ آتا تھا۔ حیات ابدی کا تکیہ لگاے ہوے ہوس درون کے میٹھے ترانے سنتے چلے جاتے تھے۔ اختتام سفر کا کوئی وقت معین نہ تھا۔ زندگی کے تمام سامان کشتیون مین موجود تھے۔ اور دنیا بھر کے کاروبار پانی مین ہو رہے تھے۔ عاقبت اندیشی کا گذر نہ تھا۔ انجام پر نظر نہ تھی۔ غرور کا سودا دماغون مین سمایا ہوا تھا۔ طمع زردست شفقت پھیر رہی تھی۔ ذرائع ناجائز گود مین لوٹ رہے تھے۔ بے ایمانی کی گھٹا سرون پر چھائی ہوئی تھی۔ نام و نمود کے کہرے نے کوسون تک تیرہ و تار کر رکھا تھا۔ ناپائداری دنیا کا ابر تلا ہوا سرون پر کھڑا تھا مگر ہٹ دھرمی اور خود پسندی کی خوبصورت دبیبان آنکھ اُٹھانے کی مہلت نہ دیتی تھین۔ ریاکاری کا تلاطم برپا تھا مکر و فریب کے گھڑیال منہ کھولے بیٹھے تھے۔ اتلاف حقوق کے بھنور جابجا پڑے تھے۔ مگر یہ امید کے بندے ہمچو من دیگرے نیست کے نعرے مار رہے تھے۔

گناہ اور قصور کے اونچے اونچے پہاڑ پر اجاے کھڑے تھے۔ قطب نما اور دوربینین خاک کام نہ کرتی تھین۔ پاپ کی ناؤ ٹکر کھا کر بیچ منجدھار مین ڈوبتی تھی۔ ساتھہ کی کشتیون کو ڈوبتا دیکھہ کر بھی باقی ماندہ ہمسفر احتیاط نہ کرتے تھے۔ اور ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ جو ڈوبا وہ اسی نتیجے کا سزاوار تھا مجھہ کو کوئی کھٹکا نہین۔ دوسری کشتیون کی تباہی دیکھہ کر ہنستے تھے اور جب اپنے اوپر آکر پڑتی تھی تو چیختے جاتے تھے اور ڈوبتے جاتے تھے۔

دریاے انحطاط مین ایک جزیرہ نظر آیا۔ جزیرۂ ندامت۔ چند نیک سیرت بزرگ صورت سپوس کی جو نیٹریان ڈالے ہوے سرنگون بیٹھے تھے۔ اُن کی سپید ڈاڑھیان اُن کے

چہرون پر نور برسا رہی تھین۔ فضیلت کے بڑے بڑے عمامے سر سے بندہے ہوے تھے۔ مگر فتنہ پردازی کی چھینٹین پڑی ہوئی تھین۔ اور گھٹے پڑی ہوئی پیشانیون پر کلنگ کا ٹیکا چمک رہا تھا۔ افعال گذشتہ کا تاسف اور اعمال کی پشیمانی چارون طرف سے گھیرے ہوے تھی۔ سر سے پیر تک عرق خجالت مین ڈوبے ہوے تھے۔ آسمان پر نگاہ تھی۔ اور سب پر اللہ ہی اللہ تھا۔

ایک گروہ دیکھا قویٰ بالکل بیکار ہو گئے تھے مُنہ سے بات نہ نکلتی تھی سر پر موت منڈلا رہی تھی مگر حسرت وارمان دونون طرف مورچہل ہلا رہے تھے۔ انقلاب زمانہ نے اُنکی صورتین بگاڑ دی تھین۔ دنیا اُن سے بھاگ رہی تھی اور وہ دُنیا کو لپٹ رہے تھے۔

ایک جم غفیر عورتون کا ایسا ملا کہ اس کبر سنی مین بھی جبکہ قبرون مین پاؤن لٹکائے بیٹھی تھین اپنی نمایش ظاہری سے فرصت نہ تھی۔ بغض وحسد کا کاجل آنکھون مین پھیلا ہوا تھا۔ نخوت وغیبت کے تیل سے سر گُندھے ہوے کذب وافترا کا زیور پہنے ہوے نافرمانی کا جھومر لگا ہوا۔ مکر وفریب کا تکیہ لگائے ہوے۔ حیاتِ ابدی کا پٹہ لکھائے ہوے تن تن کر اپنے حسن صورت کو دیکھ رہی تھین۔ ایک شخص کو دیکھا آنکھون سے اندھا۔ ہاتھون سے لُولا۔ پاؤن سے لنگڑا۔ مُنہ مین دانت نہین۔ پیٹ مین آنت نہین۔ ڈاڑھی سفید بگلے کا پر پلکین روئی کا گالا۔ ایک درخت کے نیچے کھڑا بیلچ کے ٹوٹے کو رو رہا تھا۔

اس سے ملی ہوئی سرحد عدم آباد تھی جس کی پختہ وسنگین فصیل آسمان سے باتین کر رہی تھی۔ بلندی کا یہ حال تھا کہ پرندہ بھی پر نہ مار سکتا تھا۔ وسعت ورفعت کی یہ کیفیت تھی کہ اندر کی آواز باہر نہ آتی تھی۔ مسافرون کو لوگ پھاٹک تک پہنچا سکتے تھے آگے کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکتا تھا۔ دروازے پر ایک تختی لگی ہوئی تھی جس پر لکھا تھا "مبارک ہین وہ لوگ جو اپنا سفر نیکنامی کے ساتھ پورا کر کے آئے"

(مولوی محمد عبدالرشید دہلوی)

شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ دہلوی

پیدائش دہلی ۱۸۳۲ء وفات دہلی ۱۹۱۰ء

آپ یکم اپریل ۱۸۳۲ء کو دہلی کوچہ بلاقی بیگم مین پیدا ہوے۔ دہلی کالج مین تعلیم پائی۔ ۱۸۵۰ء مین آپکے ملازمت کا سلسلہ شروع ہوا۔ مدت تک صیغہ تعلیم مین مختلف عہدون پر سرفراز رہے۔ آخر مین میور سنٹرل کالج الہ آباد کے پروفیسر رہے۔ وہین سے ۳۷ سال ملازمت کے بعد ۱۸۸۷ء مین آپنے پنشن لی۔ ۲۴ سال پنشن لیکر ۸۰ برس کی عمر مین ۷۔ نومبر ۱۹۱۰ء کو دہلی مین وفات پائی۔

اردو زبان کی جسقدر خدمت آپنے کی ہے کسی کو کم اتنا موقع ملا ہوگا تہذیب الاخلاق انسٹیٹیوٹ گزٹ علیگڈھ اور مختلف پرچون مین آپکے مضامین برابر نکلتے رہے۔ آخر دم تک تصنیف اور تالیف کا سلسلہ جاری رہا۔ علوم ریاضیہ اور طبعیات مین آپکو خاص مہارت تھی۔ ان علوم کا ایک عمدہ ذخیرہ آپنے اردو زبان مین جمع کرکے ایک سلسلہ قایم کر دیا جو کئی شخصون کی محنت سے باہر تھا۔ حساب۔ جبر مقابلہ۔ اقلیدس۔ مساحت مین آپ کی ۸۲ تصنیفات ہیں جو چھپکر شایع ہو چکین۔ علم طبعیات مین ۱۴ جغرافیہ مین ۳ تاریخ مین ایک مکمل تاریخ ہندوستان کی ہے دس جلدون مین۔ اور ایک صرف عہد انگلشیہ کی تاریخ ہے ۵ جلدون مین۔ ہندوؤن کے عہد کی تاریخ ہے ایک جلد مین۔ یورپ کی تہذیب اور آئین قیصری وغیرہ۔ علم اخلاق اور علم ادب مین ۲۲ کتابین ہین۔ اردو زبان مین ایسا شخص کم ہوگا جسکی مختلف علوم مین ۱۲۴ تصنیفین ہون۔

آپکا طرز تحریر سادہ اور صاف ہے۔ اسمین زبان دہلی کی خوبی اور ظرافت کا چٹخارا بھی موجود ہے۔

سب چیزون مین شان الٰہی نمایان ہے

عالم باطنی ہی مین خدا جلوہ نما نہین ہے۔ بلکہ وہ عالم ظاہری مین بھی خود نما ہے۔ آسمان

مین بحر و بر مین مخلوق کا کوئی حصہ ایسا نہین ہے جس مین اُس حکیم کارساز کی شان کی نشانیان نہ موجود ہون - اور اُس وارائے خلق کی قدرت و صنعت کی بے شمار شہادتین نمایان نہ ہون خواہ اُس مخلوق کو جو اجزا کی ترکیب سے مرتب ہوئی ہے - خواہ اور انتظام و ترتیب عالم کو دیکھو سب مین اُسی کے ظہور کا جلوہ ہے - جیسے انسان کوئی چیز بناتا ہے تو اُسمین صانع کی فہم کا اندازہ ظاہر ہوتا ہے - ایسے ہی انتظام و مصالح عالم سے جہان آفرین کی حکمت و دانائی معلوم ہوتی ہے - جیسے نوع بشر مین بھلے کام جو ہوتے ہین وہ فاعل کے حسن خلق کو ثابت کرتے ہین - ایسی ہی دنیا مین جو انسان کے لئے خوش دلی کے ساز و سامان مہیا ہین وہ منعم حقیقی کی ذات پر شہادت دیتے ہین - جیسے کہ اس عالم مین قدرت و دانائی ارادہ کی نشانیان ان گنت ہین ایسی ہی اُس عالم آرا کی قدرت و حکمت و لطف و کرم بے انتہا ہین - فلک اور فضائے آسمانی مین دیکھو کہ صنایع بدایع اُس صانع حقیقی کے ہاتھ کے موجود ہین - دن سے دن رات سے رات کھ رہی ہے کہ چاند سورج ستارے اُس فلک آفرین نے پیدا کئے ہین - اور اُنکو اپنا محکوم بنایا ہے - اسرار عالم کے خزانون کی کنجیان اُسنے اپنے ہاتھ مین رکھی ہین - اُسکے سوا کسی کو اُنکا حال معلوم نہین - وہی جانتا ہے کہ ان بحر و بر مین کیا کیا بھرا پڑا ہے - وہ ایسا علیم ہے کہ اگر یہان کوئی تیا گرتا ہے تو اُسے وہ جانتا ہے - وہ بجلی کو چمکاتا ہے - پانی بھرے بادلون کو لاتا ہے - وہ اناجون کو پیدا کرتا ہے - آسمان اور زمین کی پیدائش مین - رات دن کے بدلنے مین - آسمان سے پانی بھیجنے مین جس سے زمین سرسبز و شاداب ہوتی ہے - زمین اور آسمان کے درمیان ہوا اور بادل جو خدمت کرتے ہین اُنکے بدلنے مین ایسے آیات ربانی ہین جن مین اگر غور کیجئے تو اُس ذات پاک کی عظمت و شان کو ظاہر کر رہی ہین -

خدائے تعالےٰ ہی سب چیزون کی جان ہے - وہی جنگلون کو بنا سنوار کے تنہا نشین خوشرو بناتا ہے جسکو کوئی آنکھ نہین دیکھتی - وہی لہلہاتے کھیتون کو پری پیکر بنا کر دلون کو لبھاتا ہے - وہ سال کی تقسیم ایک ترتیب سے کرتا ہے - جاڑے کی ایک حد مقرر کرتا ہے -

جس سے باہر وہ قدم نہین دہر سکتا - اسکی تیزی کو کند کر دیتا ہے - اس موسم مین عجیب حکمت سے بعض میوون کے نرم بیجون کو اندر رکھتا ہے کہ کوئی مضرت اُنکو باہر سے نہین پہنچ سکتی اور ایک موسم کے پھول کمہلائے مرجہائے - کہ اُدہر اُس نے دوسرے موسم کے پھول کہلائے جنکو دیکھکر حیرت ہوتی ہے - وہی سارے عالم کا خداوند و مالک ہے - وہی سب جگہ پہیلا ہوا ہے وہ سب جاندارون کی جان ہے پھولون مین دیکھو کہ اُس مصور بے نظیر نے اپنی قلمکاری سے کیا کیا نقش و نگار بنائے ہین کیسی کیسی اُنکو خوشبوئین عنایت کی ہین - کیا کیا رنگ اُنمین پیدا کئے ہین - اُنکی آنکھون کو امرت کے پانی سے دہویا ہے - اُسنے ان دانون مین کہ جنکی تعداد سمندر کے ریگستان کے ذرون کی طرح بے شمار ہے وہ صورتین داخل کی ہین جو ساری زمین پر پہیلی ہوئی ہین - کیا خوش دل وہ شخص ہے جو خدا کے ساتھ رہتا ہے - مزون مین خوشبوؤن مین میوون مین - پھولون مین اُسی کو وہ پاتا ہے - خلقت مین ایک بیر کے درخت سے لیکر گھاس کے پتے تک جو دہوپ مین پڑا ہل رہا ہے یاد الہی مین دیکھتا ہے - **شعر**

ہر گیاہے کہ از زمین روید　　وحدہ لاشریک لہ گوید

گھر کی تربیت

گھر ہی مین آدمی اخلاق کی تعلیم پاتا ہے بُری خواہ بہلی - گھر ہی مین آدمی چال چلن کے وہ اصول سیکھتا ہے جو اُسکے ساتھ ساری عمر رہتے ہین - جوانی اور پیری مین وہ اُنہین پر جیتا ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کی خصلت کی بڑی تعلیم گاہ گھر ہے -

مشہور ہے کہ اوضاع و اطوار آدمی مین آدمیت پیدا کرتے ہین - یہ بہی کہتے ہین کہ آدمی مین آدمیت اُسکا دماغ پیدا کرتا ہے - مگر ان دونون باتون سے زیادہ سچ یہ بات ہے کہ آدمی مین آدمیت گھر پیدا کرتا ہے گھر مین آدمی کا دل کشادہ زیادہ تر ہوتا ہے - وہ

ساری عادتین یہین پیدا کرتا ہے۔ وہین اسکی عقل بیدار ہوتی ہے۔ گھر ہی کی ٹکسال مین خصلت کے کھوٹے کھرے سکے ڈہالے جاتے ہین گھر ہی سے وہ اصول و مسائل پیدا ہوتے ہین جو معاشرت انسانی پر حکومت کرتے ہین۔ گھر ہی کی باتون کا عکس قانون ہوتا ہے ننھے بچون کی وہی ننھی ننھی رائین بڑے ہونے پر جمہور انام کا دستور العمل بنتی ہین۔

آدمی جب دُنیا مین پیدا ہوتا ہے تو وہ نہایت ہی بے کس اور بے بس ہوتا ہے۔ اُسکی کل پرورش و تربیت و تعلیم اُن آدمیون کے ذمے ہے جو اُسکے آس پاس ہوتے ہین۔ جسوقت سے وہ سانس لینے لگتا ہے اُسکی تعلیم شروع ہوتی ہے۔

ابتدا مین بچے کی تعلیم اس طرح ہوتی ہے کہ وہ جو دیکھتا ہے اُسکی نقل اُتارتا ہے۔ عربی ضرب المثل ہے کہ انجیر کے درخت کو دیکھ کر انجیر کا درخت زیادہ پھل لاتا ہے۔ اور ہماری مثل ہے کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ پس یہی بچون کا حال ہے کہ وہ مثال کی تقلید سے تعلیم پاتے ہین۔ بڑی معلمہ مثال ہے۔ بچپنے کی خصلت آدمی کی خصلت کا مغز ہوتا ہے۔ باقی اور تعلیم بالاے پوست ہے۔ جسکے اندر وہ مغز ہمیشہ رہتا ہے۔ ایک شاعر کا قول کیا ہی سچا ہے کہ جس طرح صبح دن کو دکھاتی ہے ایسے ہی بچہ آدمی کا حال بتلاتا ہے۔ مثل مشہور ہے ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ جو باتین ولادت کے وقت ہماری طبیعت مین نفوذ کرتی ہین وہی دیرپا اور ہمارے چال چلن کی محرک ہوتی ہے۔

بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو وہ ایک نئے عالم کی چوکھٹ پر قدم رکھتا ہے۔ ہر چیز کو حیرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے پھر رفتہ رفتہ وہ چیزون کو غور کی نظر سے مشاہدہ کرتا ہے۔ اشیا کا باہم مقابلہ کرتا ہے۔ اُنکے تصورات کو ذہن مین محفوظ رکھتا ہے۔ ایک فاضل نے لکھا ہے کہ اٹھارہ اور بیس مہینے کی عمر کے درمیان اُسکو مادی اشیا اپنے قواے خواص اجسام اور اپنے اور دوسرون کے فہم کا اتنا علم حاصل ہوجاتا ہے کہ باقی ساری عمر مین اسقدر نہین ہوتا۔ اس عمر مین علم کا خزانہ جو جمع ہوتا ہے اور اُسکے دماغ مین جو خیالات پیدا ہوتے ہین

وہ ایسے ضروری ہوتے ہین کہ اگر وہ کسی طرح ملیامیٹ ہو جائین تو پھر اُس کو ایک ہفتہ جینا محال ہو جاتا ہے۔

یہ بچپن ہی کی کیفیت ہے کہ دل لوح سادہ برائے ہر نقش آمادہ۔ جو چنگاری اوّل اُسمین پڑتی ہے وہ اپنی روشنی دکھاتی ہے۔ خیالات جلد ذہن مین آجاتے ہین۔ اور دیر تک قائم رہتے ہین بچپن مین جو باتین ساتھ ہوتی ہین۔ وہ اکثر اخیر عمر تک ساتھ رہتی ہین۔ بچپن ہی مین خصلت کی تعلیم کی ترقی ہوتی جاتی ہے یعنی مزاج کی۔ ارادے کی۔ عادت کی چنیر آئندہ ساری عمر کی خوشدلی بہت کچھ منحصر ہے۔ اگر کسی عالی دماغ حکیم کو روزانہ بے آرامیون اور بداخلاقیون اور کمینہ پن کی حالتون مین پھنسا دو تو وہ خود بخود وحشی پن کی طرف کھچا چلا جائیگا۔ پس جب عاقلون کی یہ نوبت ہے تو بچے کا کیا حال ہوگا جو بیکس ہے۔ اور موم کی طرح بہت آسانی سے نقش قبول کرنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ نقش

جس گھر مین محبت کا اور ادائے حقوق شرافت کا شوق غالب ہے۔ جس مین دل و دماغ دونون عاقلانہ حکم چلاتے ہین۔ جس مین روزمرہ کے کاروبار زندگی مین دیانت امانت راستی موجود ہے جس مین عاقلانہ و شفقانہ انتظام موجود ہے اُس گھر مین یہ توقع ہو سکتی ہے کہ اولاد تندرست و خوش دل و نفع رسان ایسی پیدا ہو کہ جب اُسکو قوت اپنے مربیون کے قدم بقدم چلنے کی حاصل ہو تو وہ نیک دلی کے طریقون پر چلے۔ اپنے نفس پر ضابطہ ہو۔ اور اپنے ہمسائے کے آدمیون کی بہبودی اور رفاہ مین معاون ہو۔ بچے کی طبیعت کے ڈھالنے کے لئے سب سے عمدہ سانچہ نمونہ ہے۔ اگر کوئی چاہے کہ میرے بچون کی خصلتین اچھی ہون تو انکے سامنے اپنی خصلت کے اچھے نمونے پیش کرے۔

ہر بچے کی آنکھون کے سامنے جو نمونہ مستقل طور پر رہتا ہے وہ اُسکی مان ہے۔ سو معلمون کے برابر ایک اچھی مان ہوتی ہے گھر مین رہنے والے دلون اور ساری آنکھون کی مقناطیس ہوتی ہے۔ اولاد ہمیشہ مان کی پیرو ہوتی ہے۔ مثال امر سے بہتر ہوتی ہے

مثال تعلیم بالعمل کو کہتے ہین - امر زبانی حکم کو - مثال اپنی بے زبانی سے جو تعلیم کرتی ہے وہ زبانی اوامر نہین کرتے - مثالِ بد کے روبرو عمدہ اوامر بہت ہی کم فائدہ دیتے ہین - مثال کی پیروی کی جاتی ہے اوامر کی نہین - جب امر برخلاف عمل کے ہوگا تو وہ بڑدلانہ برائیان سکھائے گا - بچے ہی اپنے مان باپ کی اس بات کو سمجھ جاتے ہین کہ وہ کہتے ہین کچھ اور کرتے ہین کچھ - اور اگر کوئی واعظ کسی کا مال مار کر جیب مین رکھے اور دیانت کا وعظ کہے تو کچھ اثر نہ ہوگا - گھر عورت کی دارالسلطنت ہوتا ہے - اسمین سارے احکام اُسکے چلتے ہین - وہ اپنے بچون کی ننھی ننھی رعیت پر حکم ناطق نافذ کرتی ہے - ہر چیز کے لئے بچے اپنی آنکھون کو اُسی کی طرف لگائے رہتے ہین - ہر وقت اُنکے روبرو وہی مثال اور نمونہ ہے جسکی وہ پیروی کرتے ہین اور نقل اُتارتے ہین گو اُسکا علم خود اُنکو نہ ہوتا ہو - اسواسطے بچون کی چال چلن اور طور طریقے پر مان کا اثر بہ نسبت باپ کے زیادہ ہوتا ہے - گھر مین مان کا نیک مثال ہونا ایک بڑی نعمت ہے -

ابتداے عمر مین دل کے اندر جو خیالات جم جاتے ہین اُنکا حال ایسا ہوتا ہے جیسے کہ کسی چھوٹے پودے کی چھال پر حروف کندہ کر دیے جائین - وہ درخت کے ساتھ بڑھتے چلے جائین گے گو وہ کیسے ہی ہلکے ہون مگر مٹنے کے نہین - زمین پر بیج ڈالے جاتے ہین تو کچھ مدت تک وہ اُس مین پڑے رہتے ہین پھر پھوٹتے ہین اور بڑھتے ہین - یہی حال اُن خیالات کا ہوتا ہے جو ہمارے دل مین اوّل جم جاتے ہین کہ آخر کو وہی ہمارے عادات اور اعمال ہو جاتے ہین -

نسل انسانی کا ظاہری انتظام مہر مادری پر ہے - جسکا اثر مدام اور عالم گیر ہے - جب سے انسان پیدا ہوتا ہے اسکی تعلیم شروع ہوتی ہے - اور اُسکے ساتھ ہی مان کی محبت کا اثر شروع ہوتا ہے - بچون پر نیک مائون کا اثر عمر بھر رہتا ہے - جب اولاد دنیا کے کام دھندون جھگڑون بکھیڑون اور ترددات و تفکرات مین پڑتی ہے اور تکلیفات اور مشکلات پیش آتی ہین تو وہ صلاح و مشورے اور تسلی و تشفی کے لئے مائون ہی کی طرف رجوع کرتی ہے - مثل مشہور ہے کہ مصیبت کے وقت مان ہی یاد آتی ہے - مائین اپنے بچون کے دلون مین جو عمدہ اور پاکیزہ خیالات

جمادیتی ہین وہی بڑے ہونے پر نیک اعمال کی صورت مین اپنا جلوہ دکھاتے ہین۔

عورت سب معلمون سے زیادہ نرمی اور ملائمت سے تعلیم کرتی ہے۔ مرد انسانیت کا دماغ ہے۔ عورت اُسکا دل ہے۔ وہ اُسکی قوت ہے۔ یہ اُسکا حسن و زیب و زینت ہے۔ مرد عقلی ہدایتین کرتا ہے۔ مگر عورت قلب کی درستی کرتی ہے جس سے خصلت سنورتی ہے۔ مرد حافظے کو پُر کرتا ہے۔ عورت دل کو پُر کرتی ہے۔ مرد جس بات کا یقین دلاتا ہے عورت اُسکی محبت دلاتی ہے۔ غرض عورت کی بدولت اکثر ہماری رسائی نیکی پر ہوتی ہے۔

اگر کوئی عورت نیک اطوار۔ کفایت شعار۔ خوش مزاج۔ پاکیزہ طبیعت۔ کسی گھر کی سرپرست ہو تو سارے کنبے کی زندگی بخیر و عافیت بسر ہوگی۔ اور وہان آرام و چین۔ نیکی اور خوشدلی۔ طرح طرح سے اپنے جلوے دکھائیگی۔ ہان مرد کے لئے بہت سے ہمراہی دل کے خوش کرنے والے موجود ہونگے۔ دلون کے لئے عبادت گاہ وہان تیار ہے۔ حادثات زمانہ سے بچنے کے لئے امن وہ ہے۔ محنت و مشقت کے بعد آرام گاہ ہے۔ مصیبت و اخلاص مین تسلی و تشفی وہان ہے۔ غرض ہر درد کی دوا وہان موجود ہے۔ اور ہر وقت خوشی اور راحت کا سامان مہیا ہے۔

بچون اور بڑون کی تربیت اخلاق مین گھر جیسا سب مدرسون سے بہتر ہے ویسا ہی بتر بھی ہوسکتا ہے۔ گھر مین اُس قوت کا ہونا بھی ممکن ہے جو بچپن سے لیکر دم آخرین تک بے حد شرارت اور جہالت پیدا کرتی ہے۔ مادر اور دائیون کی نالایقی سے کیا کیا اخلاقی آفات اور امراض ظہور مین آتے ہین۔ بچے کو ایک پاجی جاہل دایہ کے حوالے کردو تو بچے مین وہ عیب پیدا ہوگا جو ساری عمر کی تقلید و تربیت سے دور نہ ہوگا۔ جس گھر مین مان شریر۔ کاہل۔ نابکار ہو۔ کھڑ بچین نکالتی ہو۔ جھنجلاتی ہو۔ رنج پھیلاتی ہو۔ وہ گھر جہنم ہے۔ جس سے بھاگنے کو دل چاہتا ہے۔ جن بچون کی بدنصیبی سے ایسے گھرون مین پرورش ہوئی ہے وہ اخلاق کی رو سے بگڑے اور بیڈول ہونگے۔ وہ نہ اپنے لئے اچھے ہونگے نہ اورون

کے لئے۔ بلکہ سب کے واسطے بُرے ہونگے۔

مردون کی خصلت بنانے مین عورتین جو اثر کرتی ہین گو نوشت خواند مین نہ آئے مگر وہ اُنکے بعد باقی رہتا ہے اور ہمیشہ اپنے نتائج خیر کو جاری رکھتا ہے عورتون نے نہ تو بڑھ بڑھ کے تصویرین بنائین۔ نہ بڑی بڑی کتابین تصنیف کین۔ نہ الجبرا ایجاد کیا۔ نہ دوربین اور خانی کلین اختراع کئے ہین۔ کہ صاف باطن و نیک صفات اہل دل موجدون کو اپنی گود مین تعلیم و تربیت کیا ہے۔ اس سے بہتر کیا ایجاد دنیا مین ہو سکتا ہے۔ اگر عورت اور مردون کی خصلتون کا فیصلہ اس لحاظ سے کیا جاے کہ کس نے زیادہ بھلائی دنیا مین پھیلائی تو عورتون کو ترجیح رہے گی۔

عورتون پر لازم ہے کہ وہ سلیقہ مندی کی عادت پیدا کرین کہ جس سے وہ دنیا کے روزانہ کامون مین موثر۔ مددگار۔ و معاون ہون۔ عورتین ہی بچون کو دودھ پلانے والی۔ پرورش کرنے والی۔ تعلیم کرنے والی ہوتی ہین۔ ماؤن کی فقط محبت طبعی کافی نہین۔ عقل حیوانی نسل حیوانات کو قائم رکھتی ہے۔ کیونکہ اُسکو ضرورت تربیت و تعلیم کی نہین ہوتی لیکن عقل انسانی جسکی ضرورت ہمیشہ کنبے مین رہتی ہے تعلیم کی محتاج ہے۔ خداے تعالےٰ نے عورتون کو ایک خاص فطرت جسمانی عطا کی ہے۔ لیکن اسکے ساتھ فطرت عقلی اور فطرت اخلاقی بھی سکونت پذیر ہے۔ پس عورتون کو سب سے پہلے یہ سمجھنا ضرور ہے کہ صحت جسمانی و صحت عقلی و صحت اخلاقی بموجب قوانین فطرت گھر مین کیونکر حاصل ہو سکتی ہے۔ آدمی کے ایک تہائی بچے پانچ سال کی عمر کے اندر مر جاتے ہین۔ اسکا سبب یہ ہے کہ مائین قوانین فطرت سے آگاہ نہین ہوتین۔ وہ جسم کی ترکیب سے بے خبر ہین۔ تازی ہوا۔ اور صاف پانی کے فوائد سے ناواقف ہین۔ زود ہضم غذا کے تیار کرنے اور بنانے کو نہین سمجھتین۔ یہ کہنا بالکل سچ ہے کہ عورتون کو مردون جیسی عقل اس لئے دی گئی ہے کہ وہ کام مین لائی جائے۔ نہ یہ کہ نکمی رکھ کر سڑائی جاے۔ یہ عطیات بغیر کسی مطلب اور مقتضا کے نہین عطا ہوے۔

عورت اسلئے نہین بنائی گئی کہ وہ بے عقل و نافہم رہ کر مرد کی خدمت یا مزدوری کرے۔ یا ایک سُہانا کھلونا بن کر وقت فرصت اُسکا دل خوش کرے۔ اسکے ذمے ایسے نازک جوابدہی کے فرائض ہین کہ جنکے لیے دماغ تعلیم یافتہ اور دل شفقت انگیز چاہیئے عورتون کی تعلیم کے باب مین ہمیشہ سے اختلاف رائے چلا آتا ہے۔ ایک طرف نہایت تنگدلی سے یہ رائے نامعقول بیہودہ پچھردی جاتی ہے کہ عورتون کو علم کمسٹری کا اتنا آنا کافی ہے کہ وہ ہنڈیا پکالین۔ اور علم جغرافیہ اتنا بہت ہے کہ وہ اپنے گھر کے کمرے جانتی ہو۔ بڑا کتب خانہ اُنکے لئے یہ ہے کہ ایک کتاب مقدس اُنکے پاس ہو۔ دوسری طرف اُسکے مخالف وہ رائے ہے جس مین مبالغہ۔ لغو۔ فضول۔ فطرت کی مخالفت موجود ہے۔ اُسکا دعویٰ یہ ہے کہ تعلیم مین عورت اور مرد دونون ہم پلہ ہون۔ حقوق مین اور رائے دینے مین دونون برابر ہون منصب و جاہ و دولت و حکومت کے لیے جو خود غرضی کی جڑ اور خطرے کا گھر ہین دونون مساوی سمجھے جائین فقط عورت ہونے کی وجہ سے کسی جاہ و منصب سے محرومی نہ ہو۔

ابتدائے عمر مین جو تعلیم و تادیب نہایت مناسب لڑکون کے واسطے ہے وہی لڑکیون کے لیے ہے۔ تربیت و تعلیم کی استعداد جیسی مردون مین ہے ویسی ہی عورتون مین ہے۔ مردون کے اعلیٰ درجے کی تعلیم کے حق مین جو دلائل متین اور براہین عظیم بیان کیے جاتے ہین وہی عورتون کے اعلیٰ درجے کی تعلیم کے لیے نہایت متانت سے وکالت کر رہے ہین۔ گھر کے تمام کارخانون مین عقلمندی عورتون کی بکار آمد اور موثر ہونے کو زیادہ کردیگی۔ یہ عقلمندی عورتون مین تفکر اور مآل اندیشی پیدا کریگی۔ وہ پہلے سے اُنکو سمجھا دیگی کہ زندگی کی ضروریات کیا ہین اور وہ کیونکر بہم پہونچ سکتی ہین۔ غرض ہر طرح سے ان کی تقویت کا سبب ہوگی۔ انکی قوائے عقلیہ کی تادیب سے یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ وہ جیسے اپنے بھولے پن اور جہالت سے دغا اور فریب اور توہمات کے جال مین پھنس جاتی ہین نہ پھنسین گی۔ اور اخلاقی اور مذہبی تربیت اُنکا افتخار بڑھائین گی۔ اور اُن مین وہ سچی خود اعتمادی اور فرائض پروری پیدا کریگی

جو خانہ داری کے چین و آرام اور خوشدلی کا سرچشمہ ہے۔

مردون کے اخلاق و دماغ کا صحیح رہنا عورتون پر موقوف ہے اسلئے عورتون کی تعلیم ایک قومی اور مہتم بالشان امر سمجھا جاتا ہے عورتون کی پاکیزگی اخلاق اور عقلی تربیت مردون کی اخلاقی خصلت اور عقلی قوت کی بڑی ملاذ و ماوے ہین جیسے یہ دونون مل کر اپنے قوے کو کامل طور پر ظاہر کرین گے ویسا ہی قوم کا انتظام زیادہ عمدہ ہوگا۔ اور اس کی برتری اور اقبال مندی یقینی ہوگی۔

مولنا عبد الحلیم شرر عباسی

سنہ ۱۸۶۶ء مین لکھنو مین پیدا ہوے۔ پانچ برس کے سن مین آپکی بسم اللہ ہوئی آپکے والد ماجد جناب حکیم تفضل حسین صاحب عربی کے اعلی تعلیم یافتہ اور فارسی کے یکتاے عصر تھے واجد علی شاہ کے ملازم تھے۔ آٹھ برس کے سن مین آپکو اپنے ہمراہ کلکتہ لے گئے۔ وہان حافظ الہی بخش صاحب سے قران مجید ختم کیا۔ اور اپنے والد سے کچھ ابتدائی کتابین اور ملا باقر سے صرف و نحو اور مولوی سید علی حیدر صاحب طباطبائی سے کچھ منطق و فلسفہ کی کتابین پڑھین۔ اسی زمانہ تعلیم مین انگریزی زبان بھی سیکھ لی اور حکیم محمد مسیح صاحب سے طب پڑھی اور چند رسالے مطب بھی کیا۔ کلکتہ مین قیام کے زمانہ مین لکھنؤ آنا ہوتا تھا۔ علم کا شوق بیکار نہ بیٹھنے دیتا تھا چنانچہ اسی زمانہ مین مولوی محمد یحیی صاحب اور مولوی عبد الباری صاحب سے آپنے متوسطات معقول تمام کین۔ ۱۸۷۷ء مین آپ کے والد نے آپکو لکھنؤ بھیجدیا یہان آکر آپنے آفتاب ہدی جناب مولنا عبد الحی صاحب نور اللہ مرقدہ سے تمام کتب درسیہ تمام کین۔ اور جناب مفتی میر عباس صاحب سے عربی علم ادب کی تعلیم پائی۔ ۱۸۷۹ء مین علم حدیث کا شوق آپکو دہلی لے گیا۔ اور مشہور محدث جناب مولوی نذیر حسین صاحب سے صحاح ستہ اور موطا امام مالک تفسیر جلالین ختم کرکے لکھنؤ واپس آئے۔ نظم مین آپ مولوی حیدر علی صاحب طباطبائی کے شاگرد ہین جو اس زمانہ کے مشہور ناظم و نثار ہین۔ حیدر آباد دکن مین قیام فرما ہین۔ اور برکات ولایت آصفیہ سے مالا مال ہین۔

۱۸۸۱ء مین آپ اودھ اخبار کے اسسٹنٹ اڈیٹر مقرر ہوے - اُسی زمانہ مین محشر نام ایک ہفتہ وار رسالہ آپنے نکالا جسمین بہت نازک رنگین شاعرانہ مذاق کے مضامین نکلتے رہے - اودھ اخبار کی اڈیٹری ترک کرنے کے بعد آپنے ایک دلچسپ ناول لکھا جسکو بہت مقبولیت ہوئی - جنوری ۱۸۸۳ء سے آپنے ، گلدستہ جاری کیا - جو اپنے رنگ کا بے نظیر پرچہ ہے -

۱۸۸۱ء مین آپ حیدرآباد تشریف لے گئے - نواب وقار الامرا بہادر معین المہام مال نے اپنے خزانۂ پائیگاہ سے ماہوار آپکی تنخواہ مقرر دی - حیدرآباد کے قیام کے زمانہ مین آپنے تاریخ سندھ لکھی جسکے مسودہ کو دیکھکر نواب وقار الامرا بہادر نے پانچہزار روپیہ انعام کے طور پر خزانہ ریاست سے دلوائے -

۱۸۹۳ء مین آپ نواب وقار الامرا بہادر کے صاحبزادے نواب ولی الدین خان بہادر کے ہمراہ انگلستان تشریف لے گئے - انگلستان مین ۱ سال رہے - اور وہین فرانسیسی زبان سیکھی اور اسناد درک حاصل کرلیا کہ فرنچ زبان کی کتابون کو سمجھ لین اور اُس زبان کی کتابون کا اُردو مین ترجمہ کرلین - انگلستان سے واپسی کے چھ ماہ بعد نواب وقار الامرا بہادر سے باضابطہ اجازت حاصل کرکے پھر لکھنؤ آئے - اور یہان آکر برابر علمی خدمات مین مشغول رہے -

۱۹۰۰ء مین آپ پھر حیدرآباد تشریف لے گئے اور وہان اسسٹنٹ ڈائرکٹر تعلیمات مقرر ہوئے - ۱۹۰۹ء مین جناب مولوی عزیز مرزا صاحب مرحوم اور مولوی ظفر علی خان صاحب بی - اے - کے ہمراہ آپ بھی اپنے خدمت سے سبکدوش ہوے - اُسوقت سے برابر لکھنؤ مین قیام ہے - اور کسی شاغل سے کوئی دم خالی نہین -

نثر مین شاعرانہ خیالات کا اظہار کرنا - تاریخی اور عشقیہ ناولون کو دلچسپ پیرایہ مین ادا کرنا - تاریخی حالات کو تحقیق سے لکھنا - قدرتی منظر - دلی جذبات کو ایسے طور پر لکھنا کہ پڑھنے والے کے دل پر اُس کا سچا اثر قایم ہوجاے آپکا حصہ ہے - جسمین اسوقت کوئی آپکی برابری نہین کرسکتا - ناولون کے بابت تو تمام ہندوستان نے مان لیا ہے کہ آپ سے بہتر کوئی لکھنے والا نہین - آپ کثیر التصانیف ہین - آپکی حسب ذیل چند تصانیف بہت قابل قدر ہین -

تاریخ سندھ۔ حروب صلیبیہ۔ عصر قدیم۔ فلورڈا۔ ماہ ملک۔ ایام عرب۔
فتح اندلس۔ فردرس برین۔

رنج والم

اے ہمسفیرانِ ملک وجود کہو تمہاری اتنی زندگی بے رنج والم کا مزہ اُٹھاے ہی ختم ہوگئی۔ تم تو ابھی چند روزہ اور باغ ہستی کی ہوا کھاؤ گے تمکو اپنی پوری عمر کا کیا حال معلوم۔ تم کیا جانو کہ باقی عمر کیونکر گذرے گی اسلئے تمہارا کیا اعتبار۔ دیکھو ہم اُن لوگون سے سارا حال پوچھے لیتے ہین جو زندگی کو کھو چکے اور اپنے دلِ دردمند کو لئے قبرون مین لیٹے ہوئے ہین اور اصل تو یون ہے کہ اُنسے بڑھکر کوئی کیا جانے گا۔ ہاے جان دیگر یہی تو ایک تجربہ ان لوگون کو حاصل ہوا ہے مدتون دنیا مین ٹھوکرین کھاکر بس اتنی ہی بات اُنھون نے سیکھی ہے۔ قبر کی بے فکری مین اگر کبھی کبھی دنیا یاد آتی ہوگی تو روز روز کا سوہان روح اور گھڑی گھڑی کا غم واندوہ آنکھون مین پھر جاتا ہوگا۔

اے یاران عدم اب تمہارے ہوتے یہ معاملہ کس سے دریافت کرنے جائین۔ پیاری زندگی تم اسی روزانہ مصیبت کے نذر کر چکے ہو۔ بہت بڑی دولت کھو کر تم نے سیکھا ہے بتاؤ کہ جب تک دنیا مین تھے کسی وقت بھی آرام سے بسر کرنے کا اتفاق ہوا تھا۔ یہ ساری ساٹھ ستر برس کی عمر جان کاہیون ہی مین گذری۔ بھلا تمہین کوئی ایسا دن بھی نصیب ہوا تھا جس مین تم چین سے سوئے ہو کوئی جشن عشرت پوری طرح مزے مین گذرا تھا۔ کسی بزم طرب مین بھی تمکو آخر تک وہی پہلی سی شادمانی رہی تھی۔ ہماری تو یہ راے ہے کہ ایک لمحہ بھی تم پر بے رنج والم کے نہ گذرا ہوگا۔ آخر کچھ تو بتاؤ کہ ہماری تسکین ہو۔ دیکھو بڑی آرزو لگا کر آئے ہین۔ یہ مسئلہ یہان بھی نہ حل ہوا تو کچھ نہوا۔

خیر تم نہ بولو سہی تو کیا مضایقہ ہے۔ وہ تمہارا غضب کا سکوت اور بلا کی مایوسی کہے

دیتی ہے کہ کبھی سچی خوشی نہ نصیب ہوئی۔ تمہاری حسرت ناکی گواہ ہے۔ گورِ غریبان کی سنسان آبادی پکار رہی ہے کہ "صورت ہمیں عالم بیرون" دوسرے سارا زمانہ جانتا ہے کہ "خاموشی نیم رضا" ہم سمجھ گئے کہ اس چپ چاپ سادھنے پر یہ بات ٹل جائیگی بھلا کہین ایسا ہو سکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ تمہارے یہان آکر بھی یہی معلوم ہوا کہ دنیا بس رنج والم کا گھر ہے۔

اب تو اس مسئلہ پر ہمین یقین آگیا۔ لاؤ زمانہ بھر کو سمجھا دین کہ دنیا کی ان دیگر خوشیون مین پھنس کر بڑی گھڑی کو نہ بھولے۔ گو بدمستی شبینہ مین خمار کا خیال کسے گذرا ہے جو ہماری سرمغزن سے گذرے گا۔ مگر ہمین اپنا فرض ادا کر دینا چاہیے۔ اے صاحبان رخصت کی گھڑی سر پر کھڑی ہے۔ مزے مین آکر ایسے نہ اترا جاؤ۔ اے رندان خرابات دیکھو پھر خمار بے چین کر دے گا۔ یون سیہ مستیون کی نہ لو۔ اے راحت طلبان بزم عشرت زیادہ خوشیون مین نہ آؤ۔ تھوڑی ہی دیر مین محفل برہم ہوا چاہتی ہے۔ اے دلدادگان وطن یہ نہ سمجھو کہ کبھی وطن آوارگان غربت کا ساتھ نہ دینا پڑے گا۔ کیون اسقدر مانوس عشرت ہوے جاتے ہو۔ اے جلوہ افروزان تخت سلطنت اتنی راحت طلبی اچھی نہین تمہارے تھوڑے دشمن نہین ہین۔ اے بدمستان دولت ہوش مین آؤ۔ کون جانتا ہے کہ زمانہ تم سے ہمیشہ ہی بنا رہے گا۔

مگر افسوس جس طرح گورِ غریبان والون نے دریافت کرتے وقت سانس تک نہ لی تھی اسی طرح ان لوگون نے بھی آنکھ اٹھا کے نہ دیکھا۔ دنیا کی دلبستگیان خدا جانے کیسا لبھا لیتی ہین کہ گو روز کسی نہ کسی صدمہ سے سابقہ پڑتا ہے مگر پھر بھی متنبہ نہین ہوتا۔ وہ اگلا جملہ سونے سے لکھنے کے قابل ہے کہ "بدمستی شبینہ مین کبھی خمار نہین یاد آتا ہے"۔

دنیا مین دو چیزین ہین ایک راحت اور ایک رنج۔ ان دونون مین ہمیشہ مقابلہ ہوتا آیا ہے۔ عقل نفس کے دلچسپ مباحثے تو سبھی کو یاد ہونگے مگر رنج و راحت کی روزانہ

لڑائیاں بھی دیکھنے کے قابل ہیں۔ انسان میں دیکھو راحت اپنے زبردست مددگار جوانی کو بلاتی ہے اور رنج بڑھاپے کو لاکر اُسکا مقابلہ کرتا ہے۔ مگر یہ کس غضب کا نجیف الجثہ بڈھا ہے کہ ہمیشہ جوانی پر غالب آجاتا ہے۔ باغ ہستی عام طور پر ایک عشرت کی بہار کا مزہ اٹھواتے اٹھواتے کبھی خزاں کے ذریعہ سے انتہائی افسردگی کا سامان دکھلا دیتا ہے۔

مگر راحت کچھ ایسی جلد بازی اور سرعت کو کام میں لاتی ہے کہ جب اسے دیکھا ہے پہلے ہی آتے دیکھا ہے۔ اور غم آخر میں آکر ساری بزم عشرت کو برہم کر دیتا ہے۔ اسی لئے دیکھیے ہر کسی کا پیدا ہونا نمونہ راحت ہے اور مرنا نمونہ رنج پوری خوشی سے انسان کی ابتدا ہوتی ہے اور دنیا کی چند روزہ عمر راحت و غم کے اختلافات اور جنگ و جدال کا زمانہ ہے۔ خوشی چاہتی ہے کہ میں اپنا وہی اگلا سا رنگ جمائے رہوں اور رنج کہتا ہے کہ باغ کی سیر اور یہ آرزو کہیں پوری ہو سکتی ہے۔ لاکھ سنبھلنے کے ارادے ہوں مگر جب میں سنبھلنے دوں۔ یہاں تک کہ آخر کو اس لڑائی میں رنج ہی کے ہاتھ میدان رہتا ہے اور موت نصیب ہوتی ہے جو تمام خوشیوں کا خاتمہ ہے اور رنج ہی رنج رہجاتا ہے۔ پوری خوشی اُسی روز تھی جس روز پیدا ہوئے تھے۔ اور پورا رنج اُس روز ہوگا جب مرینگے۔

مگر کیا غم بالکل بُری ہی چیز ہے۔ اصل تو یوں ہے کہ ساری خوشی رنج ہی کے بدولت ہے جس روز رنج دنیا سے اُٹھ جائے اُس روز خوشی کا خاتمہ ہے۔ قاعدہ یہی ہے کہ کسی چیز کے ہونے کی جبھی آرزو ہوگی جب نہ ہونیکا کھٹکا ہو۔ آفتاب کا چمکدار چہرہ اسلئے بھلا معلوم ہوتا ہے کہ چار پہر اُسکے دیکھنے کو آنکھیں ترس جاتی ہیں اسلئے کہتے ہیں کہ خوشی اُنھیں لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو مدتوں سرد مہری زمانہ کا مزہ اُٹھایا کئے ہیں۔

لوگ جو بچپن سے ناز و نعمت میں پلا کئے ہیں کیا جانیں کہ سچی راحت میں کیا مزہ ہے۔ یہ تو اُنھیں سے پوچھیے جن کی بلا کشی میں گذری ہو۔ رنج رنج ہے تو خوشی سے۔ خوشی خوشی ہے تو رنج سے۔

ہمارا مذہب ہے کہ آدمی کبھی خوشی مین رنج کو نہ بھولے اور رنج مین خوشی سے مایوسی نہو۔ دونون کا جوڑا برابر ہے۔ مبتلایان غم سمجھ لین کہ راحت کا جیسا مزہ اُن کو ملے گا کسی کو نہین ملسکتا۔ سب کچھ سہی مگر کوئی یہ بلا کشی کہان سے لائیگا۔ اور راحت کا لطف ہے تو اسی کے بعد۔ غم فراموشان بزم عشرت ڈرتے رہین کہ آگے چلکر جیسا غم اُنہین جھیلنا پڑیگا کسی نے کاہے کو جھیلا ہوگا۔ ہزار آفتین ہون مگر کسی نے ایسی راحت کاہے کو اُٹھائی ہوگی اور سب سے بڑا غم وہی ہے جو عیش و عشرت کے بعد ہو۔ اُسکی پیروی کرین تو دیکھو کس مزے مین رہتے ہین۔ نہ غم کیشون کو ایسی مایوسی ہوگی۔ اور نہ عشرت گزینون مین ایسی فرعونیت آنے پائیگی۔

(محمد عبد الحلیم شرر لکھنوی)

باغ آرزو

آہاہا! سامنے کیسے پھول کھلے ہوے ہین۔ جوانانِ چمن کیسا خوبصورت زیور پہنے ہین کہ نظر اُدھر جاتے ہی فریفتہ ہو جاتی ہے۔ درختون کا ہرا ہرا رنگ آنکھون مین کھپا جاتا ہے۔ کس قیامت کی بہار ہے۔ اس منظر فریب منظر نے دل مین کچھ ایسا جوش پیدا کر کے اپنے طرف کھینچا کہ بجھی ہوئی طبیعت مین ایک ولولہ پیدا ہوگیا۔ حوصلے بڑھ گئے۔ اور امیدون نے پہلو مین گدگدا کر آگے بڑھا دیا۔ حسرت نصیب زندگی مین جن ہاتھون کو شب و روز ملا کیے تھے وہ اس شوق سے پہلے کہ ایک دو پھول توڑ لین۔ مگر ناکافی ہوئی۔ دو قدم اور بڑھے۔ اب یقین تھا کہ پھول بالکل پاس ہی ہین مگر ہاتھ پھر خالی پڑا۔ اور آگے بڑھے مگر پھر بھی حسرت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ یونہی برابر بڑھ بڑھ کے ہاتھ مارتے چلے گئے۔ اور ناکام ہوتے رہے۔ حوصلہ پست ہونے لگا اور ارادہ کیا کہ اس خیال خام سے باز آئین حسرت بھری نگاہ سے اُن تر و تازہ اور خوش نما پھولون کو دیکھا جن سے ہاتھ اُٹھا یا چاہتے

تھے۔ لیکن اس مرتبہ وہ پھول اسقدر نزدیک اور ایسے شگفتہ معلوم ہوے کہ امیدین از سرنو زندہ ہوگئین۔ اور حوصلے نے گویا سنبھالا لیا۔ دل خود بخود کہنے لگا۔ اُہوہ۔! اب تو یہ پھول بالکل پاس ہین۔ تروتازگی اب کچھہ اور ترقی پر معلوم ہوتی ہے۔ اب تو انکے رنگ بھی پہلے سے زیادہ نظر فریب ہین۔ تھکے ہوے پاؤن سے پھر کام لیا۔ مگر اب بھی یہی ہوا۔ کہ وہ ہوکا ہوا تھا۔ ہمت ہار کر بیٹھہ گئے۔ اور کہنے لگے ہاے کیا اچھے پھول ہین۔ اتنا کھکر دیکھا تو پھول اور زیادہ نزدیک معلوم ہوے۔ بہزار دشواری اُٹھے۔ اور گرتے پڑتے چلے۔ مگر مایوسیون نے اس دفعہ بھی ناکام ہی رکھا۔ باغ آرزو اسی کو کہتے ہین۔ یہ تو کسی کو نہین معلوم کہ دُنیا مین ہے یا نہین۔ مگر اتنا جانتے ہین کہ سب لوگون کو پاس ہی نظر آتا ہے۔ دل بستگیان ہین کہ جلوہ گاہ جس کی طرح لگا لگا کے آگے ہی بڑھائے لے چلی جاتی ہین۔ اور کچھہ ایک ہی قسم کی نہین۔ ہر طرح کے لطف اور ہر مذاق کی دلچسپیان ہین۔ دیکھو وہ عورت اپنا بیمار بچہ گود مین لئے کھڑی ہے کیسی مایوس ہو ہو کے چارون طرف دیکھتی ہے۔ مگر کوئی دردمند نظر نہین آتا۔ آنسو بھری ہوئی آنکھون سے کارخانۂ قدرت کے مٹے مٹے نمونے دیکھ رہی ہے۔ دنیا بھر کی خوشیان اور شگفتہ دلیان اُسے دھندلی دکھائی دیتی ہین۔ ان سب چیزون کو ایک حسرت آلود نگاہ سے دیکھ کر اُسنے ایک سرد آہ بھری اور آنکھین جھکا لین ہجوم یاس سے گھبرائی ہوئی نگاہ کہین ایک حال پر ٹھہر سکتی ہے۔ اُسنے پھر آنکھین پھاڑ پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کیا۔ اتفاقاً باغ آرزو پر نظر جا پڑی۔ وہ دیکھتی ہے کہ اُس پُر فضا باغ کی کیارین پر ایک مسیحا نفس حکیم کھڑا ہوا ہے۔ اور دلفریب اشارون سے اُسے بلا رہا ہے کہ یہان آ۔ مین تیرے بچے کا علاج کردونگا۔ اور حکیمون کی تشخیص اور علاج کا حال تجربے سے معلوم ہوتا ہے۔ مگر اسکی صورت دیکھتے ہی تسکین سی ہوئی جاتی ہے۔ غریب عورت اپنے لڑکے کو لئے ہوئے خوشی خوشی اُدھر کو چلی۔ کامیابی کے شوق مین خدا جانے کسقدر آگے بڑھہ گئی۔ لیکن نگاہ اٹھا کے دیکھا تو اُسی قدر فاصلہ نظر آیا جس قدر پہلے تھا۔ عجب

حسرت کی آواز سے پکار کر کہنے لگی۔ حکیم صاحب! کیا میری قسمت مین نہین لکھا ہے کہ آپ تک پہونچون۔ اس طرف سے جواب ملا گھبرا نہین۔ اب پہونچا ہی چاہتی ہے۔ عورت اور آگے بڑہی آرزوؤن کے جذبات پہر بہت دور تک بڑہا لے گئے۔ دیکھا تو اب بھی حکیم صاحب اُسیقدر فاصلے پر ہین۔ اب عورت کے پاؤن مین بھی طاقت نہین رہی۔ سانس پھول گئی۔ اور پاؤن من من بھر کے ہو گئے۔ اس بے نصیبی پر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ مامتا کا جوش۔ اس حالت پر بھی اُس نے ہمت نہین ہاری۔ روتی ہوئی چلی۔ اب غور کر کے وہ یہی دیکھتی جاتی ہے کہ کہین حکیم صاحب تو پیچھے نہین ہٹتے جاتے ہین ایک ہچکی کی آواز اُس کے کان مین آئی۔ سہم کر اُسنے اپنی گود کی طرف دیکھا۔ لڑکے کی حالت غیر تھی۔ اور وہ دم توڑ رہا تہا۔ گھبرا کے بیٹھ گئی۔ مایوسی کی صورت سے حکیم صاحب کی طرف دیکھا کہ ہاے مین اس لڑکے کو وہان تک نہین پہونچا سکتی۔ اس طرف سے حکیم صاحب نے پکار کے کہا بیٹھ کیون گئی۔ مین پاس ہی تو ہون۔ آ میرے پاس چلی آ۔ میرے پاس سب طرح کی دوائین ہین۔ اگر تو مانگے تو موت کی بہی دوا دے سکتا ہون۔ وہ رو کے کہنے لگی سب کچھ ہے مگر کیا کرون۔ اب آپ تک مین پہونچ ہی نہین سکتی۔ اتنے مین بچے کا دم نکل گیا۔ ناامیدی کے ہجوم مین معلوم تو کچھ نہ ہوا مگر وہ عورت اس مصیبت مین جس قدر آگے بڑہی تہی خدا جانے کس نے اُس سے بہی زیادہ پیچھے پہینک دیا۔ باغ آرزو اور ہمارے بیچ مین جو مختصر سا میدان نظر آتا ہے وہ ظاہر مین تو بہت چہوٹا اور بالکل صاف ہے مگر اصل مین بڑا اُلجہاؤ لمبا چوڑا اور انتہا سے زیادہ پیچیدہ ہے۔ اُسکے اُلجہاؤ کچھ انہین لوگون کو خوب معلوم ہین جنہون نے اس کا سفر کر کے اپنی قسمت آزمائی کی ہے۔ ہماری زندگی کا دامن میدان آرزو کے دامن سے بندہا ہوا ہے۔ زندگی کی دشواریان اور عرصہ ہستی کی دقتین ہرگز اس قابل نہ تھین کہ انسان ان کو جہیل سکتا۔ مگر آرزو کی وہ پیاری پیاری صورتین جو سامنے باغ آرزو مین نظر آیا کرتی ہین اُن سے کچھ ایسی دلبستگی پیدا ہو جاتی

ہے کہ یہ دشوار گذار منزلین عجب دلبستگی کے ساتھ ایک نرالی دہن اور محویت مین گزر جاتی ہین - زندگی کے ایک مختصر حصہ کی دشواریان بھی ایسی ہین کہ انکو یاد کرکے رونے کے لئے بھی جی چاہتا ہین - دنیا مین ہمین اچھی طرح انکے یاد کرنے کی نوبت تو آتی نہین ہے جیلنا کیسا - یہ باغ آرزو ہی کی دلفریبیان ہین کہ گذشتہ رنج والم ہمین یاد کرنے سے بھی نہین یاد آتے - اے ہمسفیران ہستی دیکھو باغ آرزو کی بہار زندگی کے نشیب و فراز مین تمہین کس طرح اپنی طرف متوجہ رکھتی ہے - بہت کم ایسے ہونگے جنہین باغ آرزو کی دلفریبیان یاد ہون - اسی لیئے ہم یاد دلاتے ہین - کنج عدم کی بے تعلقی اور بے غرضی نے ایسی سادگی اور بھولاپن پیدا کر دیا تھا کہ نہ کوئی آرزو تھی نہ کسی کا ارمان تھا - ایسی بے غرضی کی حالت مین خدا جانے کیا سبب ہوا کہ نہ رہا گیا - اور عرصہ ہستی کو روانہ ہوے - اسوقت تک ہمین تو کسی کی آرزو نہ تھی - مگر ہم البتہ اورون کے ارمان بن بن کر آئے تھے - غالبًا اورون کے جذبات اور دنیا والون کی کشش ہی نے ہمین اس فکرمندی کے مقام مین کھینچ بلایا - یہ ایسا مقام تھا کہ یہان کی کوئی چیز ہمارے مزاج کے مناسب نہ تھی - نہ آب و ہوا موافق تھی اور نہ یہان کے اخلاق و عادات سے مانوس تھے - دل بے آرزو کو وہ بے فکری کی حالت بہت ہی پسند تھی - مگر یہ پہلا موقع تھا کہ ہمارے دل مین کچھ تمنائین پیدا ہوئین - ہاے مرتے دم تک اس بے فکری کے زمانے کو یاد کرکر کے رویا کرتے ہین وہ اگلے سچے سرور اور اطمینان کی حالت جو کنج عدم مین نصیب تھی وہان تک تو ہمارے خیال کی نظر بھی نہین جاتی - ہان بچپن کے دنون کو ایک حسرت کے ساتھ یاد کرکر کے رو لیا کرتے ہین - جب ہم مین فکرمندی کی صلاحیت آچکی تھی - بچے تو تھے ہی امید ایک دلفریب مربی کی صورت مین نظر آئی - اور انگلی پکڑ کے ان چیزون کی سیر کرانے لگی - جنکی تمنا مین ہمین جان دینی تھی عمر کے میدان مین جو جو آگے بڑھتے گئے وہ وہ آرزوئین پختگی کے ساتھ دل مین جگہہ پکڑتی گئین - جوانی کا زمانہ یاد آیا - اور دل مین جنون انگیز جذبات ہجوم کرنے لگے - ان دنون

ہوش تو کسے تہا۔ مگر اتنا کہین گے چونکہ حوصلے بڑہے ہوے تہے اور پاؤن مین نیا نیا جوش اور پورا شوق بہرا ہوا تہا لہذا باغ آرزو مین جو کوئی نظر آجاتا اگر ہم سے بہاگتا تو ہم بہی رگید ڈالتے تہے۔ باغ امید اسوقت ابہی بہار مین معلوم ہوا کہ دل آرزو پسند گہبرا اُٹہا۔ جو چیز نظر پڑی دلفریب تہی۔ جو پہول دکھائی دیا نظر فریب تہا جس صورت کی طرف نگاہ گئی ہوش رُبا تہی۔ ایک دل کدہر کدہر متوجہ ہوتا۔ اور کس کس کا آرزومند بنتا۔ اس پہول کی خوبیون کو دیکھ رہے تہے کہ دوسرا نظر پڑا۔ اسکی خوشنمائی کو ابہی جی بہر کے دیکھ بہی نہین چکے تہے کہ تیسرے پر نظر جا پڑی۔ اور اس شوق سے گئی کہ وہین کی ہو رہی۔ ہاے افسوس! بوالہوسی باغ آرزو کی مصنوعی بہار دکھا دکھا کے یون ہی بڑہاتے لئے چلی گئی۔ اور ہم اس میدان ہوس مین چلتے چلتے ایسے تہکے کہ سارے حوصلے پست ہو گئے۔ تہوڑی ہی سیر کرنے پائے ہونگے کہ طاقت نے جواب دیا۔ اور پڑہاپا نامرادیون کی بہیانک تصویرون کا اہم ہاتہ مین لئے آموجود ہوا۔ یہ عجیب وقت تہا کہ کبہی تو باغ آرزو کے سدا بہار پہولون پر نظر جا پڑتی تہی۔ اور مردہ امیدین جی اُٹہتی تہین۔ اور کبہی وہ مایوسیان نگاہ کے سامنے ہو جاتی تہین جن کی تصویرین بڑہاپا اپنے الیم مین دکھا رہا تہا۔ زندگی اور موت کی کشاکش مین پڑ گئے۔ حیات اپنی طرف کہینچتی تہی اور موت اپنی طرف۔

اے ہمسفران ہستی! ہم تم سے سچ کہتے ہین کہ باغ آرزو ہے تو مزے کی چیز مگر جو فقط اسکے پیچہے پڑا رہا وہ ایسا خراب ہوا کہ کہین کا نہ رہا۔ یہ ایک بہول بہلیان ہے کہ تمنے اندر قدم رکھا اور پلٹنا دشوار ہو گیا۔ اس باغ مین تم جہان تک بڑہتے چلے جاؤ گے تمہین بڑہاپا لئے چلا جائیگا۔ اس کے پہولون مین یہ قیامت کا جادو بہرا ہے کہ جب تک درختون مین لگے ہین اُسی وقت تک لطف دکھاتے ہین۔ ادہر تم نے کوئی پہول توڑا (اوّل تو تمہارا ہاتہ ہی وہان تک مشکل سے پہنچے گا) اور وہ لطف تشریف لے گیا یہ خوشنمائیان اُس وقت تک ہین۔ جب تک تم دور سے دیکھ رہے ہو۔ اُن طالب علمون سے دریافت کرو

جنہون نے تحصیل علم کے زمانے مین زندگی کی کچھہ قدر نہ کی تھی - کہ جن ہوسون نے اُنسے یہ محنت ومشقت کرائی تھی - اُن مین سے کتنے ہین جو اب یونی ورسٹی کے بڑے بڑے سارٹیفکٹ مل چکنے کے بعد اُنہین حاصل ہوئین - ہائے تم جہان تک غور کروگے یہی معلوم ہوگا کہ آرزو محض ایک دل مین رہنے والی چیز ہے - یہ دل سے کبھی نہ نکلے گی - اور جو نکلے وہ آرزو نہین آرزو اسی کا نام ہے -

تم کو کچھہ کرنا ہے اور اس سے کچھہ فائدہ اُٹھانا ہے تو باغ آرزو مین زیادہ بڑھے نہ چلے جاؤ - جہان رہو وہین رہو - سامنے کی دلفریبیون کو دور ہی سے دیکھو - ان کے پاس جانے کا قصد نہ کرو - جو تمہین کرنا ہے وہ کرو - جس غرض کے پورا کرنے کے لئے دنیا مین آئے ہو اُسکی تکمیل کی فکر کرو - ہان جس طرح دنیا کے اور باغون مین تفریح کے لئے نکل جاتے ہو اُسی طرح اس باغ کی بھی دو گھڑی سیر کر لیا کرو - یہ نہین کہ اسی کے ہو رہے اس خام خیالی مین پڑوگے تو یون ہی بیکار زندگی گزرانتے گزرانتے ایک دن ایسا اضطراب ہوگا کہ پاؤن کے نیچے سے زمین نکل جائیگی - اور تم بڑی افسردگی اور بے بسی کے ساتھہ قبر مین سلادئے جاؤگے

(عبد الحلیم شرر)

فصل بہار

جن لوگون کو نیچر پر غور کرنے کی عادت نہین ہے اُنکے نزدیک تو موسم کا تغیر ایک معمولی بات ہے گرمی کے بعد برسات کا آنا اگر قابل خیال ہے تو صرف اس جہت سے کہ چھت کی درستی اور مکان کی مرمت ضروری ہے - یا دو شالون اور اونی کپڑون کو دھوپ دینے کی ضرورت ہے - برسات کے بعد جاڑون اور جاڑون کے بعد گرمی کا آنا بھی کچھہ ایسی ہی باتون سے توجہ کے لائق ہو جاتا ہے - لیکن جن لوگون نے نیچر کے سین کو ایک دقیق کتاب تصور کیا ہے جس کا مصنف حکیم علی الاطلاق ہے اُن کے نزدیک ہر نقطہ قابل غور ہے

جس کی تشریح ہوتے ہوتے نیچرل فلاسفی سا وسیع علم پیدا ہوگیا۔ گھاس پھونس کیڑے مکوڑون کو جب سوچنے والے دماغون نے دیکھا تو اُنکو اتنی حکمتون سے مالامال پایا جن کے بیان کا نام بوٹینی (علم نباتات) اور زلوجی (علم الحیوان) رکھا گیا۔ اور ان ہی باتون سے فلاسفی مین چار چاند لگ گئے۔

فصل بہار حسن دلچسپیون اور فیاضیون کی جلوہ گاہ ہے افسوس کتنے اہل دل نے اُس کو اُسی نظر سے دیکھا ہوگا جو اُن کی خوبی کے سزاوار ہے۔ اس موسم مین اگر کسی باغ مین جاؤ تو ایک عجب جلوہ دیکھوگے۔ نہ صرف رنگ برنگ کے دلفریب پھول ہی بلکہ ہر گھاس کی پتی ایک شان دلفریبی سے آنکھون کے سامنے آئیگی پھول کا رنگ باصرہ کو اُس کی بو شامہ کو اور طیور کی پرجوش نغمہ سنجی سامعہ کو فرحت کریگی۔ اور دل و دماغ پر ایک ایسا عالم نشاط و حیرت طاری ہوگا جس کا بیان ناممکن ہے۔ کسی پھول کی بلا کی سادگی اور کسی کی قیامت کی شوخی اور کسی کی غضب کی بو اور کسی کی دلفریب صورت قدرت کے کمال کا اظہار کریگی۔ اور غور کیا جاے تو پردۂ حسن مین نیچر کا جلوہ خالص دیکھنے کے واسطے پھول سے بڑھ کر کوئی چیز نہین ہے حسن انسانی اگرچہ اعلیٰ نمونہ صنعت ہے۔ لیکن اُسمین نیچر کا جلوہ خالص دیکھنے کے واسطے ایک ایسی نگاہ کی ضرورت ہے جس سے انسان قریبًا بالکل محروم ہین۔ اگر باغ کو چھوڑ کر ہم جنگل کو نکل جائین تو وہان بھی چھوٹے چھوٹے رنگ رنگ کے پھول دیکھین گے جو اپنی کیفیت خاص مین باغ کے پھول سے زیادہ بھلے معلوم ہونگے۔ ڈھاک کی طرف جس کے تین پات مشہور ہین اگر آپ جائین تو آپ دیکھین گے کہ ربیع نے اُس کو بھی سُرخ جامہ پہنا دیا ہے اور دور سے دیکھ کر بے تکلف یہ معلوم ہوتا ہے کہ آتش بے دود روشن ہے۔ اور اگر آتش پرست اسکی پرستش کرتے تو غالبًا اس گرم فقرے سے محفوظ رہتے کہ اُنکا معبود خود اُنکو جلا دیتا ہے۔ اس خوشنما پھول پر تلیر کی (جو ایک چھوٹا سا پرند ہے) وارفتگی اور نغمہ سنجی دیکھ کر اس خیالی گل و بلبل کا تصور

آئینۂ دل مین پھر جاتا ہے جس کے وصف مین ہمارے شعرا کے کلام کے صفحے رنگین ہین اور شاید شعرائے فارس نے شیراز کے ہزار داستان کے بھی نغمے سنے ہونگے جن کی سبب اس درجے سے جانور کے دل مین کرمئے الفت کا پتہ ان کو لگا۔ لیکن معاف کیجئے شعرائے دہلی و لکھنؤ کے واسطے جس طرح ہزار داستان شیراز ایک خیالی مضمون ہے۔ اُسی طرح یہ پرند ہونا۔ کیونکہ اسکی وارفتگی دیکھنے کے واسطے بھی اُنکو دیہات مین تکلیف کرنی پڑتی۔

فصل بہار کے آنے سے پہلے جس سختی اور بے دردی سے بڑے بڑے درختون کے پتے گرائے جاتے ہین وہ اسپر ایک افسوسناک اثر کرتا ہے اور یہ ایک موخر بین ہوتا ہے کہ ہم سرسبز درختون کو دیکھتے ہین کہ وہ بالکل بے برگ رہ جاتے ہین۔ لیکن یہ برگ ریزی بمنزلۂ غسل حمام کے ہوتی ہے جو کارکنان بہار سبز خلعت پہنانے سے پہلے درختون کو دیتے ہین۔ بہار مین جب ان درختون کے قریب ہوکر گزرو تو ان کی بھینی بھینی خوشبو متوالا کر دیتی ہے۔ اور یہ کچھ اس انداز سے ہلتے ہین کہ معلوم ہوتا ہے گویا اپنی بوسے خود مست ہین۔ جنگل کی جھاڑیان جو ہمیشہ مسافران صحرا کے دل مین کھٹکتی رہتی ہین اس فصل مین اپنے کانٹون کی ایذا کا بوسے خوش سے معاوضہ کر دیتی ہین۔ اس کیفیت کو دیکھ کر یہ خیال ہوتا ہے کہ زمین مین ایک جوش ہے جو تمام قابل روئیدگی مادون کو اُسکے اندر سے نکال کر باہر پھینکے دیتا ہے۔

وحوش و طیور کو دیکھئے تو اُن مین بھی ایک عجب جوش محسوس ہوتا ہے جو اُن کی مستانہ ترانہ سنجیون اور تمام حرکات و سکنات سے آشکارا ہوتا ہے اگر ہم خود اپنے آپ کو جانچین تو فیض بہار کی تاثیر پائین گے۔ بہت سے لوگ ایسے ہین جن کو کثرت خون کے سبب اس فصل مین فصد کا قصد کرنا پڑتا ہے۔ آہ! کوئی وارفتہ سودائیون سے پوچھے کہ یہ بہار کیا ہے اور اسکے جلوے اُن کے دل پر کیا اثر کرتے ہین۔ بوے گل اُنھین کیا یاد دلاتی ہے۔ پھول کی صورت دیکھکر اُن کو کیا یاد آتا ہے۔ اور نسیم سحری کیا

اُمنگ اُن کے دل مین پیدا کرتی ہے۔ غالباً جتنے پھول چمن مین ہونگے اُن سے زیادہ حسرتون کے داغ اُنکے دل پر چمکتے ہونگے۔ ہاے کیا حسرت تھی اُس کے دل مین جو عالمِ محویت مین بڑھ رہا تھا۔ ع۔ فصل بہار ابکی بھی یون ہی گذر گئی ٭ غرض ہر طرف صانع حکیم کی قدرت کاملہ کا ظہور ہے۔ ع

فصلِ گل و موسم بہار است ٭ گلزار برنگ و بوے یار است

لالۂ تو ورد

ایک خستہ جگر اپنے سفر کے ولولے مین ڈھاک کے جنگل سے نکل کے کسی نہایت نظر فریب سبزہ زار مین پہنچا ہے۔ شام کا وقت ہے۔ آفتاب غروب ہو رہا ہے۔ اور قدرت کے جذبات اُبھرنے آتے ہین۔ یہ عالم ہے کہ جدہر نظر جاتی ہے۔ ع۔ کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا است۔ مگر یہ حرماں نصیب کسی طرف نہین متوجہ ہوتا۔ اپنے معمولی جنون کی دہن مین قدم بڑھائے چلا جاتا ہے۔ ناگہان لہلہاتے ہوے سبزہ زار کی خوشگوار سبزی مین ایک دلفریب سرخی نظر آئی۔ اور مسافر کا قدم رک گیا۔ یہ ایک سرخ لالے کا پھول تھا۔ اسکی دلکش خوشنمائی۔ شام کی دھندلی روشنی مین اس درجے بھلی معلوم ہوئی کہ ہمارا منچلا صحرانورد آگے نہ بڑھ سکا۔ غور سے اس پھول کو دیکھنے لگا۔ اب دیکھتے ہی دیکھتے بیٹھ گیا۔ کہ اس حسن کے چھوٹے سے رسالہ کا خوب مطالعہ کرلین تو آگے بڑھین۔ یہ پھول نہ تھا۔ اس کی ہر پنکھڑی حسن دلربا کی ایک سچی تصویر تھی یا کتاب حسن کے ایک ورق کا حکم رکھتی تھی۔ اب اس مسافر کے خیالات کا اندازہ کوئی کرے۔ اُسے تو خدا جانے کیا کیا یاد آگیا ہوگا۔ جس بات پر ہمین غور کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ یہ صحرانورد ایسا جہاندیدہ شخص جسکو کسی کا پیار اخیال نہین معلوم کدہر کھینچے لئے جاتا تھا اس ایک پھول مین کیا بات تھی کہ چلتے چلتے رُک گیا۔ دنیا کے خدا جانے کیسے کیسے سرسبز اور شاداب باغ کس

کس غضب کے سراپا بہار اور نوشگفتہ پھول اُسکی نظر سے گزرے ہونگے - مگر کوئی اسکے دل پر وہ اثر نہ ڈال سکا جو اس ایک خودرو اور صحرائی پھول سے پڑ گیا -

بات یہ ہے کہ جس چیز کی آبیاری قدرت کرتی ہے اور جس چیز مین نیچر کی مشاطہ کا سحر آفرین ہاتھ لگ جاتا ہے اُسکے جذبات اس درجہ بڑھ جاتے ہین کہ دیکھتے ہی دل یک بیک ہاتھ سے نکل جاتا ہے - دنیا ہر پہلو سے اس امر کا تجربہ کرا رہی ہے کہ انسانی تکلفات اپنی صناعیون سے چاہے جسقدر کرشمے دکھائین - مگر قدرت کی ایک ادنی سی کاریگری اپنی سادگی کا تماشا دکھا کر سارے کرشمون کو خاک مین ملا دیتی ہے - یہ وہ مقام ہے جہان سے خالقیت اور مخلوقیت کا نازک اور واجب التسلیم مسئلہ ثابت کیا جاتا ہے -

ان صحراؤن اور غیر آباد مرغزارون کو دیکھو جس کے قدرتی رنگ مین رنگے ہوے دامن پر کسی کے نقش قدم کا دھبہ بھی نہین پڑا ہے - اگرچہ کوئی لطف اُٹھانے والا نہین - مگر کس قیامت کی بہار دکھا رہی ہین - عام خیالات کی بنا پر پریان - مذہبی معتقدات مین فرشتے اور ایک جا نکلنے والے کی نظر مین صرف آزاد طیور چہچہا چہچہا کے اُڑتے پھرتے ہین - اچھوتے اور پاک چشمے خوشنمائی کے ساتھ جاری ہین اور چارون طرف باغبان قدرت کے ہاتھ کے لگائے ہوئے خودرو پھولون نے ہری ہری زمین پر رنگ رنگ کی گلکاریان کی ہین - یہ سمان آجتک زمین کے اُن ٹکڑون پر جنھین ہمارے تکلفات نے بھدا بنا ڈالا ہے کسی کو نہ نظر آیا ہوگا - ہائے وہ بے تکلفی کہان کہ جو چیز ہے اپنے مقام پر آزاد ہے - چڑیان ہین تو جہان چاہتی ہین بیٹھ کے دو باتین اڑا لیتی ہین - نہرین ہین تو جدھر دل مین آتا ہے مڑ جاتی ہین - درخت ہین تو جہان مناسب سمجھتے ہین اُگ آتے ہین پھولون سے جب تک بنتا ہے اپنی ہنسی کو روکتے ہین - جب جی چاہتا ہے کھلکھلا پڑتے ہین - پھر آپ ہی جب وقت آجاتا ہے اور پھولون کو اپنا جانشین کر کے افسردگی کے ساتھ گر پڑتے ہین - لیکن اُنکی افسردگی سبزہ زار کے جانفزا سین پر کوئی اثر نہین ڈالتی صحرا کے آزاد دلربائون یعنی نازک

پھولون کی یہ صحبت اسرچہ نکھری اور بیغم ہے کہ نہ کسی افسردگی کا کسی کو ملال ہوتا ہے اور نہ کسی کی خوشی اور نا رفروشی پر کوئی اترا اُٹھتا ہے۔ اگر کسی کو خوشی ہے تو اپنی اور غم ہے تو اپنا۔ یہ لطف بھلا وہان کہان نصیب جہان ہمارا انسانی باغبان نیچر کے اصول توڑ کر اِدھر کے درخت اُدھر اور اُدھر کے درخت اِدھر لگاتا ہے۔ جہان آزادی پر پہرے بٹھائے گئے ہین اور جہان ایک ادنیٰ بے تکلفی پر کاٹ چھانٹ کے فوجداری قانون پر عملدرآمد کیا جاتا ہے۔ ہائے وہان وہ لالۂ خودرو ہی نہین جو دل چھین لیا کرتا تھا۔

ہمارے باغ جن مین کا ہر ہر پھول بڑی تمناؤن سے دو چار روز کے لئے شگفتہ ہوا ہے۔ لاکھ بہار کا موسم آئے اور ہزار علم نباتات کے اصول بھرتے جائین اصل تو یون ہے کہ جب مقابلہ کیجئے تو یہی دل مین آتا ہے کہ سارے باغ کو لالۂ خودرو کے اس ایک دلفریب پھول پر قربان کر دیجیے جو بے کسی کی کوشش کے خود بخود کسی صحرا مین اُگ آیا ہے۔

باغ پر کیا منحصر ہے۔ اپنی اور قدرت کی کاریگریون کا جب مقابلہ کیجئے گا اپنی صنعت کے دلکش نمونے پھیکے نظر آنے لگین گے۔ شہرون کی عمارتین نظر سے ہر وقت گزرتی رہتی ہین۔ عالی شان محل اور مرتفع کوٹھیان اپنے مقام پر بڑی آن بان دکھا رہی ہین۔ اور نہایت باشان و شوکت معلوم ہوتی ہین۔ مگر جب اُس ریگستانی سین کو دیکھئے جہان بالو کے خوشنما سفید سفید ٹیلے کوسون تک چلے گئے ہین جنہین ہوا ہر وقت برابر کرتی رہتی ہے تو اُن عمارتون سے دل ہٹ جاتا ہے اور جی مین بے اختیار یہی آتا ہے کہ بس یہین کے ہو رہئے۔ ان ٹیلون کے آس پاس رہنے مین سو طرح کی تکلیف ہے۔ مگر قدرت نے اُنکی سادگی مین خدا جانے کیا دلکشی پیدا کر دی ہے کہ بادی النظر مین دل ان سب سختیون اور تکلیفون کے گوارا کر لینے کا وعدہ کرتا ہے۔ کیون؟ اسلئے کہ وہ اپنے اسٹیشن کے لالۂ خودرو ہین۔ دنیا مین سیکڑون دفعہ روشنی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اور صرف معمولی طرز کی روشنی نہین وہ روشنی جسے یورپ کی نئی جدتون نے بہت صاف

اور پاکیزہ کردیا ہے۔ مگر کبھی کسی کے خیال مین بھی گزرا ہے کہ آسمان کے جگمگاتے ہوئے تارون کی بہار کسی دنیاوی روشنی کے آگے ماند پڑ سکتی ہے۔ ان تارون کی روشنی مین یہ بھی ہے کہ کوئی کم چمکتا ہے اور کوئی زیادہ۔ کسی شکستہ ہار کے موتیون کی طرح بے ترتیب اور بکھرے بھی پڑے ہین۔ مگر باوجود ان سب باتون کے انکا جھلملانا ہی ایسا بھلا معلوم ہوتا ہے کہ انکے ہوتے کسی قسم کی روشنی نظر مین نہین جچتی۔ اصل مین یہ تارے اگر غور سے دیکھئے تو ایک قسم کے لالۂ خودرو ہین کیونکہ خاص قدرت کی کاریگری کا نمونہ ہین۔ لالۂ خودرو کچھ وہ سرخ داغدار پھول ہی نہین ہے جس سے ہمارے شعرا عشاق کے دلون کی تشبیہ کا کام لیا کرتے ہین۔ پر وہ چیز جسکو قدرت صرف اپنی فیاضی کا نمونہ بنائے اور نیچر کے سانچے مین ڈھال کر اچھوتے اور بے تکلفانہ سادگی کے ساتھ دنیا والون کی نظر کے سامنے پیش ہو جائے لالۂ خودرو ہے۔

یہ جہان تاب آفتاب۔ یہ چودھوین کا چاند۔ یہ اندھیری راتون کے تارے یہ نیلگون آسمان سچ پوچھئے تو اپنے اپنے محل پر سب لالۂ خودرو ہین۔ انمین سے کون ہے جسکے مقابلے مین دنیا باوجودیکہ اتنی دور تک بڑھ آئی اپنی کاریگری کا ایک نمونہ بھی پیش کر سکی ہو۔ کھلی اور اونچی کوٹھیون مین خس کی ٹٹیون سے چھن چھن کر ہوا آتی ہے اور دل و دماغ تازہ کر دیتی ہے مگر یہ ہوا چونکہ انسانی حکمتون سے بنائی گئی ہے اسلئے اس مین وہ لطف نہین جو کسی سبزہ زار اور کھلے میدان مین نسیم سحر سے حاصل ہوا کرتا ہے اُس ہوا پر ہماری تدبیرون کا کچھ اثر نہین پڑا ہے۔ ہماری کثافتون سے بالکل پاک و صاف ہے۔ سیدھی خدا کے پاس سے آتی ہے اور آزادی کے ساتھ کھلے اور وسیع صحراؤن مین خوش خرامیان کرنے لگتی ہے۔

(شرر لکھنوی)

شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی

پیدائش اعظم گڈھ ۱۸۵۷ء — وفات اعظم گڈھ ۱۹۱۴ء

آپ ۱۸۵۷ء میں ضلع اعظم گڈھ کے ایک مشہور خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ نے منطق فلسفہ۔ ادب مشہور ادیب مولوی محمد فاروق صاحب چریاکوٹی سے حاصل کیا۔ اور علم حدیث مولوی حافظ احمد علی صاحب محدث سہارنپوری سے۔ اور فقہ مولوی ارشاد حسین صاحب۔ اور تفسیر اور کچھ علم ادب مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری سے اخذ کیا۔ ۱۷ سال کی عمر میں آپنے درس نظامیہ سے بالکل فراغت حاصل کرلی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد چند روز آپ اپنے میں عدالت دیوانی رہے۔ یہ ملازمت پسند نہ آئی۔ چھوڑ کر علی گڈھ چلے گئے۔ وہاں سمیع اللہ خانصاحب کی سفارش سے سرسید نے انکو کالج کی پروفیسری عنایت کی۔ ۱۶ برس تک کالج سے یہ تعلق آپکو رہا۔ اسی زمانہ میں پروفیسر آرنالڈ نے آپکو علوم جدیدہ سے آگاہ کیا۔ اور فرنچ زبان سکھلایا۔ اور خود اُنسے عربی زبان کی تعلیم حاصل کی۔ کالج کے تعلق ہی کے زمانہ میں آپنے بلاد اسلامیہ کا سفر کیا جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ الفاروق کے لئے تاریخی مواد فراہم کریں کچھ عرصہ کے بعد سیر کشمیر کو گئے۔ وہاں کے ملیریا نے سخت نقصان پہونچایا صحت نے اسی وقت سے جواب دیدیا ۱۸۹۴ء میں ۳۷ سال کی عمر میں آپکو شمس العلماء کا خطاب گورنمنٹ کے جانب سے عطا ہوا مدت تک الہ آباد یونی ورسٹی کے ممبر رہے۔

سرسید کے وفات کے بعد ۱۸۹۸ء میں آپ کالج سے علیحدہ ہوکر حیدر آباد تشریف لے گئے۔ وہاں سلسلہ آصفیہ میں دو سو روپیہ ماہوار وظیفہ تصنیف آپکو مقرر ہوا۔ کچھ عرصے کے بعد تین سو روپیہ ہوگیا۔ عرصے تک وہیں مقیم رہ کر تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔ حیدر آباد سے واپس آکر لکھنؤ میں قیام کیا۔ اور ندوۃ العلماء کے کام میں مشغول ہوئے۔ آخر عمر میں تمام تعلقات کو ترک کرکے سیرۃ نبوی کے تالیف و تصنیف میں مشغول ہوئے۔ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ کو ۵۸ دن اسہال کے عارضہ میں علیل رہ کر اپنے وطن مالوف اعظم گڈھ میں انتقال کیا۔

آپ فطرۃً ذہین اور سلیم الطبع تھے۔ تاریخ اور فلسفہ سے آپکو ابتدا سے دلچسپی تھی۔ علوم مشرقیہ مین خاص استعداد تھی۔ طرز بیان آپکا سادہ مگر زوردار اور مدلل تھا۔ تحریر فلسفیانہ اور محققانہ تھی جس مین سچے تاریخی واقعات ہوتے تھے۔ رنگ آمیزی کو دخل نہ تھا۔

عربی نظم و نثر پر اچھی قدرت تھی۔ فارسی نظم کسی طرح کاملین اہل زبان سے الگ نہین ہوسکتی اردو مین انکا حسن بیان ایسا تھا کہ سر سید فرماتے تھے کہ اہل دہلی اسپر رشک کرتے ہین۔

تصنیفات آپکے بہت ہین حسب ذیل تصنیفات زیادہ مشہور ہین۔

سفرنامہ مصر و روم و شام۔ الفاروق۔ الغزالی۔ النعمان۔ المامون۔ الکلام الجزیہ۔ تاریخ اسلام۔ سوانح عمری مولانا روم۔ اورنگ زیب۔ موازنہ انیس و دبیر۔ شعر العجم ۴ جلدون مین۔ آپکی آخری تصنیف سیرۃ النبی۔ چار جلدون مین ہے جسکو ناتمام چھوڑا۔

میر انیس کی شاعری کے خصوصیات

فصاحت

علماے ادب نے فصاحت کی یہ تعریف کی ہے کہ لفظ مین جو حروف آئین اُن مین تنافر نہو۔ الفاظ نامانوس نہون۔ قواعد صرفی کے خلاف نہو۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ لفظ درحقیقت ایک قسم کی آواز ہے۔ اور چونکہ آوازین بعض شیرین دلاویز اور لطیف ہوتی ہین مثلاً طوطی اور بلبل کی آواز۔ اور مکروہ و ناگوار مثلاً کوے اور گدہے کی آواز۔ اس بنا پر الفاظ بھی دو قسم کے ہوتے ہین بعض شستہ سبک و شیرین۔ اور بعض ثقیل بھدے ناگوار پہلی قسم کے الفاظ کو فصیح کہتے ہین۔ اور دوسرے کو غیر فصیح۔ بعض الفاظ ایسے ہوتے ہین کہ فی نفسہ ثقیل و مکروہ نہین ہوتے

لیکن تحریر و تقریر مین اُن کا استعمال نہین ہوا ہے یا بہت کم ہوا ہے۔ اس قسم کے الفاظ بھی جب ابتدا ءً استعمال کئے جاتے ہین تو کانون کو ناگوار معلوم ہوتے ہین۔ اُن کو فن بلاغت کی اصطلاح مین غریب کہتے ہین۔ اور اس قسم کے الفاظ بھی فصاحت مین خلل انداز خیال کئے جاتے ہین۔

میر انیس کی کمال شاعری کا بڑا جوہر یہ ہے کہ باوجود اسکے کہ اُنہون نے اردو شعرا مین سے سب سے زیادہ الفاظ استعمال کئے۔ اور سیکڑون مختلف واقعات بیان کرنے کیوجہ سے ہر قسم اور ہر درجہ کے الفاظ اُنکو استعمال کرنے پڑے۔ تاہم انکے تمام کلام مین غیر فصیح الفاظ نہایت کم پائے جاتے ہین۔ اکثر جگہ عربی فارسی کے الفاظ جو اُردو زبان مین کم مستعمل ہین ضرورت سے لانے پڑے ہین۔ لیکن اس قسم کے الفاظ جہان آئے ہین فارسی ترکیبون کے ساتھ آئے ہین جس سے اِنکی غرابت کم ہوگئی ہے۔ ورنہ اگر اُردو کی خاص ترکیب مین اُن الفاظ کا استعمال کیا جاتا تو بالکل خلاف فصاحت ہوتا۔ مثلاً انگشتری۔ خاتم۔ رُخ۔ بادہ۔ ثنا حسن۔ اور اس قسم کے سیکڑون ہزارون الفاظ ہین جو بجاے خود فصیح ہین لیکن ٹھیٹ اُردو مین انکا استعمال نہین ہوتا۔ میر ضمیر ایک موقع پر کہتے ہین ع ذریت رسول کی خاطر جلائی نار۔ نار کا لفظ اس موقع پر نہایت نامانوس اور بیگانہ ہے۔ لیکن یہی لفظ جب فارسی ترکیبون کے ساتھ اُردو مین مستعمل ہوتا ہے مثلاً نار دوزخ۔ نار جہنم۔ تو وہ غرابت نہین رہتی۔

فصاحت کے مدارج مین اختلاف ہے۔ بعض الفاظ فصیح ہین بعض فصیح تر۔ بعض اُس سے بھی فصیح تر۔ میر انیس صاحب کے کلام کا بڑا خاصہ یہ ہے کہ وہ ہر موقع پر فصیح سے فصیح الفاظ ڈھونڈھ کر لاتے ہین۔ مرزا دبیر اور میر انیس کے ہم مضمون اشعار لو اگر مرزا صاحب کے یہان غریب اور ثقیل الفاظ ہونگے تو اُنکے مقابلہ مین میر صاحب کے ہان فصیح الفاظ ہونگے۔ اگر مرزا صاحب کے یہان فصیح الفاظ ہونگے تو میر صاحب

کے یہان فصیح تر ہونگے۔ مرزا دبیر کی تخصیص نہین تمام مرثیہ گویون کے مقابلہ مین میر انیس صاحب کے کلام کا یہی حال ہے۔

ہم مثال کے طور پر دو چار شعر نقل کرتے ہین۔ جن سے فصاحت اور فصاحت کے اختلاف مراتب کا اندازہ ہو سکے گا۔

مرزا دبیر۔ کس نے نہ دی انگوٹھی رکوع و سجود مین۔
میر انیس۔ سائل کو کس نے دی ہے انگوٹھی نماز مین۔
مرزا دبیر۔ آنکھون مین پھرے اور نہ مردم کو خبر ہو۔
میر انیس۔ آنکھون مین یون پھرے کہ مژدہ کو خبر نہو۔
مرزا دبیر۔ رویا مین بھی حسین کو رویا ہی کرتے ہین۔
میر انیس۔ حسرت ہے کہ خواب مین بھی رویا کیجیے۔
مرزا دبیر۔ جیسے مکان سے زلزلہ مین صاحب مکان۔
میر انیس۔ جیسے کوئی بھونچال مین گھر چھوڑ کے بھاگے۔

ابتذال

فصاحت کے متعلق ایک بڑا دھوکا یہ ہوتا ہے کہ چونکہ فصاحت کے یہ معنی ہین کہ لفظ سادہ آسان کثیر الاستعمال ہو۔ اسلئے لوگ متبذل اور سوقی الفاظ کو بھی فصیح سمجھ لیتے ہین۔ حالانکہ ان دونون مین سفید و سیاہ کا فرق ہے۔ مرزا دبیر صاحب جہان واقعہ نگاری اور معاملہ بندی مین میر انیس کی تقلید کرتے ہین اکثر انکے کلام مین متبذل الفاظ آجاتے ہین۔ مثلاً جہان حضرت شہر بانو نے حضرت عباس کی لاش پر نوحہ کیا ہے۔ شہر بانو کے زبان سے فرماتے ہین۔ ع ہے ہے مرے دیور مرے دیور مرے دیور۔ ایک اور جگہ فرماتے ہین۔ ع۔ ناڑہ تو انکی سال گرہ کا نکال لا۔

ابتذال کی صاف دوربین مثال نظیر اکبرآبادی کا کلام ہے۔ اگر یہ متبذل نہوتا توسادگی اور صفائی مین نظیر کا کلام میرانیس یا میرتقی سے ٹکر کھاتا۔

ابتذال کے معنی عام طور پر یہ سمجھے جاتے ہین کہ جو الفاظ عام لوگ استعمال کرتے ہین وہ متبذل ہین۔ لیکن یہ صحیح نہین۔ سیکڑون الفاظ عوام کے مخصوص الفاظ ہین۔ لیکن سب مین ابتذال نہین پایا جاتا ابتذال کا معیار مذاق صحیح کے سوا کوئی چیز نہین۔ مذاق صحیح خود بتا دیتا ہے کہ یہ لفظ متبذل اور پست اور سوقیانہ ہے۔

میر صاحب کو اگرچہ واقعہ نگاری کی وجہ سے نہایت چھوٹی چھوٹی چیزون اور ہر قسم کی جزئی جزئی واقعات اور حالات کو بیان کرنا پڑتا ہے لیکن یہ اُنکی انتہا درجہ کی قادرالکلامی ہے کہ پھر بھی اُنکی شاعری کے دامن پر ابتذال کا دھبہ نہین آنے پاتا۔

کلام کی حفاظت

یہ بحث مفرد الفاظ سے متعلق تھی۔ لیکن کلام کی فصاحت مین صرف لفظ کا فصیح ہونا کافی نہین بلکہ یہ بھی ضرور ہے کہ جن الفاظ کے ساتھ وہ ترکیب مین آئے اُنکی ساخت۔ ہیئت۔ نشست۔ سُبکی اور گرانی کے ساتھ اُسکو خاص تناسب اور توازن ہو۔ ورنہ فصاحت قائم نہ رہے گی۔ میرانیس کا مصرع ہے۔ ع۔ فرمایا آدمی ہے کہ صحرا کا جانور۔ صحرا اور جنگل ہم معنی ہین اور دونون فصیح ہین۔ میرانیس نے جابجا ان دونون لفظون کو استعمال کیا ہے۔ اور ہم معنی ہونے کے حیثیت سے کیا ہے لیکن اگر اس مصرعہ مین صحرا کے بجائے جنگل کا لفظ استعمال کیا جائے تو یہی لفظ غیر فصیح ہوجائیگا۔ میر صاحب کا ایک شعر ہے۔ ؎

طائر ہوا مین مست ہرن سبزہ زار مین　　جنگل کے شیر گونج رہے تھے شکار مین

بیان جنگل کے بجائے صحرا لاؤ تو صرحہ بیس بیسا ہو جاتا ہے۔

شبنم اور اوس ہم معنی ہین اور برابر درجہ کے فصیح ہین لیکن میر صاحب کے اس شعر مین ؎

کھا کھا کے اوس اوبھی سبزہ ہرا ہوا ۔ جلا ہوتو ہون تو واں صحرا بھرا ہوا

اگر اوس کے بجائے شبنم کا لفظ لایا جائے تو فصاحت خاک مین مل جائے گی لیکن یہی اوس کا لفظ جو اس موقع پر اسقدر فصیح ہے اس مصرعہ مین ع شبنم نے بھر دیئے تھے کتورے گلاب کے۔ شبنم کے بجائے لاؤ تو فصاحت بالکل ہوا ہو جائیگی

اس مین نکتہ یہ ہے کہ ہر لفظ چونکہ ایک قسم کا سُر ہے اسلئے یہ ضرور ہے کہ جن الفاظ کے سلسلہ مین وہ ترکیب دیا جائے۔ اُن آوازون سے اسکو خاص تناسب بھی ہو۔ ورنہ گویا دو مخالف سرون کو ترکیب دینا ہوگا۔ نغمہ اور راگ مفرد آوازون یا سرون کا نام ہے ہر سر بجائے خود دلکش اور دلاویز ہے۔ لیکن اگر دو مخالف سرون کو باہم ترکیب دیدیا جائے تو دونون مکروہ ہو جائین گے۔

راگ کے دلکش اور مؤثر ہونیکا گر یہی ہے کہ جب سرون سے اسکی ترکیب ہو اُن مین نہایت تناسب و توازن ہو۔ الفاظ بھی چونکہ ایک قسم کی صوت اور سُر ہین اسلئے اُن کی لطافت شیرینی اور روانی اُسی وقت تک قایم رہتی ہے جب گرد و پیش کے الفاظ بھی کئے ہین اُنکے مناسب ہون۔

میرزا دبیر صاحب کا مشہور مصرعہ ہے۔ ع زیر قدم والدہ فردوس برین ہے۔ اس مین جتنے الفاظ ہین۔ یعنی زیر۔ قدم۔ والدہ۔ فردوس۔ برین۔ سب بجائے خود فصیح ہین لیکن اُنکے باہم ترکیب دینے سے جو مصرعہ پیدا ہوا ہے وہ اسقدر بھدا اور گران ہے کہ زبان اسکا تحمل نہین کر سکتی۔ شاید تمکو خیال ہو کہ مصرعہ کی ترکیب چونکہ فارسی ہو گئی ہے اسلئے ثقل پیدا ہو گیا ہے لیکن یہ صحیح نہین سیکڑون شعرون

مین اسی قسم کی فارسی ترکیبین ہین۔ لیکن یہ ثقل نہین پایا جاتا مثلاً میر انیس صاحب کہتے ہین۔ ؎

مین ہون سردار شبابِ چمنِ خلد بریں　　مین ہون خالق کی قسم دوش محمد کا مکین

پہلے مصرعہ مین فارسی ترکیب کے علاوہ توالی اضافات بھی موجود ہے لیکن یہ بھدا پن اور ثقل نہین ہے۔

جب کسی مصرعہ یا شعر کے تمام الفاظ مین ایک خاص قسم کا تناسب توازن و توافق پایا جاتا ہے اسکے ساتھ وہ تمام الفاظ بجائے خود بھی فصیح ہوتے ہین تو وہ پورا مصرع یا شعر فصیح کہا جاتا ہے اور یہی چیز ہے جسکو بندش کی صفائی نشست کی خوبی ترکیب کی دلاویزی برجستگی سلاست اور روانی سے تعبیر کرتے ہین۔ الفاظ کے توازن اور تناسب سے کلام مین جو فرق پیدا ہوجاتا ہے وہ ایک خاص مثال مین آسانی سے سمجھ مین آسکتا ہے۔ میر انیس حضرت علی اکبر کے اذان دینے کی تعریف ایک موقع پر اس طرح کرتے ہین۔ ع۔ تھا بلبل حق گو کہ چہکتا تھا چمن مین۔ اسی مضمون کو میر صاحب دوسرے موقع پر اسطرح ادا کرتے ہین۔ ع۔ بلبل چہک رہا تھا ریاضِ رسول مین۔ وہی مضمون ہے وہی الفاظ ہین لیکن ترکیب کی ساخت نے دونون شعرون مین کس قدر فرق پیدا کردیا ہے۔

میر انیس کا تمام کلام اس خوبی سے معمور ہے اور ان کا ہر شعر اس وصف کا مصداق ہے۔ نمونہ کے طور پر چند اشعار اس موقع پر نقل کرتے ہین۔ ؎

تعریف مین چشمہ کو سمندر سے ملا دون　　قطرہ کو جو دون آب تو گوہر سے ملا دون

ذرہ کی چمک مہر منور سے ملا دون　　کانٹون کی نزاکت مین گلِ تر سے ملا دون

گلدستہ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھون

اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھون

تھا فوج قاہرہ مین تلاطم کہ الحذر — تھین موج کی طرح سب اوہر کی صفین اُدہر
چکر مین تھی سپاہ کہ گردش مین تھا بھنور — پانی مین تھے نہنگ اُبھرتے نہ تھے مگر
فوجین فقط نہ بھاگی تھین مُنہ موڑ موڑ کے
دریا بھی ہٹ گیا تھا کنارے کو چھوڑ کے

چھایا تھا سب پہ رعب علمدار نوجوان — تسلیم کو جھکے ہوے تھے فوج کے نشان
گوشہ امان کا ڈھونڈ رہی تھی ہر ایک کمان — ترکش بھی تھے ہراس سے کھولے ہوے زبان
تیرون کا بیگمان تھا ارادہ گریز کا
مُنہ کند ہو گیا تھا ہر اک تیغ تیز کا

کلام کی اصلی ترتیب کا قائم رہنا

ترکیب الفاظ کے لحاظ سے شعر کی بڑی خوبی یہ ہے کہ کلام کے اجزا کی جو اصلی ترتیب ہے وہ بحال خود قائم رہے۔ مثلاً فاعل۔ مفعول۔ مبتدا۔ خبر۔ متعلقات فعل جس ترتیب کے ساتھ ہر وقت بول چال مین آتے ہین یہ ہی ترتیب شعر مین بھی قائم رہے اگرچہ اس مین شبہہ نہین کہ شعر مین اس ترتیب کا بعینہٖ قائم رہنا قریب قریب ناممکن ہے۔ صرف ایک آدھ شعر یا بہت سے بہت شعر دو شعر مین اتفاقیہ یہ بات پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن چونکہ نظم کا درحقیقت سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ اگر اُسکو نثر کرنا چاہین تو نہ ہو سکے۔ اور یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب شعر مین الفاظ کی وہی ترتیب باقی رہے جو نثر مین معمولاً ہوا کرتی ہے۔ اس بنا پر شاعر کو کوشش کرنی چاہیے کہ اگر اصلی ترتیب پوری پوری قائم نہین رہ سکتی تو بہر حال اُسکے قریب قریب پہونچ جاے۔ جس قدر اسکا لحاظ رکھا جائے گا اوسی قدر شعر زیادہ صاف برجستہ روان اور ڈھلا ہوا ہوگا۔ اور اردو مین جہانتک ہمکو معلوم ہے یہ صفت میر انیس صاحب

سے زیادہ کسی کلام مین نہین پائی جاتی ۔

روزمرہ اور محاورہ

جو الفاظ اور جو خاص ترکیبین اہل زبان کے بول چال مین زیادہ مستعمل اور متداول ہوتے ہین انکو روزمرہ کہتے ہین ۔ روزمرہ اگرچہ ایک جداگانہ وصف سمجھا جاتا ہے لیکن درحقیقت وہ فصاحت ہی کا ایک فرد خاص ہے ۔ یہ ظاہر ہے کہ عام بول چال مین وہی الفاظ زبان پر آئین گے جو سادہ صاف اور سہل الادا ہون ۔ اور اگر انمین کچھ ثقل و گرانی بھی ہو تو رات دن کی بول چال اور کثرت استعمال سے وہ منجھکر صاف ہو جاتے ہین ۔ روزمرہ کے لئے فصیح ہونا لازم ہے ۔ میر انیس کے کلام مین نہایت کثرت سے روزمرہ اور محاورہ کا استعمال پایا جاتا ہے اور اُسپر اُنکو ناز بھی تھا ۔ چنانچہ فرماتے ہین ۔ ؎

مرغان خوش الحان چمن بولین کیا　　مرجاتے ہین سُن کے روزمرہ میرا

حسن کلام

حسن کلام کا ایک بڑا نکتہ یہ ہے کہ مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے الفاظ استعمال کئے جائین ۔ لفظ چونکہ آواز کی ایک قسم ہے اور آواز کے مختلف اقسام ہین ۔ مہیب ۔ پُر رعب ۔ سخت ۔ نرم ۔ شیرین ۔ لطیف ۔ اسی طرح الفاظ بھی صوت اور وزن کے لحاظ سے مختلف طرح کے ہوتے ہین ۔ بعض نرم شیرین اور لطیف ہوتے ہین بعض سے جلالت اور شان ٹپکتی ہے ۔ بعض سے درد اور غمگینی ظاہر ہوتی ہے ۔ اسی بنا پر غزل مین سادہ شیرین سہل اور لطیف الفاظ استعمال کئے جاتے ہین ۔ قصیدہ مین زور اور شاندار الفاظ کا استعمال پسندیدہ سمجھا جاتا ہے اسی طرح رزم بزم مدح و ذم فخر و ادعا وعظ و پند ہر ایک کے لئے جدا جدا الفاظ ہین ۔ شعرا مین سے جو اس نکتہ سے آشنا ہین وہ ان مراتب کا لحاظ رکھتے ہین ۔

اور یہ اُنکے کلام کی تاثیر کا بڑا راز ہے لیکن اس فرق مراتب سے واقف نہیں ہاہیں لیکن ایک خاص رنگ اُن پر اسقدر چڑھ گیا ہے کہ ہر قسم کے مضامین میں ایک ہی قسم کے الفاظ اُن کی زبان سے ادا ہوتے ہیں۔ اُن کا کلام بجز ایک خاص رنگ کے بالکل بے اثر ہوتا ہے۔ یہی نکتہ ہے کہ سعدی سے رزم اور فردوسی سے بزم نہیں ہو سکی۔

میر انیس صاحب نے رزم و بزم پر بہت کچھ لکھا ہے لیکن جہاں جس قسم کا موقع ہوتا ہے اُسی قسم کے الفاظ اُنکے قلم سے نکلتے ہیں۔ رزمیہ شعر لکھتے ہیں تو فرماتے ہیں ؎

طاقت اگر دکھاؤں رسالت مآب کی ۔۔۔ کھدوں زمین پہ چیر کے ڈھال آفتاب کی

جلال و غیظ کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں ؎

کم تھا نہ ہمہمہ اسد کردگار سے ۔۔۔ نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم کچھار سے

کیا جانے کس نے دکھ دیا ہے دلیر کو ۔۔۔ سب دشت گونجتا ہے غضب ہے شیر کو

دیکھو ان اشعار میں جو الفاظ آئے ہیں جس طرح اُنکے مفہوم میں غیظ و غضب ہے اُسی طرح الفاظ کی صورت و لہجہ سے بھی ہیبت و غیظ و غضب کا اظہار ہوتا ہے۔

(از ۔۔۔ ثانی)

مولانا غلام ماشم شہید

شاہ غلام محمد کے بیٹے سراکن قصبہ اٹھی ضلع لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ ۔۔۔ اللہ تعالیٰ کے مشہور شاعر مداح نبی عاشق رسول کے لقب سے مشہور نے علم میں قتیل اور مصحفی کے شاگرد تھے۔ علوم متداولہ کی تحصیل مولوی حیدر علی صاحب سے کی تھی۔ فارسی زبان خوب جانتے تھے۔ فارسی نظم و نثر میں آغا سید آجل اور زرانی کے ہمکلام تھے۔ نظام سے چار سو تیس روپیہ سالانہ بلا شرط خدمت مقرر تھے وہ آخر وقت تک پاتے رہے۔ آپ کے آبا و اجداد سب سوتھیں اور قضات کرتے تھے لکھنؤ کے اطراف میں اور آگرہ۔ مراد آباد۔ رام پور۔ حیدرآباد۔ الہ آباد میں آپکے مرید ہوتے تھے۔ سر سالار

جنگ بہادر۔ نواب کلب علی خان بہادر رئیس رامپور۔ سعید عالم خان رئیس سورت۔ اور اکثر امرا و رؤسا آپکی بڑی عزت کرتے تھے پیرانہ سالی مین آپنے انتقال کیا۔

اردو نظم اور نثر رنگین جیسا کہ اُس زمانے کا رواج تھا اچھی لکھتے تھے۔ کلام اپنا کبھی جمع نہین کیا۔ مجموعہ میلاد شریف اور انشاے بہار بیخزان اور قصائد و غزلیات کا ایک مجموعہ آپکی یادگار ہے۔

تاج گنج کے روضے کی تعریف

آج قلم کا دماغ پھولون کی خوشبو سے معطر ہے۔ کاغذ کا صفحہ آنکھ کی سفیدی کی طرح منور ہے۔ نظر کا ڈورا رنگ گل کی طور پر رنگین ہے۔ نگاہ کا رشتہ گلدستہ کے مانند بہارین ہے کس واسطے کہ مجھے ایک باغ اور مکان کی صفت لکھنی منظور ہے جسکے سیر سے چشم مردم مین نور ہے۔ اُسکے صحن اور دالان مین خدا کی قدرت کا گل کھلا ہے چمن اور میدان مین صانع کی صنعت کا تماشا ہے۔ وہ کون مکان اور کیسا گلستان جو شاہجہان ایسے بادشاہ عالی جاہ کا قیام گاہ ہے۔ کون قصر اور کیسا ایوان جو جناب عالیہ بادشاہ بیگم کا آرامگاہ ہے جس جگہ یہ دونون آفتاب ماہتاب سوتے ہین چاند اور سورج دن رات اُس زمین کے نثار ہوتے ہین۔ تاج بی بی کا روضہ جہان مین مشہور ہے۔ اور ہر چمن اُسکا جنت کی خوشبو سے معمور ہے۔ اکبر آباد کیا بلکہ سارے ہندوستان کو اس مکان سے عزت ہوئی ہے۔ ہندوستان کیا بلکہ تمام روے زمین کو اُس سے زینت ہوئی ہے۔ اس چمن کی ہوا نے جو کلیون کی بو باس سے خیال کے دماغ کو معطر کر دیا تو باغ کی فضا نے دامن نظر کو گلچین کے دامن کی طرح پھولون سے بھر دیا۔

سبحان اللہ کیا روضہ ہے کہ رضوان جسکے لطف و لطافت سے راضی و خوشنود ہے۔ بارک اللہ کیا باغ ہے جس مین بہشت کی ہر نعمت موجود ہے۔ سورج اس باغ کا

ایک زرد آلو ہے۔ چاند اس چمن کا گل شبو ہے۔ پہلے دروازے کی بلندی دیکھنے کو جو آسمان گردن اور سر اٹھائے تو اسکو آفتاب کی پگڑی سنبھالنی دشوار ہو جائے۔ دونون بازو کے سرے سے محراب کی چوٹی تک کلام مجید کا سورہ چوب قلم سے جو لکھا ہے عقل اس طلسمات سے حیران ہے کہ ہر حرف جیسا نزدیک سے نظر آتا ہے ویسا ہی دور سے دکھائی دیتا ہے۔ اس فن کے مبصر انصاف سے دیکھین کہ یہ بات کیسی مشکل اور کسطرح کی تقسیم کامل ہے۔ سنگ مرمر پر سنگ موسیٰ کی بچے کاری کیئے یا آنکھ کی سفیدی پر پتلیون کی سیاہی کی نموداری۔ حرف ہین یا کافور کے قرص پر مشک کے دانے پڑے ہین۔ لفظ ہین یا ہیرے کی تختی پر نیلم کے نگین جڑے ہین۔ مینار آسمان کی طرف تعجب کا ہاتھ اٹھائے ہے کہ یہ خم دیکھئے اور اس بارگاہ کے ہمسری کا دعویٰ اور دم دیکھئے۔ محراب کا خم ابرو سے اشارہ کر رہا ہے کہ اندر جاکر ذرا بہار کا عالم دیکھئے نہین نہین غلطی ہوئی مجھسے بلکہ محراب کا اشارہ یہ ہے کہ پہلے حواس کو یہان طاق پر رکھ جائیے تب آگے قدم بڑھائیے۔ پس جو اُدھر چوکسٹ لانگنے کی عزیمت ہوئی تو ادھر عقل اور حکمت رخصت ہوئی۔ سیر سے سیر ہونا تو نگاہ کے ہاتھ ہے لیکن حیرت یہان ہر قدم کے ساتھ ہے۔ سب کے پہلے بہار کے علمدار بڑی شوکت اور شان کے ساتھ نظر پڑتے ہین یعنی دو رویہ سرو کے درخت نیکبخت جوان کی طرح حسن کے جوبن سے اکڑتے ہین۔ زمرد کے جھاڑ کی تو کیا حقیقت ہے جو اس کے ساتھ تشبیہ دون مگر ہان لکھون تو یون لکھون کہ اچھے اچھے سبز پوش ہر قطار مین کھڑے ہو کر ناز و انداز سے انگڑائیان لے رہے ہین۔ یا غلمان بہشت سے آکر آسمان کو اس باغ کی خوبیون کی خبر دے رہے ہین۔ نشو و نما جو ہر چیز کو بڑھاتی ہے شاید سرو ہی کے لباس مین کمر بستہ یہان آتی ہے۔ یا آب و ہوا کی لطافت سے سرو کے پردے مین آپ ہی بڑھی جاتی ہے۔ دونون قطار کے درمیان جو ایک حوض زمین دوز اور طویل ہے گویا فی سبیل اللہ سلسبیل ہے۔ صاف پانی سے بھرا

ہوا ہے - اسمین ہر سرو کے مقابل ایک ایک فوارہ چھوٹ رہا ہے - اُدہر سرو نے زمرد کے فوارہ کا نقشہ اڑا لیا - ادہر پانی کے فوارہ نے ہیرے کو پانی کرکے بہا دیا - بعد اسکے ایک مربع حوض جو بہت سُتھرا ہے نہایت خوبصورت اور خوشنما ہے - آئینہ اُسے دیکھ حیرت مین آتا ہے نگاہ کا قدم پہسلا جاتا ہے - بہشت کی نہر اس کا خزانہ ہے آئینہ اُسکا آبدار خانہ ہے بلکہ آئینہ مین یہ روانی کہان اور وہ موجون کی سلسلہ جنبانی کہان - پانی اُسکا دودھ سے زیادہ مصفا ہے - برف سے زیادہ ٹھنڈا ہے - چونہ جو شیر خشت ہوجاے تو روا ہے - پتھر جو یخ در بہشت بنجاے تو بجا ہے - چارون طرف سے فوارے چھوٹتے ہین - گویا آسمان سے تارے ٹوٹتے ہین - پانی کی زمین سے پانی کا درخت نکلنا اور پانی ہی کے پہل پھول سے پہولنا پہلنا خدا کی قدرت ہے - آئینے کے چشمے سے موج کا لہرے ہوکر چلنا اور ہوا کے ساتھ زور کرکے اوچھلنا عجب حکمت ہے - عقل نے جب فکر کے دریا مین غوطہ لگایا تو روضے کے اُدہر حوض کے واقع ہونے کا سبب یون سمجھ مین آیا کہ نگاہ پہلے اُسمین نہاکر پاک ہوئے تب روضے کے طواف کی آرزو کرے اور ناطقہ پہلے اسکے پانی سے کلیان کرکے مُنہ صاف کرے تب بہار کی صفت مین گفتگو کرے - اس حوض کی یاد مین دریا کی پسلی پھڑکتی ہے - سینے مین آگ بھڑکتی ہے - جوش کھاکر دیکھنے آتا ہے مگر دیوار سے سر ٹکراکر پہر جاتا ہے جس طرف آنکھ اُٹھائیے اور جدہر خیال دوڑائیے - بیلا چنبیلی - مونگرا - موتیا - چنپا - جوہی - کیتکی - کیوڑا - گلاب - سدابہار - گیندا - داؤدی - گل عباس گل مہدی نازبو - گل رعنا - گل فرنگ - گل چاندنی - شبو - کلغا - سیوتی - دوپہری - سورج مکھی - لالہ نافرمان - سوسن ہزار زبان - نرگس حیران قسم قسم رنگ برنگ کے پہول پہول رہے ہین - پیارے سہانے درختون پر صبح شام کی دہوپ چہاؤن کا عالم - پتون پر شبنم کی طراوٹ اور نم - ڈالیون پر چڑیون کا غل - پریون کی آپس مین چہیڑ چہل - اور جوانون کے غول - ہمجولیون کی ہنسی اور ٹھٹھول - کہین گل کے قہقہے کہین بلبل کے چہچہے ہین -

مور اُدھر شور کرتا ہے۔ اِدھر مستون کا جنون زور کرتا ہے۔ کوئل وہان کوک اُٹھتی ہے۔ سینے مین یہان ہوک اٹھتی ہے۔ پپیہا جو اُدھر بولا پی کہان۔ تو پھر یہان بدن مین جی کہان ڈیّر کی اُدھر نئے نئے طور پر دہن ہے۔ اِدھر حیات کے جامے کی اُدھیڑ بن ہے۔ طوطی کی جو بات ہے گویا نبات ہے۔ مینا کو شیرین کلامی سے کام ہے۔ ناکا سون کا کام ہی تمام ہے جگنو کا چمکنا۔ باغ کا مہکنا۔ دونون وقت کا ملنا۔ شبو کا لہکنا۔ سنبل کا بال بکھیرنا۔ مچھلیون کا حوض مین تیرنا۔ ہوا کا چلنا۔ دل کا مچلنا۔ سبزی کا لہلہانا۔ چڑیون کا چہچہانا۔ شفق کا پھولنا۔ گلزار خیال کا تماشا دکھاتا ہے۔ یہ سما دیکھ کر کوئی پھول سا پھولا نہین سماتا۔ کوئی بوے گل کی طرح گریبان پھاڑ کر نکلا جاتا ہے۔ بیلا بے لاگ دلکو کھینچتا ہے۔ چنبیلی کی البیلی وضع پر روح شیدا ہے۔ مہدیون کی ٹٹیون پر چاندنی لوٹ پوٹ ہے۔ جسکی بہار سے چاند کے جگر مین داغ اور دل پر چوٹ ہے۔ لالہ لعل سے بہتر۔ سبزہ۔ مرد کا ہمسر۔ کیاریون کے کنارے کی ہری دوب کا شانی مخمل سے زیادہ خوب و مرغوب۔ درختون کے تہالے ہین یا دودھ کے بھرے ہوے پیالے ہین۔ آبشار ہے۔ یا آئینہ پشت بدبو دار ہے۔ پانی کی چادر پر جو نقش و نگار ہے قلم قدرت کا یادگار ہے۔ نہر کی جو ایسی اٹکھیلیون کی چال ہو تو دل کیونکر نہ پامال ہو۔ مہتاب سرو کے ساتھ ہم آغوش ہے یا کوئی جوان سبز رنگ بادلہ پوش ہے گلنار کو دیکھکر لعل انگارون پر لوٹتا ہے۔ سبزے کے رشک سے زمرد زہر کھاتا ہے۔ یہ لالے ہین یا آتش کے پرکالے ہین۔ جسکے دیکھنے سے جینے کے لالے پڑتے ہین۔ اور دل ہی دل مین داغ بڑھتے ہین۔ چاندنی نے سبزہ مین کھیت کیا ہے۔ یا سبز مخمل پر مقیش کترکے چھڑک دیا ہے۔ کلغے کو قلم کرکے ایسا برابر کیا ہے کہ اُسکے پتے اور پھولون سے گویا سبز اور سرخ بوٹیون کا قالیچہ بچھا دیا ہے۔ مولسری کی بھینی بھینی خوشبو ہے تو صبا کو اسی کی جستجو ہے۔ یہ ہارسنگھار کی گلکاریان ہین یا آگ کی چنگاریان ہین۔ بیر بہوٹیان رینگتی ہین یا یاقوت کا خون بہ چلا۔ لالہ زار چمن مین کھلا یا چنار سے شعلہ نکل پڑا۔ اگر آب و ہوا کی لطافت یہی ہے

تو موتی صدف سے نکلکر کلیون کا روپ دکھلائیگا۔ اور مچھلی کا کانٹا سرسبز ہو جائیگا۔ میوے کا نام زبان پر آیا اور حلاوت کے مُنہ مین پانی بھر آیا۔ کولا۔ سنگترہ۔ رنگترہ۔ چکوترہ۔ نارنگی۔ لیمون۔ زردالو۔ شفتالو۔ انار۔ سیب۔ بہی۔ انگور۔ انناس۔ ناشپاتی۔ کیلا۔ بیر۔ کمرکھہ۔ شریفہ۔ کٹھل۔ بڑہل۔ انبہ۔ انجلی۔ جامن۔ پھالینڈا۔ امرود۔ شہتوت۔ پونڈا۔ کھرنی۔ کوئی ایسا پھل نہین جو اس باغ مین نہوتا ہو۔ اور ساگ ترکاری سے لیکر جڑی بوٹی تک کوئی ایسی شے نہین جسے باغبان نہ بوتا ہو۔ کہین کولے سنگترے سے چمن کا چمن آگ بھبوکا ہو گیا۔ کہین فالسے کی رنگت سے زمین کا دامن وداہو گیا۔ سیب سے آسیب کی زحمت دفع ہو جاتی ہے۔ بہی بدن مین فربہی لاتی ہے۔ ناشپاتی سے روح راحت پاتی ہے۔ انار نے خلق کے مُنہ یاقوت اور موتیون سے بھر دئے۔ نازنینون کے دانت کھٹے کر دئے۔ ادنیٰ میوہ یہان کا اخروٹ ہے۔ جس پر ستارون کا دل لوٹ پوٹ ہے۔ آسمان دن رات سو سو طرح تاک جھانک مین رہا تب انگور کی ٹٹی سے ایک خوشہ پروین کا کچا لے بھاگا سو باوصف اس پختہ کاری کے ابتک پکا نہ سکا۔ کیلا یہان ایک ایک گود مین ہزار ہزار پھلتا ہے۔ ماہ نو وہان آسمان پر اکیلا نکلتا ہے۔ اس زمین کا اگر خربزہ یا سردا ہے پوست مین مغز اُس کا تر حلوا ہے۔ ہند دانہ مرغ روح کا آشیانہ ہے جسمین ایک ہی جگہ موجود آب و دانہ ہے۔ شہتوت تمام عالم کا قوت۔ انجیر بالکل شکر و شیر۔ امرود حلوائے بے دود۔ انبہ نازنینون کے ہونٹون پر مہر خاموشی ہے میرے سامنے شیرینی کا دعویٰ ناحق کوشی ہے۔ دوات قلم کی زبان چوستی ہے۔ گویا نے شکر ٹھہرایا۔ قلم کاغذ کو چاٹتا ہے۔ آپ چیونٹا بنا اور اُسکو مصری بنایا۔ مالی ڈالیان سرون پر لئے جابجا کھڑے ہین۔ انعام کے لئے اڑے ہین۔ کوئی پھولون کا ہار لاتا ہے۔ کوئی گلدستہ دور سے دکھاتا ہے۔ پھر جو روضہ نظر آیا تو وہ سما آنکھون مین سمایا کہ نہ دیدنے خواب کی آنکھون سے کبھی دیکھا نہ شنیدنے خیال کے کانون سے کہین سنا۔ الٰہی یہ روضہ ہے یا خلد برین۔ آسمان ہے یا زمین۔ سُنہرا کلس ہے یا سورج

کی کرن۔ کنبد ہے یا نور کا مسکن۔ قبرستان ہے یا روضہ رضوان۔ مکان ہے یا جواہرات کی کان۔ جو پتھر ہے جواہرات سے بہتر ہے۔ صبح نے مرمر کے ایسی صفائی پائی تب سنگ مرمر کی صورت بنائی۔ سنگ موسیٰ کو شعلہ تجلی نے طور پر جلایا تب اس درگاہ کے صرف مین آیا۔ کلس کا سایہ دریا مین ایسا رہتا ہے جیسا برج آبی مین آفتاب۔ حوض مین چاند ایسا نظر آتا ہے جیسے دریا مین حباب۔ دیوار مین منہ نظر آتا ہے۔ گویا آئینہ ہے۔ جلا لیا ہوا۔ کنبد سے دماغ تازہ ہوتا ہے گویا قرابہ ہے گلاب سے بھرا ہوا۔ صبح کی طباشیر استرکاری کے صرف مین لائی گئی جو اب تک وہی نور کا عالم دکھاتی ہے۔ رات کا مشک اور شفق کی زعفران پیسکر گارے مین ملائی گئی جو آجتک وہی خوشبو دماغ مین آتی ہے۔ آفتاب کے ترنج کا عرق نچوڑ کر ماہتاب کے پیالے مین موتی کی آب سے ملایا تھا جو چوتے مین یہ نور اور ایسی صفائی ہے۔ بہشت کے کافور کو شفق کے ساتھ آفتاب کے کہرل مین پیسکر صبح کے دامن مین چھانا تھا جو رنگ نے یہ آب و تاب پائی ہے۔ جالیون کی نزاکت مین عقل کام نہین کرتی کہ پتھر کو موم کرکے بال کا قلم پار کر دیا۔ یا خیال کا جالا سمجھ کر نگاہ کی نوک سے جیسا چاہا کام بنا لیا۔ ہر ایک جالی مین وہ ملاحت ہے کہ دیکھنے مین پتھر کی حالت ہے۔ کاغذ کی وصلی پر حرفون کا ابھرا ہین تو معلوم بھی ہوتا ہے یہان پتھر پر پتھر کی بچے کاری کا نہ جوڑ نظر آتا ہے نہ پیوند اور نہ جوڑ کہین سے پست ہے نہ بلند۔ بس کر شہید بس کر۔ اب لکھنے کی مت ہوس کر۔

(شہید)

رقعہ تہنیت و تعزیت آمیز

مجموعہ انشائے شیرین زبانی۔ دیباچہ کتاب سخن معانی زاد حشمتہ۔ قلم بعد تشریح مراتب اشتیاق و آرزومندی کے تعزیت کے مضمون سے آنسو بھی بہاتا ہے اور کچھ خوشی مین آکر مبارکباد کا مضمون بھی زبان پر لاتا ہے۔ زمانہ مین خوشی و غم دونون کا چولی اور دامن کا

ساتھ ہے اور دنیا مین دہوپ چہاؤن کی طرح شادی کے ہاتھ مین ماتم کا ہاتھ ہے - دو پھول ایک ہی شاخ مین پھولتے ہین ایک دولہا دلہن کے سہرے کے کام آتا ہے - دوسرا میت کی تربت پر چڑہایا جاتا ہے - دو موتی ایک سیپ مین پیدا ہوتے ہین ایک بادشاہ کے تاج مین لگاتے ہین دوسرے کو کہرل مین پیسکر دوا مین ملاتے ہین - ایک ہی کافور سے دو شمعین بنتی ہین - ایک محفل سرود کے کام آتی ہے دوسری مردے کے مزار پر جلائی جاتی ہے چمن مین کلی اگر کھل کھلا کر ہنستی ہے شبنم بے اختیار اُسکے ہنسنے پر روتی ہے - جس باغ مین خزان ہو وہان بہار بھی ہے اور جہان گل ہو وہان خار بھی ہے - بادام کے پوست اور مغز کو دیکھیے کہ نرمی اور سختی ایک ہی جگہ موجود ہے - برف کو سوچیے تو گرمی اور سردی اسکے ساتھ ہی موجود ہے - سرخی اور زردی گل رعنا کی دلیل ہے - تقدیر نے اگر صبح کو لباس سفید خوشی کا پہنایا تو شام کے واسطے جامہ سیاہ ماتمی بنایا - حاصل یہ کہ آپکے والد ماجد نے عین عید کے دن انتقال فرمایا - گویا ایسی گردش لیل و نہار کی خزان و بہار کا تماشا دکھایا - اور اس غم نے جتنا رولایا تھا آپکی شادی نے اتنا ہی ہنسایا - اس افسوس مین ہمسان جو ماتمی لباس پہنے نظر آیا تو شفق کی سرخی نے وہین خوشی کا رنگ بھی دکھایا رنج مین دو ہتھڑ جو پہلے مُنہ پر مارا تو پھر خوشی مین وہی دونون ہاتھ اُٹھا کر یون دعا مانگی کہ خدا اُس مرحوم کو جنت نصیب کرے اور آپ سلامت رہین اور یہ شادی مبارک ہو - بندہ بھی ادائے رسم فاتحہ خوانی و شرکت محفل شادمانی کے واسطے ضرور حاضر ہوگا -

زیادہ والسلام -

(شہید)

خان بہادر منشی غلام غوث بیخبر

انکے مورث اعلیٰ سلطان زین العابدین شاہ کشمیر کے رہنے والے تھے - اور حکومت سلاطین مغلیہ مین انکے بعض بزرگ عہدہائے قضائے کشمیر پر نامور رہے - انکے والد

خواجہ حضور اللہ ترک وطن کرکے تبت چلے گئے۔ وہان سے ریاست نیپال مین آئے اور وہین اقامت اختیار کرلی۔ چنانچہ بیخبر ۱۲۴۰ھ مین وہین پیدا ہوے۔ ان کی چار برس کی عمر تھی کہ والد اور نانا کو گردش زمانہ نے ترک سکونت پر مجبور کیا۔ اور اس مرتبہ بنارس مین طرح اقامت ڈالی۔ یہین سن شعور کو پہونچے۔ اور تعلیم کا سلسلہ تکمیل کو پہونچا۔ ۱۸۴۰ء مین ملازمت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور اپنے خالو خان بہادر مولوی عبدالحمید خان میر منسی لفٹننٹ گورنر شمال مغرب کے نائب مقرر ہوے۔ انہین ایام مین جب لارڈ الن برا نے گوالیار پر چڑھائی کی تو یہ گورنر جنرل کے منشی خانے مین منسلک ہوکر شریک مہم ہوے اور جنگ کے خاتمہ پر صلہ کارگذاری خلعت پایا۔ پھر کئی سال بعد اپنے خالو کے بجاے میر منشی مقرر ہوے۔ اور ۱۸۸۵ء تک برابر اس عہدہ جلیلہ پر فائز رہے۔ اور حکام مین اعلیٰ درجہ کا اعتبار اور وقار حاصل کیا۔ غدر ۱۸۵۷ء مین خیر خواہی کے صلہ مین سند و خلعت ہفت پارچہ مرحمت ہوا۔ ملکہ معظمہ کے خطاب شاہی اختیار کرنے کے موقع پر آپکو تمغہ قیصری ملا۔ ۱۸۸۵ء مین ۴۵ سال ملازمت کے بعد آپنے پنشن لی اور خان بہادر ذوالقدر کے خطاب سے سرفراز ہوے۔

شاعری اور انشا پردازی مین آپکو ایک امتیازی درجہ حاصل تھا۔ غالب مرحوم سے دوستانہ تعلقات تھے۔ اکثر خط و کتابت رہتی تھی۔ خطوط کا طرز تحریر نہایت دلکش تھا۔ آپکی دو تصنیفین خوشنمائیہ جگر۔ فغان بے صبر یادگار ہین۔ آپ نے پیرانہ سالی مین ۱۹۰۵ء مین انتقال کیا۔

صبح اور دوپہر اور شام ہونیکا سمان

صبح

رات آخر ہوئی صبح صادق کا جلوہ نظر آنے لگا ستارے جو رات کی تاریکی مین چمک دمک دکھا رہے تھے اپنی روشنی کو پھیکی دیکھ کر شرمائے اور آہستہ آہستہ غائب ہوے۔ جیسے چور نور کا تڑکا ہوتے ہی اپنے اپنے ٹھکانے کو بھاگتے ہین شب کی سیاہی کا رنگ اُڑا

مشرقی اُفق پر سفیدی نمودار ہوئی گویا محبوب صبح نے رات کے سیاہ بکھرے ہوئے بالون کو چہرے سے سمیٹ لیا۔ اور اُسکی نورانی پیشانی نظر آنے لگی۔ نسیم سحری معشوقون کی طرح خوش خرامی کرتی ہوئی چلی۔ نرم نرم شاخین درختون کی مستون کے مانند جھومنے لگین جانورون نے چہچہانا شروع کیا۔ باغ مین غنچے کھلنے لگے جیسے نیند سے کوئی آنکھ کھولے دریا مین پتلی پتلی لہرین پڑین کاتب قدرت نے قلم شعاع سے زرنگار کرنے کے لئے صفحہ آب پر مسطر کیا شاہی نوبتخانہ کے کوس و دُہل کی آواز بلند ہوئی۔ اُسکی سریلی آواز سے لوگ نیند سے چونکے اور اپنے اپنے کام سے لگے۔ میکدہ کا دروازہ کھلا مغبچون نے صحن میخانہ کی رُفت و رُوب کی۔ پیر مُغ نے صراحی اور ساغر سنبھالا میکشون نے شب کے خمار کی سرگرانی دفع کرنے کی غرض سے صبوحی کی فکر مین اُس طرف کی راہ لی۔ اِدہر مُرغ نے اذان دی اُدہر موذن بہی اپنے دربے سے نکل صحن مسجد مین کھڑا ہوا اُس کے گلے سے گلا ملانے لگا۔

یہ سُنکر رات بہر کے جاگے ہوئے عابد انگڑائیان لیکر سجادہ پر سے اُٹھے جُبّہ اور عمامہ سنبھال عصا ہاتھ مین لے مسجد کی راہ ناپتے چلے۔ بتکدہ مین گھنٹے اور ناقوس بجے برہمنون نے پھول اور سیندور بتون پر چڑہا کر بھیروی بھجن گانا شروع کیا۔ صنم پرستون نے سجدۂ بت کے لئے آمادہ ہوکر بیت الصنم کا ارادہ کیا۔

دوپہر

دوپہر کا وقت ہوا۔ آفتاب سمت الراس پر آیا۔ زمین تپنے لگی۔ پانون رکھتے ہوئے خوف آتا تھا کہ چھالے نہ پڑین۔ بیٹھے ہوئے جی ڈرتا تھا کہ سانس کی گرمی سے لب پر تبخالے نہ پڑین۔ آسمان سے وہ آتش باری ہونے لگی کہ ہوا نے شعلہ جوالہ کی صورت پیدا کی۔ خاک کے ذرّون نے چنگاریون سے ہیئت بدلی۔ جانورون نے ڈر سے اُڑنا موقوف کیا کہ جسم جلکر کباب نہو۔ زمین کی دہشت سے سکتہ کی حالت ہوگئی کہ دہوپ کی گرمی سے

پگھل کر آب نہ ہو۔ دوکانداروں نے دوکانوں کے تختے لگا دیئے اور اُسکی آڑ مین پڑ رہے لوگون کا گھرون سے نکلنا چلنا پھرنا بند ہوا۔ بازارین سنسان ہوگئین۔ دن نے رات کا سناٹا پیدا کیا۔ شہر شہر خموشان کا نقشہ بن گیا۔ چوپائے سایہ مین کھڑے ہوکر ہانپنے لگے۔ ہر درخت شکل چنار ہوگیا۔ دھوپ کی تابش سے معلوم ہوتا تھا کہ کھڑا جل رہا ہے۔ گھاس مرجھا کر زمین سے ایسی لپٹ گئی جیسے کسی نے کاٹ کے ڈال دی ہو۔ حوضون کا پانی ایسا گرم ہوگیا کہ مسجدون پر حمامون کا گمان ہونے لگا۔ موذنون نے چپکی ہادی عابد بھی عبادت چھوڑ کر قیلولہ کی سنت ادا کرنے کے بہانے سے لیٹ رہے۔ برہمن بتخانے کے کونے مین یون خاموش ہوکر بیٹھا کہ بت بن گیا۔ میکدہ مین مُغ زانو پر سر رکھ کے اس شکل سے ہو بیٹھا کہ معلوم ہوتا تھا ٹکے پر پیالہ اوندھا دیا۔ غریبون نے اپنے گھرون مین گھاس کی ٹٹیان لگا لین۔ مٹی کی صراحیون پر کپڑا بھگو کے لپیٹ دیا امیرون نے تہ خانون مین آرام فرمایا۔ خس کی ٹٹیان چھڑکی جانے لگین۔ فراشی پنکھے کھینچنے لگے۔ خس کی خوشبو سے ہوا کے جھونکون پر نخلستان کا یقین آنے لگا۔ صراحیان برف مین لگائی گئین۔ شربت کی قفلیان جمائی گئین۔

شام

دن تمام ہوا۔ جھٹ پٹے وقت نے رات کے آمد کی خبر دی۔ مغربی گوشہ سے تاریکی کا جوش ہوا جیسے پہاڑ کے غار سے سیاہ ابر اُمنڈے۔ آفتاب دن کے تماشا ختم ہونے سے ایسا اداس ہوا کہ مُنہ پر زردی چھا گئی۔ بادلِ ناخواستہ مغرب کو چلا۔ لیلائے لیل نے شرم سے کہ آفتاب جاتے ہوئے اُسے دیکھ نہ لے سیاہ نقاب مُنہ پر ڈالا۔ ہوا جو دن بھر زور شور سے چل رہی تھی دھیمی ہوئی۔ اور تھکے ہوئے مسافر کیطرح آہستہ آہستہ چلنے لگی۔ درختون کے پتون نے کھڑکھڑانا دریا کے پانی نے لہرانا موقوف کیا۔

پالے ہوئے جانور جو دن کو حیرانی کے صحرا مین کلیل کر رہے تھے اُن کو زندان خانہ نصیب ہوا۔ جنگلی چوپایون نے درختون کے سایہ اور پہاڑ کے غارون مین پناہ لی۔ طیور نے فضائے آسمان سے مُنہ موڑ کر کسی نے اپنے آشیانے کو رخ کیا۔ کسی نے درخت پر بسیرا لیا۔ مسجدون مین قندیلین روشن ہوئین تبکدون مین سانجھی دیگئی۔ میخانون مین خم نے شبات اور ساغر نے گردش سے ثوابت و سیار کے نقشے دکھائے۔ قمر نے ماہ تمام کا کام کیا۔ وہ روشنی پھیلائی کہ وہان اندھیرا ہونے نہ دیا۔ آسمان پر ستارون نے چراغان کر دیا۔ چراغون نے اپنی روشنی سے زمین کو آسمان بنا دیا۔ مسافرون بھر کے تھکے سرایون مین آپڑے ان کی دن بھر کی تھکائی آخر روز کا اضطراب کہ راہ مین رات نہو جائے منزل پر پہنچنے کی جلدی۔ سرائے مین ناجنسون کی ہمسائیگی بھٹیارون کی ناز برداری۔ گھر کا دھیان۔ اہل و عیال کا خیال۔ وطن کی یاد۔ یاران وطن کا تصور۔ دل کی شکستگی ایک قیامت تھی۔ اس مزے کو وہی جانتا ہے جس نے کبھی اپنے صبح وطن کو شام غربت سے بدلا ہے۔

(منشی غلام غوث بیخبر)

شہید کے انشائے بہار بیخزان کی تقریظ

مردم دیدہ آج گھر بیٹھے بہشت کی سیر کرتے ہین۔ اللہ اللہ صفحہ قرطاس پر کیا جوش بہار معانی ہے۔ تار نگاہ مین بے تکلف موتی پروئے جاتے ہین۔ واہ واکلک گہربار کی کیا فراوانی ہے۔ سبحان اللہ یہ کیسی انشا ہے جسکے دیکھنے سے یہ لطف اٹھتا ہے۔ کتاب ہے یا گلزار بیخزان۔ جس صفحہ کو دیکھیے حاشیہ فردوس کے روشون پر حاشیہ لکھتا ہے۔ جدول کے خطون پر سلسبیل اور کوثر کا جی پانی پانی ہوتا ہے۔ سطرین سنبلستان ہین۔ الفاظ گلستان ہین۔ حروف کی کشتون پر سرو اور شمشاد کا یقین ہوتا ہے۔ دائرون سے نرگستان آنکھون کے تلے پھر جاتا ہے۔ حرفون کی سیاہی سے کاغذ کی سفیدی وہ کیفیت دکھاتی ہے

گویا درختون سے چاندنی نے کیت کیا ہے۔ کاغذ کی سفیدی پر حرفون کی سیاہی کی وہ بہار
نظر آتی ہے جیسے صحن باغ پر بادل چھا رہا ہے۔ وہان قوت نامیہ سے درخت ہر سال پھولتے
پھلتے ہین۔ یہان فکر ادراک سے جب دیکھیے فقرات برجستہ سے معانی تازہ نکلتے ہین۔ مجموعہ ہے
یا گنج شایگان۔ ہر باب مین ایسے ایسے بے بہا جواہر حکمت کے بھرے ہین کہ جیسے دیکھ کے
جوہری عقل کی عقل چکراتی ہے۔ ہر فصل مین اتنے نقد کامل عیار دانش کے انبار دھرے
ہین کہ مقدار اُسکی صیرفی ذہن کے ذہن مین نہین آتی۔ یہ وہ جوہر ہے جسکے رکھنے کو حلقہ چشم
درجک ہو تو بجا ہے۔ اور یہ وہ نقد ہے جسکے پرکھنے کو سویداے دل محک ہو تو زیبا ہے۔ شہر
علم کے مفلسون کو صلاے عام ہے کہ اسکی سیر کو آنکھین کھولین دامن نگاہ مین موتی روشن
دیار دانش کے ناداردن کو اجازت تام ہے کہ اس گنجینہ کے دیکھنے کو آئین جتنا حوصلہ ہو اُٹھائین
خالی ہاتھ نہ جائین۔ کتاب ایسی کیون نہ ہو جب مصنف اسکا وہ ہے جسکی فصاحت نے سحبان
کے منہ مین قبر کی مٹی سے خاک بھری۔ اور جسکی جادو بیانی نے سحر بابل کی قدر مٹی کی یعنی فاضل
بے بدل۔ عالم عدیم المثل۔ منشی اعجاز نگار۔ شاعر سحر گفتار۔ مولانا غلام امام شہید۔ جن کا
ثانی فضل و کمال مین نہ دیدہ ہے نہ شنیدہ۔ تحریر عربی سے اُنکی اعشیٰ اور جریر کی پیٹھ قبر مین لگی
تھی۔ نثر فارسی سے ظہوری اور طغرا خواب عدم مین چین سے نہ سوئے تھے۔ شعر سے انوری
کو بے نور۔ خاقانی کو ٹکڑے گدا کر دیا تھا۔ اب اُنکی اُردو سے سودا کی روح کو سودا ہوگا۔ میر
اپنا مرنا غنیمت جانیگا۔ ہوس کو پہلے ہی خوب سوجھی جو یہ تخلص اختیار کیا یعنی در پردہ
معذرت چاہی کہ مین تو ہوس کرتا ہون کمال حق اور کسی کا ہے۔ سوز کو بھی کچھ اُنکی خبر پہونچگئی
تھی کہ آتش رشک سے جلکر یہ تخلص اپنے حسب حال رکھا۔ ناسخ اب ہوتا تو منصفی سے
تخلص اپنا منسوخ مشہور کرتا۔ آتش نہ مرتا تو کیسا کیسا جلتا۔ اُنکی اس نثر نے رتبہ نظم کا کھو دیا
اُستادون کا سفینہ دریا مین ڈبو دیا۔ سچ تو یون ہے کہ اُنکی حیثیت اور اُردو نویسی زمین و آسمان
کا فرق ہے۔ اسپر بھی اگر تفنن طبیعت کے لئے ادھر کچھ میل کرتے تو ایسی لکھتے کہ اُنکی اُردو انشا

کے سامنے علامی اپنی انشا سے خط غلامی لکھتا۔ بہار دانش کی بہار پر خزان کا وقت آجاتا۔ سہ نثر ظہوری کو لوگ چپاؤ ڈالتے۔ طغرا کی تحریر کو خط باطل کی طرح مٹا ڈالتے۔ پر اس سے مجبور ہوے کہ فرمائش نثر عاری کی تھی۔ گو انہین اُس سے عار تھا۔ پر حکم ماننا ناچار تھا لیکن ٹوٹ جانیکی جا ہے کہ اس سادگی مین سیکڑون طرحداری کا مزا بھرا ہے۔ اپنے نزدیک گو کچھ نہ لکھا ہو پر کیسا کچھ لکھا ہے۔ اگر انصاف کیجیے تو ایسی کتاب اردو مین آجتک کوئی نہین ہوئی۔ اردو کو رتبہ فارسی کا بخشا ہے۔ اردو نویسون کو سامان انشا پردازی کا عطا کیا ہے۔ اسکی بدولت ہر ایک اردو نویس اب ایسا منشی کہلاتا ہے کہ فارسی اُستادون کو اُنکے آگے سکتا ہے۔ ان مین سے کب کوئی ویسا لکھ سکتا ہے۔ بلکہ یہ کتاب اردو نویسون ہی کے حق مین مفید مطلب نہین ہے۔ ہر ایک قاعدہ اسکا فارسی والون کے حق مین بھی اکسیر کا نسخہ ہے۔ مصنف نے جو اس کتاب کی تصنیف عاجز کی تکلیف دینے سے اختیار فرمائی۔ میری زبان مین کیا تاب و توان ہے کہ اسکا شکر ادا کرون یہ تقریظ تو کیا اگر دفتر کے دفتر لکھون ایک حرف ادا نہو۔ اسلئے دعا پر ختم کرتا ہون۔ الٰہی جب تک معنی سخن مین اور سخن حرف مین حرف خط مین اور خط جان قالب کتاب مین ہو۔ دانشمندون کا تعویذ جان اس کتاب کا ہر ایک باب ہو۔ یہ دعا بیخبر کی مستجاب ہو۔

(منشی غلام غوث بیخبر)

خط مولنا غلام امام شہید کے نام

قبلہ۔ میری شوخی دیکھیے یوسف کو آئینہ دکھاتا ہون۔ خورشید کو روشنی کی حکایت سُناتا ہون۔ گلزار مین پھول لے جاتا ہون۔ ختن مین مشک تحفہ بھیجتا ہون۔ دریا کے سامنے روانی کے معنی بیان کر رہا ہون۔ چاند کے روبرو نور افشانی کا معاملہ کرتا ہون۔ لعل کے حضور مین رنگ کی دوکان کھولتا ہون۔ قند کے مواجہ مین شیرینی تولتا ہون۔ مسیحا سے کہتا ہون جان بخشی کی روایت سنئے۔ موسیٰ سے تمنا کرتا ہون کہ ید بیضا کی چمک دیکھیے

یعنی حضرت کا دیوان مرتب کر کے آپکے حضور مین پیش کرتا ہون۔ میرے لیئے اسکے دیباچہ لکھنے کا ارادہ کرنا ایسا تھا جیسے ایک فقیر شاہی خزانون کے اہتمام کا قصد کرے۔ ایک شیشہ گر ہیرا تراشنے کی آرزو مین مرے۔ اندہا چاہے کہ قدرت کے نظارہ سے خط اُٹھائے گونگا چاہے کہ فصاحت کا سکہ بٹھائے۔ مگر چونکہ غلبۂ شوق مین تمیز باقی نہین رہتی۔ یہ خیال نہین ہوتا کہ مین کیا ہون اور کیا کرتا ہون۔ دیباچہ بھی لکھ ڈالا۔ وہ اُسکے قابل تو کاہے کو ہے آپکے دیوان پر مرا دیباچہ ایسا ہے جیسے موتی کی لڑی مین سنگریزے کا آویزہ لگا ہو یا زلفت کے قبا مین چھٹ کا حاشیہ ٹکا ہو۔ مانی کی تصویر کے گرد ایک نومشق لکیرین بنادے۔ سحبان کے کلام کی ایک الجبد خوان شرح لکھا دی۔ مگر اس نظر سے کہ ہر چیز اپنے ضد سے پہچانی جاتی ہے بدصورت کے مقابلہ مین حسین کے حسن کو اور رونق ہوتی ہے شب تار مین شمع کی روشنی زیادہ ضیا دیتی ہے۔ کھاری پانی پینے کے بعد قند کے شربت مین اور ہی مزا آتا ہے۔ صحرا نوردی کے بعد باغ کی سیر کا لطف کھا نہین جاتا ہے۔ خاطر مشکل پسند پسند کرتے تو ہو سکتا ہے۔ بیشک دیکھنے والون کو اسکی برائی اُسکی خوبی زیادہ دکھاویگی۔ ستارہ دیکھ کے جو چاند دیکھے اُسے روشنی زیادہ نظر آئیگی۔ میری خوش طالعی ہے اگر یہ قبول ہو۔ اُسکے لئے شرف ہے اگر دیوان مین داخل ہونے کی عزت اُسے حصول ہو۔

(غلام غوث بیخبر)

پنڈت رتن ناتھ درسرشار

لکھنؤ مین پیدا ہوے ۴۰ برس کے سنے جب اُنکے والد پنڈت بجیا ناتھ صاحب کا انتقال ہوا۔ آپ عربی فارسی مین اچھی لیاقت رکھتے تھے۔ انگریزی بھی جانتے تھے۔ شاعری مین اسیر کے شاگرد تھے۔ ۱۸۷۸ء مین آپ اودھ اخبار کے اڈیٹر ہوے۔ وہان سے علیحدہ گی کے بعد اپنا ایک خاص رسالہ **خدا گدہ سرشار** نکالنے لگے سنہ ۱۸۹۰ء مین آپ حیدرآباد گئے۔ ہر اکسلنسی مہاراجہ کشن پرشاد صاحب اُس زمانہ مین وزیر افواج تھے

سرشار دہن رہتے تھے ۱۹۱۱ء مین حیدرآباد ہی سے آپ راہی ملک بقا ہوے۔

آپ فسانہ نگاری کے طرز جدید کے موجد ہیں آپکی تصانیف سے سیر کہسار۔ جام سرشار۔ فسانہ آزاد مشہور ہین۔ ان سب مین بہتر تصنیف فسانہ آزاد ہے۔ اسمین جس واقعہ منظر۔ مناظر قدرت کو دکھلایا ہے اُسکی ہو بہو تصویر کھینچ دی ہے وعظ۔ اقیونی۔ بنیا ہی۔ جسکی زبان کہی ہے پوہ خاکہ اُتار لیا ہے۔ مستورات کی زبان ایسی صحیح طور سے ادا کیا ہے گویا بیگمات ہی کی زبان ہے۔ فسانہ آزاد لکھنؤ کے شوقت کی سوسائٹی کا دلچسپ مرقع ہے۔

لکھنؤ کا محرم الحرام

سینون مین جگر پہ تیر غم چلتے ہین — رخسارون پہ اشک شمع سان ڈھلتے ہین
کیون تعزیہ خانون مین رونق ہو زیادہ — دل بھی تو چراغون کی طرح جلتے ہین

میان آزاد سیلانی آدمی سیر سپاٹے پر اُدھار کھائے ہوئے مٹرگشتی کی دہن جو سمائی تو ریل کے انجن کی طرح چل کھڑے ہوے۔ اور سوچے کہ چل کے محرم لکھنؤ کا دیکھ لین۔ دیکھتے کیا ہین کہ گھر گھر شیون و شین۔ گہ گہر کا وہین گریہ وزاری۔ اشکباری۔ جم غفیر مجمع کثیر ایک جلے تن بول اُٹھے اور کیون نہ ہو مجالس عزا کی دھوم دھام ہے۔ لکھنؤ کا محرم الحرام ہے۔ لکھنؤ کی سوز خوانی۔ لکھنؤ کی خوش بیانی۔ لکھنؤ کی عزاداری۔ لکھنؤ کی سوگواری۔ از شام تا روم مشہور ہر مرز و بوم ہے۔ تعزیہ خانون مین دھوم۔ امام باڑون مین ہجوم ہے۔ اور ان سب مین حسین آباد مبارک کا لبدر فی النجوم ہے۔ انکے ساتھ انکے ایک دوست ہوتے تھے۔ اُنکی بیقراری کا حال کچھ نہ پوچھیے وہ لکھنؤ سے واقف نہ تھے۔ روتے جاتے ہین کہ شہید کربلا کا واسطہ آل مصطفیٰ کا صدقہ ہمین لکھنؤ کا محرم دکھا دو۔ مگر کوئی جگہ چھوٹنے نہ پائے۔ ایک شخص نے ایک آہ سرد کھینچکر کہا میان اب وہ لکھنؤ کہان۔ وہ لوگ کہان۔ وہ دن کہان۔ لکھنؤ کا محرم رنگیلے پیا جانعالم کے وقت مین دیکھنا تو ارنی گوے اوج طور بھی غش کر جاتا۔ بانکون کی شمشیر دو پیکر جب دیکھو

میان سے دو انگل باہر کسی نے ذرا تیکھی چتون کی ذرا انھون نے کھٹ سے سر ہی کاٹ لیا ہوا ہاتھ چھوڑا بنڈارا کھل گیا۔ ایک ایک گھنٹے مین بیس بیس خانہ جنگیون کی خبر آتی تھی۔ دکاندار چوٹیان چھوڑ چھوڑ کر سٹک جاتے تھے۔ وہ دھکم دھکا وہ بھیڑ بھڑکا ہوتا تھا کہ واہ جی واہ۔ انتظام کرنا خالہ جی کا گھر نہ تھا۔ اب کوئی چون بھی نہین کرتا۔ ادنی ادنی آدمی ہزارون لٹاتا تھا۔ اب کوئی بھی نذر حسین نہین نکالتا۔ اب انیس ہین نہ دبیر۔ مونس ہین نہ شبیر۔ ضمیر ہین نہ دلگیر۔ ؎

افسوس جہان سے دوست کیا کیا نہ گئے — اس باغ سے کیا کیا گل رعنا نہ گئے
تنہا کون سا نخل جسنے دیکھی نہ خزان — وہ کون سے گل کھلے جو مرجھا نہ گئے

دبیر میر درد کی تربت کو خدا عنبرین کرین۔ واللہ خدا سے سخن تھا۔ سر منبر ع جب قفل دہن کھلا جواہر نکلے۔ گویا کہ زبان کا گنجینہ ہے۔ ایاب ہی باقی پڑا ہی اور سامعین چار موجہ حیرت مین غرق ہو گئے۔ کہ اللہ اللہ یہ فصاحت یہ بلاغت۔ ؎

مداح امیر ابن امیر آتا ہے — دنیا مین شاہون کے فقیر آتا ہے
مشتاق سخن خلق چلی آتی ہے — لو مرثیہ پڑھنے کو دبیر آتا ہے

اور انیس مرحوم کو خدا بخشے باللہ العظیم کلام کیا جواہرات کے ٹکڑے قند و نبات کے ریزے نور کے مرثیے ہین ع جو ہر شناس ہے تو انہین موتیون مین تول فصحائے خطۂ پاک ایران تک کہتے ہین کہ کجا انیس کجا فردوسی۔ کجا کمر بند مرصع کجا شال بوسی۔ بزم مین وہ ڈھنگ رزم مین وہ رنگ کہ ؎

مضمون انیس کا نہ چہرا اترا — اترا بھی تو کچھ بگڑ کے نقشہ اترا
نقاش نے سو طرح کی خفت کھینچی — تصویر نہ کھینچ سکی تو چہرا اترا

لیکن ہاتھی لٹکا بھی تو کہان تک۔ اب بھی اس شہر کی ایسی عزاداری ہفت اقلیم مین نہین ہوتی۔ اب کہئے کہان کی سید ہیان ہین نجف اشرف۔ کربلا۔ کاظمین۔ میرا قبر کے امام باڑے۔ چوٹیان جہان چلو داخل جنات ہو۔ واللہ بہشت کی یہی سیدھی راہ ہے۔ ؎

دربار جناب مصطفےٰ کو دیکھا — ان آنکھوں سے شان کبریا کو دیکھا
فردوس میں پہونچے تو نجف میں پہونچے — جنت دیکھا جو کربلا کو دیکھا

رنگ رلیاں مناتے پیدل چلے جاتے تھے راہ میں وہ بھیڑ وہ ریل پیل کہ عیاذاً باللہ شانے سے شانہ چھلتا تھا۔ ہوا جب بے خرابی بسیار کہیں گذر پائے تو ضیق النفس ہو جائے ہانکے ترچے۔ تیکیے تقات مقدس کس و ناکس غریب و امیر برہنا و پیر ہڈے چلے آتے ہیں جدھر دیکھو نرالی دھج مومن پاک مثل کعبہ سیاہ پوش۔ کوئی ماتم حسین میں برہنہ سر چلا جاتا ہے۔ کوئی حلہ پوش بہشت کی طرح ہرا ہرا جوڑا پہنے کا تا ہے۔

یہ لیجیے آغا باقر کے امام باڑے میں نہٹ سے داخل۔ اُہو ہو ہو۔ خدا کی قدرت مجسم نظر آتی ہے واہ میاں باقر کیوں نہو۔ نام کر گئے۔ چکا چوند کا عالم ہے لیکن گلی تنگ۔ تماشائیوں کی عقل دنگ ع جائے تنگ است و مردمان بسیار۔ مگر خلقت گھس پٹھیکر دیکھی ہی آتی ہے۔ ناک ٹوٹے یا سر پھوٹے آغا باقر کا امام باڑہ ضرور دیکھیں گے۔ وہاں سے جو طرارہ بھرا تو کچے پل پہونچے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک پیر فرتوت دقیانوس کے ہمعصر بیٹھے اگلے وقتوں کے لوگوں کو رو رہے ہیں۔ واللہ لکھنؤ کے کمہار بڑے نادرہ کار ہیں ایسا بڈھا بنایا کہ معلوم ہوتا ہے پوپلے منہ سے اب بولا اور اب بولا وہی سر کے سے بال۔ وہی سفید بھوئیں وہی چتون وہی پیشانی کی شکن۔ وہی ہاتھوں کی جھریاں وہی کمر خم وہی سینہ جھکا ہوا۔ واہ رے کاریگر تو بھی اپنے فن میں یکتا ہے۔ اور تیرا بوٹا تو اللہ ہی اللہ۔

وہاں سے جو چلے تو داروغہ میر واجد علی صاحب مرحوم کے امام باڑہ میں آئے۔ یہاں سورج کی پردہ جو بن نہا کہ آفتاب اگر ایک نظر چھپ چھپا کر وہ نور دیکھ پاتا تو مارے غیرت کے بحر ظلمات میں غوطے کھاتا۔ بے تکلف کرسیوں پر جا ڈٹے۔ اہلکاران سلیقہ شعار نے چلمنی ڈلی۔ الائچی پیشکش کی وہاں سے حسین آباد مبارک میں پہونچے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ یہ امام باڑہ ہے یا روضۂ رضوان۔ الٰہی یہ مکان ہے یا باغ جنان۔ ہر در و دیوار سے محمد علی شاہ فردوس آرامگاہ کا نام روشن ہے۔ امام باڑا سجا سجایا دلہن کا ایسا جوبن ہے۔ پرچون پر چنیلے موفور تو منار نور علی نور۔ حیرت تھی کہ یہ کوہ نور

ہے یا شعلہ طور ہے سرخ قندیل پر یاقوت احمر ہیرا کھائے چراغان کی قطار پر مہتاب پروانہ ہو جائے پھر نہر مصفا جو نظر آئی تو آنکھوں نے عجب طراوٹ پائی۔

بسنت کی بہار

اللہ اللہ کیا روح افزا بہار ہے جس طرف دیکھیے زعفران زار ہے صوفی صافی تک مرید مغبچہ پر بادہ فروش ہے بہار بسنت کا وہ جوش ہے کہ ساقی تک مدہوش ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ ؎

حکمرانی پر ہوا میل سلیمان بہار — عشق پیچاں بن گیا طغرائے فرمان بہار
زلف سنبل کو سمجھے گوش گل کو جانئے — نرگس شہلا کو کہئے چشم فتان بہار

بہار باغ کا عالم خط گلزار میں مسطور ہے صفحۂ قرطاس نور علی نور ہے گلزار و بستان ہیں کہ جنت کے چمن۔ حور و غلمان ہیں یا نسرین و نسترن۔ فردوسی آئے تو گلچین ہو جائے رضوان دیکھیے تو شرمائے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کی ٹھسٹرن۔ باد بہاری کے جھونکے سنا سن۔ سبزے کی لہک کاج جعفری کی مہک۔ کلیوں کا چٹکنا۔ پھولوں کا مہکنا۔ شاخ گل کی کج ادائی سنبل کی آشفتگی۔ گلوں کی رعنائی۔ دزدیدہ نگاہوں سے نرگس شہلا کی نظارہ بازی۔ زبان حال سے سوسن کی زبان درازی۔ شاخ گل کا مستانہ وار جھومنا۔ اشجار پر میوہ کا دمین کو بار بار چومنا۔ سنبل کی سیر مستی نرگس کی جام پرستی۔ نونہالان چمن کے ہاتھوں میں پھول کے جام جیسے رندان بے آشام۔ منقار بلبل نغمہ خیز۔ نائے موسیقار ترانہ ریز۔ طوطی کی خوش بیانی۔ عنادل کی غزل خوانی۔ کوئل کی کوکو۔ قمری کا نعرۂ حق سرہ۔ سبحان اللہ سبحان ؎

بہار آئی ہے عالم ہے گل و نسرین و سوسن پر — جوانان چمن نازاں ہیں اپنے اپنے جوبن پر

عنادل جوش مسرت میں بے پر کی اڑاتے ہیں۔ غنچۂ گل سن سنکر زیر لب مسکراتے ہیں۔ شبنم کے قطرے ہرے ہرے پتوں پر اس طرح نمودار ہیں جیسے کسی سبز رنگ گلگوں کے ہاتھ میں لالی آبدار ہیں۔ درخت پھولے پھلے۔ سرو سہی سانچے میں ڈھلے۔ نسرین و نسترن کا حسن بے عیب

داغ۔ زنگل دگل چمنستان کے چشم وچراغ ؎

وہ بہار آئی ہوے نغمہ سرا مرغ چمن — غیرتِ باغِ ارم آج ہے صحن گلشن
جوش ہے زمزمہ سنجی پہ ہین مرغانِ بہار — کیا تعجب ہے جو گویا ہو زبانِ سوسن
کرم ابر بہاری سے ہے سیراب زمین — خاک اڑکر نہین ہوتی ہے غبارِ دامن
نے مضمون ادا کرتی ہے ریزے کی زبان — کھولتا نکتۂ سربستہ ہے غنچہ کا دہن
آب شبنم سے کہان کاسۂ گل ہین لبریز — جلترنگ آج بجانے کو ہے معشوقِ چمن
آبشارون کا سر آئینہ بجاتی ہے صبا — تال دیتا ہے کفِ برگ سے ہر نخل چمن
کوئی افسانۂ زہاد نہین سنتا ہے — خس وخاشاک سے کیا صاف ہے صحن گلشن
ایسے کثرت سے جو ہو بارش باران بہار — زاہد خشک کا ممکن ہے نہو تر دامن

پھولون سے لبریز گلچینون کی جھولی ہے۔ باغبان کی آنکھون مین سرسون پھولی ہے حوض باغ آئینہ کی صورت صاف۔ پانی مثل بلور شفاف۔ روشین صاف وپاک۔ پٹریان بے خس وخاشاک۔ رنگیلے جوان نشار گلگشت مین مخمور۔ بادۂ مسرت سے چور لکھنؤ مین ہر گلی کوچہ زعفران زار ہے۔ کیون نہ ہو آخر بسنت کی بہار ہے۔ یون تو ہر سمت طبلے پر تھاپ سارنگی کی چھیڑ چھاڑ اور نغمہ سرائی کا انتظام ہے۔ مگر شاہ مینا صاحب کی درگاہ سب مین انتخاب زیارتگاہ خاص وعام ہے۔ اللہ اکبر گرد مزار کہین نوجوانون کی وہ دھوم دھام ہے کہ جس طرف دیکھیے اژدحام عام ہے۔ غٹ کے غٹ جوق جوق چلے جاتے ہین غول کے غول اڈے آتے ہین۔ وہ بھیڑ بھڑکا۔ وہ دھکم دھکا۔ وہ ریل پیل۔ وہ شور وشر کہ الامان۔ الحذر۔ ایک دوسرے کو ریلتا ہے۔ دوسرا تیسرے کو ڈھکیلتا ہے کہین قوال حقانی غزلین گاتے صوفیون کو وجد مین لاتے ہین۔ کسی اہل دل کو حال آیا۔ کوئی آنسو بہرلایا۔ ہو حق کا نعرہ بلند ہے۔ سرود وغنا کا لطف دوچند ہے۔ فقط۔

برات کی دھوم

ایک رئیس گردون مدار و امیر باوقار کی ایک دختر فرخندہ اختر تھی۔ رئیس موصوف نے اُسکو ناز و نعم پالا۔ جب لڑکی کچھ سیانی ہوئی تو اُسکی شادی کی فکر پیدا ہوئی۔ بڑے بڑے نام آور رؤسائے ذوی الاقتدار کے ہان سے پیغام آنے لگے دور دور تک اسکے حسن و جمال کی شہرت ہوئی۔ آخر کار ایک رئیس والاتبار جم اقتدار کے ساتھ نسبت قرار پائی۔ پھر کیا تھا طرفین سے تیاریان ہونے لگین۔ اب شوق کی اسدرجہ افزائیش ہے کہ جی چاہتا ہے سب جمع جتھا لٹا دین آنکھ بند کر کے خرچنے لگین ایک نے اسّی ہزار روپیہ قرض لئے۔ دوسرے نے تعلقے کے کوڑی کئے دونون لنگوٹی پر سہاگ کھیلنے لگے۔ جوڑے بنے۔ خدمتگارون ماماؤن چھیلون نوکرون چاکرون نے بیش بہا جوڑے پھڑکائے خوب انعام و خلعت پائے۔ برات کے دن بڑے کروفر سے برات سجی گئی۔ دونون طرف خوب ٹھاٹھ تھے ؎

الماس کے دان تھے چہار خانوس — یان جلوہ فروش تخت طاؤس
مہتاب سے چاندنی کا دان فرش — یان چرخی سے چرخ ہین سر عرش
گلگون تھا کسی کا باد رفتار — گل رنگ کسی کا تھا ہوا دار
ہاتھی تھے تو مستیون کی دہت تھی — گھوڑے تھے تو چابکی کی لت تھی
وہ ماہ کہ تھا سوار شبدیز — تھا پا برکاب شوق مہمیز

سب سے پہلے نشان کا ہاتھی شب رنگ مست صورت دیکھئے انسان ڈر جاے۔ اُسکے بعد بڑی دور تک جلوس کی بہار اور سانڈنیون کی قطار تھی۔ عربی۔ ترکی۔ تازی۔ ویلا کیپ۔ انواع و اقسام کے رہوار باد رفتار خوشخرام و تیز گام ساز دار سجے سجائے پرے کے پرے جماے چاندی کا گہنا پہنے دلہن کی ایسی صورت بناے چھم چھم کرتے چمکتے جاتے ہین۔ آرایش کے لخت بڑے صناعان چابکدست کے بناے ہوے لطف جلوس دوبالا کرتے تھے معلوم ہوتا تھا گلزار ارم کے پھول پھولے ہین۔ سرو بنایا تو نقل کو اصل کر دکھایا۔ چانڈو بازون کا تخت قابل دید تھا۔ کوئی نشے

مین جھوم رہا ہے۔ کوئی نے کو چوم رہا ہے۔ کوئی گرمٹ تھامے غین ہے۔ کوئی کنارا چوستا ہے۔ بعینہ چانڈو خانے کی تصویر کھینچدی۔ جزیرے کا پتلی کا تخت۔ رہس منڈل دیکھنے سے دلکو سرور حاصل ہوتا تھا۔ سوارون کا تخت ستم ڈھاتا تھا۔ سوار خاکی وردیان پہنے کرچ لٹکائے گھوڑے کی باگ اُٹھائے دہاوا بولا ہی چاہتے ہین۔ قدم قدم پر آتشبازی چھوٹ رہی ہے۔ انار آسمان کی خبر لاتے ہین۔ پھلجھڑی کی تعریف مین اچھے اچھے آتش زبانون کی زبان لال ہے۔ چرخی کا چکر دکھلا عقل چرخ تھی۔ کامل فن آتشبازون نے بڑی دلسوزی سے آتشبازی بنائی تھی انار سے تختہ زمردین نظر آتا تھا۔ باجے والون کی جماعت دہل کی دھوم۔ تماشائیون کا ہجوم گورون کی لال لال وردیون سے گل لالہ کھلا تھا۔ تلنگون کی کالی کالی کرتیون سے حاسدون کا منہ کالا تھا۔ ایک سمت چوبدار عصائے نقرئی لئے پگڑیان جمائے گھوم رہے تھے۔ دوسری سمت خاص بردار رنگین جھنڈیان اُٹھائے پھرتے تھے۔ رئیس شریف عمائد لاتعد و غیر محدود تھے۔ جملہ سامان لطف و مذاق موجود تھے۔ نوشہ حسین و مہ جبین خلعت بیش بہا زیب تن کئے بصد طنطنہ و دبدبہ گلگون خوش عنان پر سوار تھا۔ گھوڑا ایسا شائستہ کہ دودھ پیتا بچہ تک سوار ہو جائے۔ پاؤن کی مہدی نے دلہن بنا دیا تھا۔

نوشہ کے گھوڑے کے بعد کئی ہاتھی تھے۔ مکنا اور ایک دنتا اور دُم کٹا اور پاٹھا۔ اُنیس دس دس بارہ بارہ چودہ چودہ برس کے لڑکے سوار تھے۔ الغرض خوب چکر کھا کر اور سوتون کو جگا کر برات دلہن کے مکان سے تھوڑی ہی دور پر تھی کہ آتشبازی سے ایک ہاتھی بھڑکا۔ دوسرے نے اُسکا ساتھ دیا۔ فیلبان لاکھ تدبیرین کرتا ہے۔ آنکس لگاتا ہے۔ مگر وہ بری دہت میل ایک نہین سُنتے۔ تیسرا ہاتھی لپکا تو ایک بوڑھیا کچل گئی۔ ایک نیشاخہ والا پس گیا۔ دس دُکانین تہ و بالا ہو گئین۔ گھبراہٹ اور بدحواسی سے پندرہ بیس آدمی زخمی ہوئے اتنے مین آرائش لٹنے لگی۔ ہلڑ ہو گیا۔ برقندازون کی ایک نہین چلتی۔ آدھے تخت لٹ گئے چھڑ ٹوپیان اُتر گئین۔ تین لڑکون کا زیور اُچکون نے ہتھیا لیا۔ ایک کا کان کٹ گیا۔

چلو ناک تو بچی مبارک - بارے خدا خدا کرکے دلہن کے مکان پر برات پہونچی ؎

در تک جو برات ادہر سے آئی — کی سب نے اُدہر سے پیشوائی
باران گلاب و بارش گل — ہو کر بڑہے آگے با تجمل
قلیان پیے مشک بو دہوان دہار — بیڑے چبکے پان کے مزیدار
جب عقد کی اُنکی ساعت آئی — دو رشتون مین اک گرہ لگائی

میان آزاد گھنٹون یہ کیفیت چپکے چپکے دیکھا کیے اور یہ سوچنے لگے کہ اسقدر زر کثیر بے وجہ بلا سبب مفت بیکار ضایع ہوا - اور ہزارون روپیہ غارت کیے - اگر یہی زر خطیر امور رفاہ عام اور فائدہ انام مین صرف ہوتا تو سبحان اللہ - افسوس صد افسوس کہ ہندی اس ارائش پر لٹو ہین ہمنے کہین سنا نہین کہ اس فضول دہوم دہام سے کسی ملک کو فائدہ پہونچا ہو - ؎

ادہار کا کٹکا حشم و جاہ مین ہے — بھاگو بھاگو کہ خود بس راہ مین ہے
جاگو جاگو یہ خواب غفلت کیا — دیکھو دیکھو اجل کمینگاہ مین ہے

ایسی براتین یہ دہوم یہ رسوم مذموم درد انگیز حسرت خیز ہین - مگر اہل ہندان ہی کے ہاتھ بک گئے ہین - یہ اسی کو بڑا عروج سمجھتے ہین کہ تمام عمر کی آمدنی ایک برات کی نذر کردین - دو گھڑی کی واہ وا - اسکے بعد حال تباہ - عیاذاً باللہ - شادی کو غم سے مبدل کرنا کون دانائی ہے - لیکن حیف صد حیف کہ ہم ان امور پر نظر نہین ڈالتے -

مرزا محمد رفیع سودا

پیدائش دلّی ۱۱۲۵ھ — وفات لکھنؤ ۱۱۹۵ھ

سودا تخلص۔ مرزا محمد رفیع نام۔ شہر دہلی کو انکے کمال سے فخر تھا۔ ان کے باپ مرزا محمد شفیع میرزایان کابل سے تھے۔ بزرگونکا پیشہ سپہگری تھا۔ مرزا محمد شفیع بطریق تجارت وارد ہندوستان ہوئے ہند کی خاک دامنگیر نے ایسے قدم پکڑے کہ یہین رہے۔

سودا ۱۱۲۵ھ ہجری مین دہلی مین پیدا ہوئے اور دہین پرورش اور تربیت پائی۔ کابلی دروازہ کے علاقہ مین انکا گھر تھا۔ بموجب رسم زمانہ پہلے سلیمان قلی خان وداد کے پھر شاہ حاتم کے شاگرد ہوئے۔ خان آرزو کے شاگرد نہ تھے مگر ان کی صحبت سے فائدے بہت حاصل کئے۔ چنانچہ پہلے فارسی شعر کہا کرتے تھے۔ خان آرزو کے فہمایش سے اُردو زبان مین شعر کہنے لگے۔ طبیعت کی مناسبت اور مشق کی کثرت سے دلی جیسے شہر مین انکی استادی نے خاص و عام سے اقرار لیا کہ انکے سامنے ہی انکی غزلین گھر گھر اور کوچہ و بازار مین خاص و عام کی زبانون پر جاری تھین۔

جب کلام کا شہرہ عالمگیر ہوا تو شاہ عالم بادشاہ اپنا کلام اصلاح کے لئے دینے لگے۔ مرزا بڑے نازک مزاج اور نہایت غیور تھے۔ ایک دن کسی بات پر بادشاہ سے ناراض ہوگئے ہرچند بادشاہ نے بلوایا نہ گئے۔ دہلی کے اکثر اُمرا خصوصًا مہربان خان وبسنت خان انکی بڑی قدر کرتے تھے۔ فارغ البالی سے بسر ہوتی تھی۔

جب انکے کلام کا شہرہ لکھنؤ تک پہونچا تو نواب شجاع الدولہ نے کمال اشتیاق سے خط لکھکر خرچ سفر بھیجا اور طلب کیا۔ انھین دلی چھوڑنا گوارا نہ ہوا جواب مین فقط اس رباعی پر حسن معذرت کو ختم کیا۔

سودا پئے دنیا تو بہر سو کب تک — آوارہ ازین کوچہ بآن کوکب تک
حاصل یہی اس سے کہ دنیا ہووے — بالفرض ہوا یون بھی تو پھر تو کب تک

کئی برس کے بعد وہ قدردان مرگئے۔ زمانے بدل گئے۔ سودا بہت گھبرائے ساٹھ پینسٹھ

برس کی عمر مین انکو دلی چھوڑنا پڑا۔ چندروز فرخ آباد مین نواب بنگش کے پاس رہے وہانسے لکھنؤ پہونچے نواب شجاع الدولہ کی ملازمت حاصل کی۔ وہ بہت اعزاز سے ملے اور انکے آنے پر کمال خورسندی ظاہر کی۔ لیکن یا تو بے تکلفی سے یا طنز سے اتنا کہا کہ مرزا وہ رباعی تمھاری ابتک میرے دل پر نقش ہے اور اُسی کو مکرر پڑھا۔ انھین اپنے حال پر بڑا رنج ہوا۔ اور بپاس وضعداری پھر دربار نہ گئے یہانتک کہ شجاع الدولہ مرگئے۔ نواب شجاع الدولہ کے بعد اُنکے بیٹے نواب آصف الدولہ نے چھ ہزار روپیہ وظیفہ مقرر کردیا اور نہایت عزت سے اُنکو رکھا۔ تقریباً ۷۰ برس کی عمر مین ۱۱۹۵ھ مین وہین انتقال کیا۔

سودا۔ اُردو کے مسلم الثبوت استاد ہین۔ انھون نے تقریباً تمام اصناف سخن مین طبع آزمائی کی ہے۔ مگر اردو مین قصائد کا کہنا اور پھر اس دھوم دھام سے اعلیٰ درجۂ فصاحت وبلاغت پر پہونچانا انکا پہلا فخر ہے۔ وہ اس میدان مین فارسی کے نامی شہسوارون کے ساتھ عنان درعنان ہی نہین گئے بلکہ اکثر میدانون مین آگے نکل گئے ہین۔ انکے کلام کا زور وشور انوری اور خاقانی کو دباتا ہے۔ اور نزاکت مضمون مین عرفی وظہوری کو شرماتا ہے۔

مرزا کے کلام کے خصوصیات ۔ زبان پر حاکمانہ قدرت رکھتے ہین۔ کلام کا زور مضمون کے نزاکت سے ایسا دست وگریبان ہے جیسے آگ کے شعلہ مین گرمی اور روشنی۔ بندش کی چستی اور ترکیب کی درستی سے لفظونکو اس دردیت کے ساتھ پہلو بہ پہلو جڑتے ہین گویا ولایتی طپنچہ کی چانپین جڑی ہوئی ہین۔ اور یہ خاص انکا حصہ ہے۔ خیالات نازک اور مضامین تازہ باندھتے ہین۔ تشبیہ اور استعارے بھی انکے کلام مین ہین مگر اتنے جیسا کھانے مین نمک۔ انکی طبیعت ایک ڈھنگ کی پابند نہ تھی نئے نئے خیال اور قافئے جس پہلو سے جمتے دیکھتے جما دیتے تھے جن اشخاص نے زبان اُردو کو پاک صاف کیا ہے مرزا کا انھین پہلا نمبر ہے۔ انھون نے فارسی محاورون کو بھاشا مین کھپا کر ایسا ایک کیا ہے جو کہین سے جدا نہین معلوم ہوتے۔ ہندی زبان کو فارسی محاورون اور استعارون سے نہایت زور بخشا۔ انھین کا زور طبع تھا کہ جسکی نزاکت سے دو زبانین ترکیب پاکر تیسری زبان پیدا ہوگئی۔ اور ایسی قبولیت عام حاصل ہوئی کہ آئندہ کے لئے وہی ہندوستان کی زبان ٹھہری جس نے حکام کے دربارون اور علوم کے خزانون پر قبضہ کرلیا۔

مرزا قصیدے کے بادشاہ ہین مگر غزل مین میر کے برابر سوز وگداز نہین تصوف انکا حصہ نہین وہ درد کی جگہ کا مضمون ہے۔

قصیدہ - ۱

اُٹھ گیا بہمن و دی کا چمنستان سے عمل
تیغ اردی نے کیا ملک خزان مستاصل

سجدۂ شکر مین ہے شاخ ثمردار ہر ایک
دیکھ کر باغِ جہان مین کرم عزوجل

قوتِ نامیہ لیتی ہے نباتات کا عرض
ڈال سے بات نلک پھول سے لیکر تا پھل

واسطے خلعتِ نوروز کے ہر باغ کے بیچ
آب جو قطع لگے کرنے روش پر مخمل

بخشتی ہے گلِ نورستہ کی رنگ آمیزی
پوششِ چھیٹ قلمکار بہر دشت و جبل

عکس گلبن یہ زمین پر ہے کہ جسکے آگے
کار نقاشیِ مانی ہے دوم وہ اول

تار بارش مین پروتے ہین گہر ہائے تگرگ
ہار پہنانے کو اشجار کے ہر سو بادل

بار سے آب روان عکس ہجوم گل کے
لوٹے ہے سبزہ پہ از بس کہ ہوا ہے بیکل

شاخ مین گل کے نزاکت یہ بہم ہے پہونچی
شمع سان گرمیِ نظارہ سے جاتی ہو بگل

جوش روئیدگیِ خاک سے کچھ دور نہین
شاخ مین کاد زمین کے ہے جو پھوٹی کونپل

دمِ عیسیٰ سے فزون فیض ہوا ہی بان تک
دین مین قسم جمادات سے شاہد ہو خلل

فکر رہتی ہے مجھے یہ کہ زبان سے اپنے
کہین دعوائے خدائی نہ کرین لات و ہبل

حدا یام کی پیش از مدد نامیہ سے
بچۂ مرغ چمن تخم سے آتا ہے نکل

سبز ہوتا ہے فصیحی کے سبب سے ہر بار
جو زبان سے سخن اب طوطی کے آتا ہے نکل

دست گل خوردہ و شاخ گل و گلزار بہم
بہمان نشو و نما کرنے مین ہین ضرب مثل

غنچہ پہ کچھ نہین موقوف عجب فصل ہے یہ
گل بہم پہونچے ہے عقدہ ہو کسی طرح کا حل

آوے ہے اُنکے نظر لاکھ طرح کا وہ پھول
اُن گلون چھٹ جو نگہ کے ہین صدا مستعمل

یاسمن رنگ جو رکھتی ہے خزان سے مانا
چاہتی ہے بسماجت کرے سبزی سے بدل

چشم نرگس کی بصارت کے زبس ہی درپے
غنچۂ لالہ نے سرمہ سے بھری ہے کحل

اسقدر محو تماشا ہے کہ نرگس کی طرح
چشم سیار گلستان مین جھپکتی نہین پل

آب جو گرد چمن لمعۂ خورشید سے ہے
خطِ گلزار کے صفحہ پہ طلائی جدول

سایۂ برگ ہے اس لطف سے ہر اک گل پر
ساغرِ لعل مین جون کیجے زمرد کو حل

رنگ نے رتبۂ آئینہ کیا ہے پیدا
تیغ کُہسار ہوئی بس کہ ہوا سے صیقل

برگ برگِ چمن ایسی ہی صفا رکھتا ہے
گل کو دیکھو تو نگہہ جا رہے سُنبل پہ پھسل

لڑکھڑاتی ہوئی پھرتی ہے خیابان مین نسیم
پانون رکھتی ہے صبا صحن مین گلشن کی سنبھل

اتنی ہے کثرتِ لغزش بزمینِ ہر باغ
جو ثمر شاخ سے اترا سو گرا سر کے بل

فیض تاثیر ہوا یہ ہے کہ اب حنظل سے
شہد ٹپکے جو لگے نشترِ زنبورِ عسل

دانہ جس شور زمین سے نہ پھلا دہقان سے
سبزہ دانہ شبنم سے ہوا ہے جنگل

کشت کرنے مین ہر اک تخم سے از فیض ہوا
گرتے گرتے بزمین برگ و بر آتا ہے نکل

جوہری کو چمنستان جہان مین اس فصل
آگیا لعل و زمرد کے پرکھنے مین خلل

تا کجا شرح کرون مین کہ بقولِ عرفی
اخگر از قبض ہوا سبز شود در منقل

قصیدہ ۲

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹی شیخ سے زنار تسبیحِ سلیمانی

ہنر پیدا کر اول ترک کیجو تب لباس اپنا
نہو جون تیغ بے جوہر وگرنہ ننگ عریانی

فراہم زر کا کرنا باعثِ اندوہ دل ہووے
نہین کچھ جمع سے غنچہ کو حاصل جز پریشانی

خوشامد کب کرین عالی طبیعت اہل دولت کی
نہ جھاڑے آستینِ کہکشان شاہونکی پیشانی

عروج دست ہمت کو نہین ہے قدر بیش و کم
ہما خورشید کی جگ پر مساوی ہے ز رافشانی

کرے ہے کلفتِ ایام ضائع قدر مردونکی
ہوئی جب تیغ زنگ آلودہ کم جاتی ہی پہچانی

اکیلا ہو کے رہ دنیا مین گر چاہے بہت جینا
ہوئی ہے فیض تنہائی سے عمرِ خضر طولانی

اذیت وصل مین دونی جدائی سے ہو عاشق کو
بہت رہتا ہے نالان فصل گل مین مرغ بستانی

موقر جان ارباب ہنر کو ہے لباسی مین
کہ ہو جو تیغ یا جوہر اُسے عزت ہے عریانی

برنگ کوہ رہ خاموش حرف ناسزا سنکر
کہ تا بد کو صدائے غیب سے کھینچے پشیمانی

یہ روشن ہے برنگ شمع ربط باد و آتش سے
موافق گر نہ ہووے دوست ہو وہ دشمن جانی

نہین غیر از ہوا کوئی ترقی بخش آتش کا
نفس جبتک ہے داغ دل سے فرصت کیونکہ ہو پانی

کرے ہے دہر زینت ظالمون پر تیرہ روزی کو
کہ زیب ترک چشم یار سرمہ ہے صفاہانی

طلوع مہر ہو پامال حسرت آسمان اوپر
لکھونگا پھر غزل کر اس زمین مین مطلع ثانی

عجب نادان ہین جنکو عجب ہے تاج سلطانی
فلک بال ہما کو پل مین سونپے ہے مگس رانی

نہین معلوم اُن نے خاک مین کیا کیا ملا دیکھا
کہ چشم نقش پا سے تا عدم نکلی نہ حیرانی

ہماری آہ دل تر انہ فرماوے تو یا قسمت
وگرنہ دیکھ آئینہ کو پتھر ہو گئے پانی

تری زلفون سے اپنی روسیاہی کہہ نہین سکتا
کہ ہے جمعیت خاطر مجھے اُن کی پریشانی

زمانہ مین نہین کھلتا ہے کار بستہ حیران ہون
گرہ غنچے کی کھولے ہے صبا کیونکر بآسانی

جون سے با قد سے سرتا قدم کاہیدہ اتنا ہون
کہ اعضا دیدہ رنجیر کی کرتے ہین مژگانی

نہ رکھا جگ مین رسم دوستی اندوہ روزی نے
مگر زانو سے اب باقی رہا ہے ربط پیشانی

سیہ بختی مین اے سودا نہین طول امل لازم
نمط خامی کی سر کٹوائیگی ایسی زبان دانی

سمجھ اے ناقباحت فہم کبتک یہ بیان ہوگا
ادائے چین پیشانی و لطف زلف طولانی

خدا کے واسطے باز آ تو اب ملنے سے خوبان کے
نہین ہے اُنسے ہرگز فائدہ غیر از پشیمانی

نظر رکھنے سے حاصل اُنکے چشم و زلف کے اوپر
مگر بیمار ہووے صعب یا کھینچے پریشانی

غزلیات

مقدور نہین اُسکی تجلی کے بیان کا
جون شمع سراپا ہو اگر صرف زبان کا

پردے کو تعین کے درِ دل سے اُٹھا دے
کھلتا ہے ابھی پل مین طلسمات جہان کا

ٹک دیکھ صنم خانۂ عشق آنکے اے شیخ
جون شمع حرم رنگ جھلکتا ہے بتان کا

اس گلشنِ ہستی مین عجب دید ہے لیکن
جب چشم کھلی گُل کی تو موسم ہے خزان کا

دکھلایئے لیجا کے تجھے مصر کا بازار
لیکن نہین خواہان کوئی وان جنس گران کا

سودا جو کبھی گوش سے ہمت کے سنے تو
مضمون یہی ہے جرسِ دل کی فغان کا

ہستی سے عدم تک نفسِ چند کی ہے راہ
دنیا سے گذرنا سفر ایسا ہے یہان کا

۲

کرتا ہون سیر جب سے باغِ جہان بنایا
کیا جانے گل خدا نے تجھ سا کہان بنایا

اک نام تو سنا ہے دیکھا نہین کسو نے
حق نے نشانِ عنقا تیرا وہان بنایا

جتنے ہین خوبرویان سب دلستان ہین لیکن
اللہ نے تجھی کو اک جان ستان بنایا

جنسِ دُوم کو اول بزاز کھولتا ہے
یوسف سے تو بہا مین تجکو گران بنایا

صدقے مین تیرے یارب ہم سون کو کرکے پیدا
گلے کا آپ کو تین اک پاسبان بنایا

دیر و حرم کو دیکھا اللہ رے فضولی
یہ کیا ضرور تھا جب دل کا مکان بنایا

تو مت پکار اُس کو اے باغبان کہ ہمنے
نزدیک آتشِ گل آپ آشیان بنایا

عالم کے قمری آسا ہے طوق بندگی کا
قامت کو تیرے جب سے سرو روان بنایا

اکثر نشان بنتے ہین عالم مین نام خاطر
تو نے سخن کو سودا اپنا نشان بنایا

۳

اعمال سے مین اپنے بہت بے خبر چلا
آیا تھا آہ کس لئے اور کیا مین کر چلا

ہے فکر وصل صبح تو اندوہ ہجر شام
اس روز و شب کے دھندے مین اب تو مر چلا

مجلس سے مجکو اُٹھتے جلیسونکے سامنے
عزت کبھو نہ دی یہ کہ پوچھے کدھر چلا

کیا اس چمن مین آن کے لیجائیگا کوئی
دامن کو میرے سامنے گل جھاڑ کر چلا

۴

سیرِ چمنِ عمر جو کی ہمنے تو کیا ہیچ
رنگین ہے جوانی کا گل اسمین سو بقا ہیچ

شیشے کو بھی توڑو تو نکلتی ہے اک آواز
عاشق ہی کا وہ دل ہے کہ ٹوٹے تو صدا ہیچ

اسبابِ جہان دل نے کیا جب نظر انداز
پوچھا جو مین کیا دیکھے ہے دیوانے کہا ہیچ

اس جامہ پہ اتنا نہ اچھر بلبلے کی طرح
جامہ یہ تیرا پوچ ہے تو غیر ہوا ہیچ

کیا قافلۂ عمر سبک رو ہے کہ جس مین
چاہے جو سنے سامعہ آواز درا ہیچ

شاہان سے سوال اپنا رعونت شکنی ہے
کونین تلک ورنہ ہے پیشِ فقرا ہیچ

۵

دلِ ناآشنائے نالہ سے صد رہ جرس بہتر
نہو مژگان جو خون آغشتہ اُنسے خار و خس بہتر

نہ دیکھی خوشدلی جز یک تبسم ہمنے غنچے مین
ہوا سے اس چمن کے ہے دلا ترکِ ہوس بہتر

وفائے گل مین نے چشمِ مروت باغبانمین ہے
نکل بلبل کہ ہے اس باغ سے کنجِ قفس بہتر

نظر مین انکے جنکو دولت استغنائی بخشی ہے
مگس سے ہے ہما بہتر ہما سے ہے مگس بہتر

بلند آتش جہان ہوئے ہوائے جنبشِ لب سے
تو اپنی فہم ناقص مین ہے وان ضبطِ نفس بہتر

بگردِ دل ہے طوفِ کعبہ سے نزد اپنے اے منعم
بسانِ دانہائے سبحہ پھرتا پیش و پس بہتر

کہے ہے دیکھ کر شانے کو یہ سودائی دیوانہ
شبِ تاریک مین تنہا نہین گشت ای عسس بہتر

۶

جاتے ہین لوگ قافلہ کے پیش و پس چلے
دنیا عجب سرا ہے جہان آکے بس چلے

کہیو صبا سلام ہمارا بہار سے
ہم تو چمن کو چھوڑ کے سوئے قفس چلے

اے غنچہ آنکھ کھول کے ٹک تو چمن کو دیکھ
جمعیتِ دلی پہ ترے پھول ہنس چلے

تیرے سخن کو مین بسر و چشم ناصحا
مانون ہزار بار اگر دل سے بس چلے

نکلا جو دل سے نالہ تو سینے سے دوڑی اشک
سُن مردمان قافلہ بانگ جرس چلے

صیاد اب تو کیجے قفس سے ہمین رہا — ظالم پھڑک پھڑک کے پر و بال گھس چلے
کام اُس گلی مین سر سے یہ سودا گذر چکا — کیا تاب اک قدم جو اُدھر بوالہوس چلے

خواجہ میر درد

پیدائش دہلی ۱۱۳۱ھ — وفات دہلی ۱۱۹۹ھ

درد تخلص۔ خواجہ میر نام۔ زبان اردو کے چار رکنون مین سے ایک رکن ہین۔ خواجہ محمد ناصر عندلیب انکے باپ تھے اور شاہ گلشن صاحب سے نسبت ارادت رکھتے تھے خاندان انکا دلی مین بباعث پیری و مریدی کے نہایت معزز اور معظم تھا۔ علوم رسمی سے آگاہ تھے۔

انکا دیوان اردو مشتمل ہے سو اغزلیات اور ترجیع بند اور رباعیون کے اور کچھ نہین۔ قصائد مثنوی وغیرہ کہ عادت شعرا کی ہے انھون نے نہین لکھی۔ باوجود اسکے سودا اور میر تقی کی غزلون پر جو غزلین لکھی ہین برگزان سے کم نہین۔

تصنیف کا شوق طبیعت مین خداداد تھا علم تصوف مین بہت سے رسالے اور بڑی بڑی کتابین انکی یادگار ہین۔ انکی غزل ۷ شعر ۹ شعر کی ہوتی ہے مگر انتخاب ہوتی ہے۔ خصوصاً چھوٹی چھوٹی بحرون مین جو اکثر غزلین کہتے تھے گویا تلوارون کی آبداری نشتر مین بھر دیتے تھے۔ خیالات انکے سنجیدہ اور متین تھے۔ کسی کی ہجو سے سودا کی طرح انکی زبان آلودہ نہین ہوئی۔ تصوف جیسا انھون نے کہا اردو مین آجتک کسی سے نہین ہوا۔

خواجہ صاحب ۲۴ صفر یوم جمعہ ۱۱۹۹ھ ۶۸ برس کی عمر مین شہر دہلی مین فوت ہوئے۔

کسی مرید با اعتقاد نے تاریخ کہی۔ ع حیف دنیا سے سدھارا وہ خدا کا محبوب۔

غزلیات

مقدور ہمین کب تری وصفونکے رقم کا — حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا
اُس مسند عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہے — کیا تاب گذر ہووے تعقل کے قدم کا

بستے ہین ترے سایۂ ہما سے شیخ و برہمن
آیا وہ تجھی سے تو ہے گھر دیر و حرم کا

ہے خوف اگر جی مین تو ہے تیرے غضب سے
اور دل مین بھروسا ہے تجھے تیرے کرم کا

مانند حباب آنکھ تو اے درد کھلی تھی
کھینچا نہ پر اس بحر مین عرصہ کوئی دم کا

۲

مدرسہ یا دیر تھا یا کعبہ یا بتخانہ تھا
ہم سبھی مہمان تھے وان تو ہی صاحبخانہ تھا

وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

حیف کہتے ہین ہوا گلزار تاراجِ خزان
آشنا اپنا بھی وان اک سبزۂ بیگانہ تھا

ہو گیا مہمان سرائے کثرتِ موہوم آہ
وہ دل خالی جو تیرا خاص خلوتخانہ تھا

بھول جا خوش رہ عبث وہ سابقہ مت یاد کر
درد یہ مذکور کیا ہے آشنا تھا یا نہ تھا

۳

اکسیر پر مہوس اتنا نہ ناز کرنا
بہتر ہے کیمیا سے دلکا گداز کرنا

کب دل ملے کسیکا ہم غمزدون سے کھلکر
ہے اپنے دل سے لازم جون غنچہ ساز کرنا

اے آنسوؤ نہ آوے کچھ دلکی بات منھ پر
لڑکے ہو تم کہین مت افشائے راز کرنا

تو اپنے ہاتھون آپ ہی پڑتا ہے تفرقہ مین
اے امتیاز نادان ٹک امتیاز کرنا

ہم جانتے نہین ہین ای درد کیا ہی کعبہ
جیدھر ملے وہ ابرو اودھر نماز کرنا

۴

مثلِ نگین جو ہمسے ہوا کام رہ گیا
ہم روسیاہ جاتے رہے نام رہ گیا

یارب یہ دل ہے یا کوئی مہمانسرائے ہے
غم رہ گیا کبھو کبھو آرام رہ گیا

ساقی مرے بھی دل کیطرف ٹک نگاہ کر
لب تشنہ تیری بزم مین یہ جام رہ گیا

سو بار سوز دل نے ہے دی آگ پر ہنوز
دل وہ کباب ہے کہ جگر خام رہ گیا

ہم کب کے چل بسے تھے پہ ای مژدۂ وصال
کچھ آج ہوتے ہوتے سرانجام رہ گیا

از بسکہ ہم نے حرف دوئی کا اُٹھا دیا
اے درد اپنے وقت مین ایہام رہ گیا

۵

جگ مین آکر اِدھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
جان سے ہو گئے بدن خالی
جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا
نالہ فریاد آہ اور زاری
آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا
اُن لبون نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا
زور عاشق مزاج ہے کوئی
درد کو قصہ مختصر دیکھا

۶

اگر یون ہی یہ دل ستاتا رہیگا
تو اک دن مرا جی ہی جاتا رہیگا
مین جاتا ہون دلکو تری پاس چھوڑے
مری یاد تجکو دلاتا رہیگا
گلی سے ترے دلکو لے تو چلا ہون
مین پہونچونگا جبتک یہ آتا رہیگا
جفا سے غرض امتحانِ وفا ہے
تو کہہ کب تلک آزماتا رہیگا
قفس مین کوئی تمسے اے ہمصفیرو
خبر گل کی ہم کو سناتا رہیگا
خفا ہو کے اے درد مر تو چلا تو
کہان تک غم اپنا چھپاتا رہیگا

۷

دنیا مین کون کون نہ یکبار ہو گیا
پر منھ پھرا اس طرف نہ کیا اُسنے جو گیا
پھرتی ہے میری خاک صبا در بدر لئے
اے چشم اشکبار یہ کیا تجکو ہو گیا
آگاہ اس جہان سے نہین غیر بیخودان
جاگا وہ ہی اُدھر سے جو موند آنکھ سو گیا
طوفان نوح نے تو ڈبائی زمین فقط
مین ننگ خلق ساری خدائی ڈبو گیا
واعظ کسے ڈرائے ہے یوم الحساب سے
گریہ مرا تو نامۂ اعمال دھو گیا
پھولیگی اس زبان سے گلزار معرفت
یان مین زمین شعر مین یہ تخم بو گیا

آیا نہ اعتدال پہ ہرگز مزاج دھر — مین گرچہ گرم و سرد زمانہ سمو گیا
اے درد جسکی آنکھ کھلی اس جہان مین — شبنم کی طرح جان کو اپنے وہ رو گیا

۸

تجھی کو جو یان جلوہ فرما نہ دیکھا — برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا
مرا غنچۂ دل ہے وہ دل گرفتہ — کہ جسکو کسو نے کبھو وا نہ دیکھا
یگانہ ہے تو آہ بیگانگی مین — کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا
اذیت مصیبت ملامت بلائین — ترے عشق مین ہم نے کیا کیا نہ دیکھا
کیا مجکو داغون سے سرو چراغان — کبھو تو نے آکر تماشا نہ دیکھا
تغافل نے تیرے یہ کچھ دن دکھائی — اِدھر تو نے لیکن نہ دیکھا نہ دیکھا
جوابِ رخِ یار تھے آپ ہی ہم — کھلی آنکھ جب کوئی پروانہ دیکھا
شب و روز اے درد درپے ہون اُسکے — کسو نے جسے یان نہ سمجھا نہ دیکھا

۹

جون نورِ نظر ترا تصور — تھا پیشِ نظر جدھر گئے ہم
جز اہل صفا بتا تو جون عکس — اے آئینہ کس کے گھر گئے ہم
کسنے یہ ہمین بھلا دیا ہے — معلوم نہین کدھر گئے ہم
تھا عالمِ جبر کیا بتاوین — کس طور سے زیست کر گئے ہم
جس طرح ہوا اُسی طرح سے — پیمانۂ عمر بھر گئے ہم
افسوس کہ درد اُسکو جب تک — ہووے ہے خبر گذر گئے ہم

۱۰

کچھ لائے نہ تھے کہ کھو گئے ہم — تھے آپ ہی ایک سو گئے ہم
جون آئینہ جس پہ یان نظر کی — ساتھ اپنے دوچار ہو گئے ہم

ماتم کدۂ جہان مین جون ابر — اپنے تئین آپ رو گئے ہم
ہستی نے تو ٹک جگا دیا تھا — پھر کھلتے ہی آنکھ سو گئے ہم
یارون ہی سے درد ہے یہ چرچا — پھر کوئی نہین ہے جو گئے ہم

۱۱

چمن مین صبح یہ کہتی تھی ہو کر چشم تر شبنم — بہارِ باغ تو یون ہی رہی لیکن کدھر شبنم
عرق کی بوند اس کی زلف سے رخسار پر ٹپکی — تعجب کی ہے جاگہ یہ پڑی خورشید پر شبنم
ہمین تو باغ تجھ بن خانۂ ماتم نظر آیا — ادھر گل پھاڑتے تھے جیب روتی تھی اُدھر شبنم
کرے ہے کچھ سے کچھ تاثیر صحبت صاف باطن کی — ہوئی آتش سے گل کے بیٹھتے رشکِ شرر شبنم
بھلا ٹک صبح ہونے دو اسے بھی دیکھ لیوینگے — کسی عاشق کے رونے سے نہین رکھتی خبر شبنم
نہین اسباب کچھ لازم سبکسارونکے اُٹھنے کو — گئی اُڑ دیکھنے اپنے بغیر از بال و پر شبنم
نہ پایا جو گیا اس باغ سے ہرگز سراغ اُسکا — نہ پلٹی پھر صبا ادھر نہ آئی پھر نظر شبنم
نہ سمجھا درد ہمنے بھیدیان کی شادی و غم کا — سحر خندان ہے کیون روتی ہے کسکو یاد کر شبنم

۱۲

گلیم بخت سیہ سایہ دار رکھتے ہین — یہی بساط مین ہم خاکسار رکھتے ہین
بسانِ کاغذِ آتش زدہ مرے گلرو — ترے جلے بھنے اور ہی بہار رکھتے ہین
بلا ہے نشۂ دنیا کہ تا قیامت آہ — سب اہل قبر اسیکا خمار رکھتے ہین
جہان کے باغ سے ہم دل سوا پھل پایا — فقط یہی ثمر داغدار رکھتے ہین
ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کرین تجھپر — مگر یہ زندگیِ مستعار رکھتے ہین
فلک سمجھ تو سہی ہمسے اور گلو گیری — یہ ایک جیب ہے سوتا تار رکھتے ہین
نہ برق ہین نہ شرر ہم نہ شعلہ نے سیلاب — وہ کچھ ہین پر کہ سدا اضطرار رکھتے ہین
جنھونکے دلمین جگہ کی ہے نقش عبرت نے — سدا نظر مین وہ لوحِ مزار رکھتے ہین

وہ زندگی کی طرح ایکدم نہین رہتا — اگرچہ درد اُسے ہم ہزار رکھتے ہین

۱۳

مژگان تر ہون یا رگ تاک بریدہ ہون — جو کچھ کہ ہون سو ہون غرض آفت رسیدہ ہون
کھینچے ہے درد آپ کو میری فسردگی — اُفتادہ ہون یہ سایۂ قد کشیدہ ہون
ہر شام مثل شام ہون مین تیرہ روزگار — ہر صبح مثل صبح گریبان دریدہ ہون
کرتی ہے بوے گل تو مرے ساتھ اختلاط — پر آہ مین تو موج نسیم وزیدہ ہون
یہ چاہتی ہے تو تپشِ دل کہ بعد مرگ — کنج مزار مین بھی نہ مین آرمیدہ ہون
اے درد جا چکا ہے مرا کام ضبط سے — مین عمزدہ تو قطرۂ اشکِ چکیدہ ہون

۱۴

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کرین — دل ہی نہین رہا ہے جو کچھ آرزو کرین
مٹ جائین ایک آن مین کثرت نمائیان — ہم آئینہ کے سامنے جب آکے ہو کرین
تردامنی پہ شیخ ہمارے نہ جا ابھی — دامن نچوڑ دون تو فرشتے وضو کرین
سرتا قدم زبان ہین جون شمع گو کہ ہم — پر یہ کہان مجال جو کچھ گفتگو کرین
ہر چند آئینہ ہون پر اتنا ہون ناقبول — منہ پھیر لے وہ جسکے مجھے روبرو کرین
نہ گل کو ہے ثبات نہ ہمکو ہے اعتبار — کس بات پر چمن ہوسِ رنگ و بو کرین
ہے اپنی یہ صلاح کہ سب زاہدان شہر — اے درد آکے بیعتِ دستِ سبو کرین

۱۵

کیا فرق داغ و گل مین کہ جس گل مین بو نہو — کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل مین تو نہو
جو کچھ کہ ہمنے کی ہے تمنا ملی مگر — یہ آرزو رہی ہے کہ کچھ آرزو نہو
جون شمع جمع ہووین گر اہلِ زبان ہزار — آپس مین چاہیے کہ کبھی گفتگو نہو
جون صبح چاک سینہ مرا اے رفو گران — یان تو کسو کے ہاتھ بھی ہرگز رفو نہو

اے درد رنگ صورت اگر اسمین جا کرے
اہل صفا مین آئینۂ دل کو رو نہو

۱۶

اہل فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے
لوحِ مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے
فارغ ہو بیٹھ فکر سے دونون جہان کے
خطرہ جو ہے سو آئینۂ دل پہ زنگ ہے
حیرت زدہ نہین ہے فقط تو ہی آئینہ
یان تک بھی جسکی آنکھ کھلی ہے سو دنگ ہے
اس ہستی خراب سے کیا کام تھا ہمین
اے نشۂ ظہور یہ تیری ترنگ ہے
گلگیر منھ پسار نہ تو شمع کی طرف
اُسکی زبان ہی اُسے کام نہنگ ہے
عالم سے اختیار کی ہر چند صلح کل
پر اپنے ساتھ مجکو شب و روز جنگ ہے
مین کیا کہون تجھے نظر آیا نہین ہی کیا
اس گلشنِ جہان کا جو کچھ کہ ڈھنگ ہے
غنچہ شگفتہ ہووے ہی ہووے کہ اُسمین درد
دیکھا چمن مین جا کے تو کچھ اور رنگ ہے

۱۷

چھاتی پہ گر پہاڑ بھی ہووے تو ٹل سکے
مشکل ہے جی مین بیٹھے سوجی سے نکل سکے
نشو و نما کی کسکو امید اے بہاریان
مین خشک شاخ ہون کہ نہ پھولے نہ پھل سکے
تحریک ہے یہ اُس یدِ قدرت کی ورنہ کب
بے دست و پا صبا سے کوئی پات ہل سکے
مثلِ حباب جبکہ نظر سے گیا گیا
مین وہ غریق ہون کہ ڈوبا اُچھل سکے
گرنے نہ دیوین خلق کی نظرون سے دلکو ہم
کوئی اگر کسو کے سنبھالے سنبھل سکے
روشن ضمیر جتنے ہین عالم مین جون نجوم
چرخ آسیا سے اپنے یہ دانے نہ دل سکے
کرتے عبث ہو شیشہ گران سنگ کو گداز
پگھلائیے جو تمسے کوئی دل پگھل سکے
کہہ اور بھی غزل کوئی پر اس ردیف مین
اے درد قافیہ کو اگر تو بدل سکے

۱۸

ارض و سما کہان تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہان تو سما سکے

وحدت مین ترے حرف دوئی کا نہ آسکے
آئینہ کیا مجال تجھے منھ دکھا سکے

مین وہ فتادہ ہون کہ بغیر از فنا مجھے
نقشِ قدم کی طرح نہ کوئی اٹھا سکے

قاصد نہین یہ کام ترا اپنی راہ لے
اُسکا پیام دل کے سوا کون لا سکے

غافل خدا کی یاد پہ مت بھول دینہار
اپنے تئین بھلا دے اگر تو بھلا سکے

یارب یہ کیا طلسم ہے ادراک فہم یان
دوڑے ہزار آپ سے باہر نہ جا سکے

گو بحث کرکے بات بٹھائی پہ کیا حصول
دل سے اُٹھا خلاف اگر تو اُٹھا سکے

مستِ شراب عشق وہ بیخود ہے جسکو حشر
اے درد چاہے لائے بخود پھر نہ لا سکے

۱۹

تہمتِ چند اپنے ذمے دھر چلے
جس لیے آئے تھے سو ہم کر چلے

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھون مر چلے

کیا ہمین کام ان گلونسے اے صبا
ایک دم آئے ادھر اودھر چلے

دوستو دیکھا تماشا یان کا بس
تم رہو اب ہم تو اپنے گھر چلے

شمع کے مانند ہم اس بزم مین
چشم نم آئے تھے دامن تر چلے

ڈھونڈھتے ہین آپسے اُسکو پرے
شیخ صاحب چھوڑ گھر باہر چلے

ہم جہان مین آئے تھے تنہا ولے
ساتھ اپنے اب اُسے لیکر چلے

جون شرر اے ہستی بے بودیان
بارے ہم بھی اپنی باری بھر چلے

ساقیا یان لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

درد کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب
کس طرف سے آئے تھے کدھر چلے

رباعیات

جلوہ تو ہر اک طرح کا ہر شان مین دیکھا
جو کچھ کہ سُنا تجھ مین سو انسان مین دیکھا

جون غنچہ بجز اک دل صد چاک نہ پایا
منھ ڈال کے جب مین نے گریبان مین دیکھا

۲

دل نالان کو یاد کر کے صبا
اتنا کہنا جہان وہ قاتل ہو
نیم بسمل کوئی کسو کو چھوڑ
اس طرح بیٹھتا ہے غافل ہو

۳

بیگانہ گر نظر پڑے تو آشنا کو دیکھ
بندہ گر آوے سامنے تو بھی خدا کو دیکھ
آہن ہو یا ہو سنگ ہے سب جلوہ گاہ یار
جون آئینہ ہر ایک گذر مین صفا کو دیکھ

۴

یہی پیغام درد کا کہنا
گر کوئی کوے یار مین گذرے
کون سی رات آن ملئے گا
دن بہت انتظار مین گذرے

۵

ہمارے جامۂ تن مین نہین کچھ اور بس باقی
گریبان مین ہے مثل صبح اک تار نفس باقی
یکایک عشق کی آتش کا شعلہ اسقدر بھڑکا
نہ چھوڑا سر زمین دل مین کوئی خار و خس باقی

۶

گر معرفت کا چشم بصیرت مین نور ہے
تو جس طرف کو دیکھئے اسکا ظہور ہے
آتی ہے دل مین اور ہی صورت نظر مجھے
شاید یہ آئینہ بھی کسی کے حضور ہے

۷

پیدا کرے ہر چند تقدس بندہ
مشکل ہے کہ ہو حرص سے دل پر کندا
جنت مین بھی اکل و شرب سے کب ہی نجات
دوزخ کا بہشت مین بھی ہوگا دہندا

۸

پیری چلی اور گئی جوانی اپنی
اے درد کہان ہے زندگانی اپنی

کل اور کوئی بیان کریگا اوسکو　　کہتے ہین اب آپ ہم کہانی اپنی

۹

ہر بت کے لئے کب تئین مرتے رہیے　　کب تک یہ کھرد ل مین بھرتے رہیے
اب درد ہو کچھ کہ زندگی باقی ہے　　اللہ کو اپنے یاد کرتے رہیے

میر محمد تقی میر

پیدایش اکبرآباد ۱۱۲۵ھ　　وفات لکھنؤ ۱۲۲۵ھ

یہ تخلص، محمد تقی نام۔ خلف میر عبداللہ شرفاے اکبرآباد سے تھے۔ باپ کے مرنے کے بعد دلی مین آئے اور سراج الدین علی خان آرزو (جو اُنکے رشتہ دار تھے) کے پاس اُنھون نے اور اُنکی شاعری نے پرورش پائی۔ فن شاعری مین وہ کمال پیدا کیا کہ ہرچند انکا تخلص میر تھا مگر گنجینہ سخن کی بازی مین آفتاب ہو کر چمکے۔ قدردانی نے انکے کلام کو جواہر اور موتیون کے نگاہون دیکھا۔ اور نام کو پھولون کی مہک بنا کر اُڑایا۔ ہندوستان مین یہ بات انھین کو نصیب ہوئی ہے کہ مسافر غزلون کو تحفہ کے طور پر شہر سے شہر مین لیجاتے تھے۔

دلی کی سلطنت کے ۱۱۰۰ کی وجہ سے تنگدستی سے پریشان ہو کر ۱۱۸۰ھ مین لکھنؤ آئے۔ ایک سراے مین اُترے معلوم ہوا کہ آج یہان ایک جگہ مشاعرہ ہے۔ اُسی وقت غزل لکھی اور مشاعرہ مین جا کر شامل ہوئے۔ انکی قدیمانہ وضع کو دیکھکر سب ہنسنے لگے میر صاحب بیچارے غریب الوطن زمانے کے ہاتھ سے پہلے ہی شکستہ دل تھے اور بھی دلتنگ ہوے۔ اور ایک طرف بیٹھ گئے۔ شمع انکے سامنے آئی تو پھر سب کی نظر پڑی۔ اور بعض اشخاص نے پوچھا کہ حضور کا وطن کہان ہے۔ میر صاحب نے فوراً ہی یہ قطعہ کہکر غزل طرحی مین داخل کیا۔

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو　　ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دلی جو ایک شہر تھا عالم مین انتخاب　　رہتے تھے منتخب ہی جہان روزگار کے
اُس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا　　ہم رہنے والے ہیں اُسی اُجڑے دیار کے

سب کو حال معلوم ہوا۔ بہت معذرت کی۔ کمال کے طالب تھے صبح ہوتے ہوتے شہر مین شہرا ہو گیا کہ میر صاحب تشریف لائے۔ رفتہ رفتہ نواب آصف الدولہ مرحوم نے سُنا اور

دو سو روپیہ مہینہ کر دیا۔ لیکن بد دماغی اور نازک مزاجی نے جو انکے ذاتی مصاحب تھے یہان بھی انکا ساتھ نہ چھوڑا۔ ایک دن نواب صاحب سے کسی بات پر بگڑ گئے دربار کا آنا جانا چھوڑ دیا۔ اور بدستور اپنے گھر مین بیٹھے رہے۔ اور فقر و فاقہ مین گذارہ کرتے رہے۔ آخر ۱۲۲۵ھ مین فوت ہوئے۔ سو برس کی عمر پائی۔ ناسخ نے تاریخ کہی ع۔

واویلا مردشہ شاعران

کلام کے خصوصیات۔ میر صاحب کی زبان شستہ کلام صاف بیان ایسا پاکیزہ جیسے باتین کرتے ہین۔ دل کے خیالات کو جو سب کی طبیعتون کے مطابق ہین محاورے کا رنگ۔ دلبر باتون باتون مین ادا کر دیتے ہین۔ اور زبان مین خدا نے ایسی تاثیر دیدی ہے کہ وہی باتین ایک مضمون بن جاتی ہین۔ اسی واسطے انمین یہ نسبت اور شعرا کے اصلیت کچھ زیادہ قائم رہتی ہے بلکہ اکثر جگہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گویا نیچر کی تصویر کھینچ رہے ہین یہی سبب ہے کہ دلون پر اثر بھی زیادہ کرتی ہین۔ وہ گویا اثر دوا کے سعدی ہین۔

ایشیا کے تمام شعرا حسرت مایوسی ناکامی کا دکھڑا روتے ہین مگر انکے تمام مضامین خیالی ہین اور میر صاحب کے حالی اس لیے کہ میر صاحب کی ساری عمر مصیبت اور غم مین گذری اور انکی طبیعت قدرتی دو چیز اور دل حسرت انگیز تھا کہ غزل کی جان ہے۔ انکا کلام صاف کہہ دیتا ہے کہ جس دل سے نکل کر آیا ہون وہ غم و درد کا پتلا نہین۔ حسرت و اندوہ کا جنازہ تھا۔ ہمیشہ وہی خیالات بسے رہتے تھے۔ بس جو دل پر گذرتے تھے وہی زبان سے کہدیتے تھے کہ سننے والون کے لئے نشتر کا کام کر جاتے تھے۔

انکی غزلین ہر بحر مین ہین۔ کہین شربت اور کہین شیر و شکر ہین۔ مگر چھوٹی چھوٹی بحر مین لفظ آبحیات بہاتے ہین۔ جو لفظ منہ سے نکلتا ہے تاثیر مین ڈوبا ہوا نکلتا ہے۔ انکی غزل اصول غزلیت کے لحاظ مین سودا سے بہتر ہے۔ انکا صاف اور سلجھا ہوا کلام اپنی سادگی مین ایک انداز دکھاتا ہے۔ اور فکر کو بجائے کاہش کے لذت بخشتا ہے۔ اسی واسطے خواص مین معزز اور عوام مین ہر دلعزیز رہے۔

چونکہ مطالب کی دقت۔ مضامین کی بلند پروازی۔ الفاظ کی شان و شکوہ بندش کی چستی۔ لازمہ قصائد کا ہے۔ وہ طبیعت کی شگفتگی اور جوش و خروش کا ثمر ہوتا ہے اسی واسطے میر صاحب کے قصیدے کم ہین۔ اور اسی قدر درجہ مین بھی کم ہین۔ انھون نے

طالب سخن پر روشن کر دیا ہے کہ قصیدہ اور غزل کے دو میدانوں میں دن اور رات کا فرق ہے۔ اور اسی منزل میں آکر سودا اور میر کے کلام کا حال کھلتا ہے۔ نقادان سخن کی یہ رائے ہے کہ جو مرتبہ مرزا کا قصیدہ میں ہے وہی مرتبہ میر کا غزل میں ہے۔

غزلیات

نہ تھا مستعار حسن سے اُسکے جو نور تھا
خورشید میں بھی اُس ہی کا ذرہ ظہور تھا

ہنگامہ گرم کن جو دل ناصبور تھا
پیدا یہ ایک نالے سے شور نشور تھا

پہونچا جو آپکو تو میں پہونچا خدا کے تئیں
معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دور تھا

آتش بلند دل کی نہ تھی ورنہ اے کلیم
یک شعلہ برق خرمن صد کوہ طور تھا

مجلس میں رات ایک ترے پرتو سے بغیر
کیا شمع کیا پتنگ ہر اک بے حضور تھا

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آگیا
یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا

کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر
میں بھی کبھو کسو کا سر پر غرور تھا

تھا وہ تو رشک حور بہشتی ہم ہی میں میر
سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنے قصور تھا

۲

جس سر کو غرور آج ہے یاں تاج وری کا
کل اُس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا

آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت
اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا

زندان میں بھی شورش نہ گئی اپنے جنوں کی
اب سنگ مداوا ہے اُس آشفتہ سری کا

یہ زخم جگر داد و محشر سے ہمارا
انصاف طلب ہے تری بیداد گری کا

دو موسم گل یوں ہی گذرے
مقدور نہ دیکھا کبھو بال و پری کا

اس رنگ سے جھمکے ہے پلک پر کہ کہے تو
ٹکڑا ہے ترا اشک عقیق جگری کا

کل سیر کیا ہمنے سمندر کو بھی جا کر
تھا دست نگر پنجۂ مژگاں کی تری کا

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری کا

ٹک میر جگر سوختہ کی جلد خبر لے
کیا یار بھروسہ ہے چراغِ سحری کا

۳

بیتاب جی کو دیکھا دل کو کباب دیکھا
جیتے رہے تھے کیون ہم جو یہ عذاب دیکھا
پودا ستم کا جس نے اس باغ مین لگایا
اپنے کیے کا اُن نے ثمرہ شتاب دیکھا
آباد جس مین تمکو دیکھا تھا ایک مدت
اس دل کی مملکت کو اب ہم خراب دیکھا
لیتے ہی نام اسکا سوتے سے چونک اُٹھے ہو
ہے خیر میر صاحب کچھ تمنے خواب دیکھا

۴

جب جنون سے ہمین توسل تھا
اپنی زنجیر پائی کا غل تھا
بستہ اتھا چمن مین جون بلبل
نالہ سرمایہ توکل تھا
اک نگہ کو وفا کی گویا
موسم گل سفیر بلبل تھا
اب تو دل کو نہ تاب ہے نہ قرار
یاد ایام جب تحمل تھا
خوب دریافت جو کیا ہمنے
وقت خوش میر نکہت گل تھا

۵

دل و دماغ ہے اب کسکو زندگانی کا
جو کوئی دم ہے تو افسوس ہے جوانی کا
اگرچہ عمر کے دس دن یہ لب رہے خاموش
سخن رہیگا سوا میری کم زبانی کا
ہزار جان سے قربان بے پری کے ہین
خیال ہی کبھو گذرا نہ پرفشانی کا
نمود کرکے وہین بحر غم مین بیٹھ گیا
کہے تو میر بھی اک بلبلا تھا پانی کا

۶

گل و بلبل بہار مین دیکھا
ایک تجکو ہزار مین دیکھا
جل گیا دل سفید ہین آنکھین
یہ تو کچھ انتظار مین دیکھا
آبلے کا بھی ہونا دامن گیر
تیرے کوچے کے خار مین دیکھا

تیرہ عالم ہوا یہ روز سیاہ — اپنے دل کے غبار مین دیکھا
جن بلاؤن کو میر سنتے تھے — اُن کو اُس روزگار مین دیکھا

۷

غلط تھا آپ سے غافل گذرنا — نہ سمجھے ہم کہ اس قالب مین تو تھا
چمن کی وضع نے ہمکو کیا داغ — کہ ہر غنچہ دل پُر آرزو تھا
گل و آئینہ کیا خورشید و مہ کیا — جدھر دیکھا تدھر تیرا ہی رو تھا
کروگے یاد باتیں تو کہوگے — کہ کوئی رفتۂ بسیار گو تھا
جہان پُر ہے فسانے سے ہمارے — دماغ عشق ہمکو بھی کبھو تھا
مگر دیوانہ تھا گل بھی کسو کا — کہ پیراہن بھی سو جا گہ رفو تھا
نہ دیکھا میر آوارہ کو لیکن — غبار اک ناتوان سا کو بکو تھا

۸

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا — آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا
قافلے مین صبح کے اک شور ہے — یعنی غافل ہم چلے سوتا ہے کیا
سیر ہوتی ہی نہین یہ سرزمین — تخم خواہش دل مین تو بوتا ہے کیا
یہ نشانِ عشق ہین جاتے نہین — داغ چھاتی کے عبث دھوتا ہے کیا
غیرتِ یوسف ہے یہ وقتِ عزیز — میر اسکو رائگان کھوتا ہے کیا

۹

بارہا گور دل جھکا لایا — اب کی شرطِ وفا بجا لایا
قدر رکھتی نہ تھی متاعِ دل — سارے عالم مین مین دکھا لایا
دل کہ یک قطرہ خون نہین ہے بیش — ایک عالم کے سر بلا لایا
سب پہ جس بار نے گرانی کی — اُسکو یہ ناتوان اُٹھا لایا

دل مجھے اس گلی میں لیجا کر
اور بھی خاک میں ملا لایا

ابتدا ہی میں مر گئے سب یار
عشق کی کون انتہا لایا

اب تو جاتے ہیں بتکدے سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

۱۰

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا
دل کے جانے کا نہایت غم رہا

حسن تھا تیرا بہت عالم فریب
خط کے آنے پر بھی اک عالم رہا

دل نہ پہونچا گوشۂ دامان تک
قطرۂ خون تھا مژہ پر جم رہا

سنتے ہیں لیلی کے خیمے کو سیاہ
اسمیں مجنوں کا مگر ماتم رہا

جامۂ احرام زاہد پر نہ جا
تھا حرم میں لیک نامحرم رہا

میرے رونے کی حقیقت جسمیں تھی
ایک مدت تک وہ کاغذ نم رہا

صبح پیری شام ہونے آئی میر
تو نہ جلتا یاں بہت دن کم رہا

۱۱

غلط ہے عشق میں اے بوالہوس اندیشہ راحت کا
رواں اس ملک میں ہے درد و داغ و رنج و کلفت کا

زمیں اک صفحۂ تصویر بیہوشانے مانا ہے
یہ مجلس جب سے ہے اچھا نہیں کچھ رنگ صحبت کا

جہاں جلوے سے اُس محبوب کے یکسر لبالب ہے
نظر پیدا کر اول پھر تماشا دیکھ قدرت کا

ہنوز آوارۂ لیلی رہی جان رفتہ مجنوں کی
موئے پر بھی رہا ہوتا نہیں وابستہ الفت کا

خرابی دل کی اس حد ہے کہ یہ سمجھا نہیں جاتا
کہ آبادی بھی یاں تھی یا کہ ویرانہ تھا مدت کا

قدم ٹک دیکھکر رکھ میر ہر دل سے نکالیگا
پلک سے شوخ تر کانٹا ہے صحرائے محبت کا

۱۲

جو اس شور سے میر روتا رہیگا
تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہیگا

میں وہ رونیوالا جہاں سے چلا ہوں
جسے ابر ہر سال روتا رہیگا

مجھے کام رونے سے اکثر ہے ناصح
تو کب تک مرے منہ کو دھوتا رہیگا

بس اے گریہ آنکھیں تری کیا نہیں ہیں
کہاں تک جہان کو ڈبوتا رہیگا

مرے دل نے وہ نالہ پیدا کیا ہے
جرس کے بھی جو ہوش کھوتا رہیگا

بس اے میر مژگان سو پونچھ آنسو تو کب تک یہ موتی پروتا رہیگا

۱۳

اللہ رے غرور و ناز تیرا
مطلق نہیں ہم سے ساز تیرا

ہم سے کہ تجھی تو جانتے ہیں
پاتا نہیں احتراز تیرا

کچھ عشق و ہوس میں فرق بھی کر
کیدھر ہے وہ امتیاز تیرا

کہتے نہ تھے میر مت کڑھا کر
دل ہو نہ گیا گداز تیرا

۱۴

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمایش سراب کی سی ہے

چشم دل کھول اس بھی عالم پر
یاں کی اوقات خواب کی سی ہے

بار بار اسکے در پہ جاتا ہوں
حالت اب اضطراب کی سی ہے

میں جو بولا کہا کہ یہ آواز
اسی خانہ خراب کی سی ہے

آتش غم میں دل بھنا شاید
دیر سے بو کباب کی سی ہے

دیکھئے ابر کی طرح اب کی
میری چشم پر آب کی سی ہے

میر ان نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

۱۵

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
کہ میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو اب وفا کر چلے

شفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی
کہ مقدور تک تو دوا کر چلے

وہ کیا چیز ہے آہ جسکے لئے — ہر اک چیز سے دل اُٹھا کر چلے
کوئی نا امیدانہ کرتے نگاہ — سو تم ہم سے مُنہ بھی چھپا کر چلے
بہت آرزو تھی گلی کی ترے — سو یان سے لہو مین نہا کر چلے
دکھائی دئے یون کہ بیخود کیا — ہمین آپ سے بھی جدا کر چلے
جبین سجدہ کرتے ہی کرتے گئی — حقِ بندگی ہم ادا کر چلے
پرستش کی یان تک کہ اے بت تجھے — نظر مین سبھون کے خدا کر چلے
جھڑے پھول جس رنگ گلبن سے یون — چمن مین جہان کے ہم آکر چلے
نہ دیکھا غمِ دوستان شکر ہے — ہمین داغ اپنا دکھا کر چلے
گئی عمر در فکر بندِ غزل — سُو اس فن کو ایسا بڑھا کر چلے
کہین کیا جو پوچھے کوئی ہمسے میر — جہان مین تم آئے تھے کیا کر چلے

شیخ امام بخش ناسخ

پیدایش فیض آباد — وفات لکھنؤ ۱۲۵۴ھ

شیخ صاحب کی شاعری کا وطن لکھنؤ ہے مگر کمال سے لاہور کو فخر کرنا چاہیئے جو کہ انکے والد کا وطن تھا۔ خاندان کے باب مین فقط اسقدر کہہ سکتے ہین کہ یہ خدابخش خیمہ دوز کے بیٹے تھے۔ اور بعض اشخاص یہ کہتے ہین کہ اُس دولتمند لاولد نے متبنیٰ کیا تھا۔ اصلی والد عالم غربت مین مغرب سے مشرق کو گئے۔ فیض آباد مین انکی قسمت سے یہ ستارہ چمکا کہ فلک نظم کا آفتاب ہوا۔

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال — کہ آگ لینے کو جائین پیمبری ہو جائے

غریب باپ سے صاحب نصیب بیٹے کے سوا وہان بھی نصیبہ نے رفاقت نہ کی۔ مگر اُس دولتمند سوداگر نے کہ لاولد تھا بلند اقبال لڑکے کو فرزندی مین لیکر ایسا تعلیم وتربیت کیا کہ بڑے ہو کر شیخ امام بخش ناسخ ہو گئے۔ اور اس مجازی باپ کی بدولت

دنیا کے ضروریات سے بے نیاز رہے۔ لکھنؤ کے دارالخلافت ہوجانے سے وہان آئے اور وہین عمر بسر کی۔ ٹکسال ایک محلہ مشہور ہے اسمین بیٹھکر شعر کے چاندی سونے پر سکہ لگاتے تھے۔ اور کھوٹے کھرے مضمون کو پرکھتے تھے۔

فارسی کتابین حافظ وارث علی لکھنوی سے پڑھی تھین۔ اور علماے فرنگی محل سے بھی تحصیلی کتابین حاصل کی تھین۔ اگرچہ عربی استعداد فاضلانہ نہ تھی مگر رواج علم اور صحبت کی برکت سے فن شاعری کی ضروریات سے پوری واقفیت تھی۔ اور نظم سخن مین انکی نہایت پابندی کرتے تھے۔

شاعری مین کسی کے شاگرد نہ تھے۔ مگر ابتدا سے شعر کا عشق تھا۔ شوق ہمیشہ مشاعرہ مین لیجاکر دل مین امنگ اور طبیعت مین جوش بڑھاتا تھا۔ اور آسودہ حالی اکثر شعرا۔ اہل فہم اور اہل کمال کو ان کے گھر کھینچ لاتی۔ انکی صحبتون مین طبیعت خودبخود اصلاح پاتی گئی۔ رفتہ رفتہ خود اصلاحین دینے لگے۔

کسی کی نوکری نہین کی۔ سرمایہ خداداد اور جوہر شناسون کی قدردانی سے نہایت خوشحالی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ پہلی دفعہ الہ آباد مین آئے ہوئے تھے۔ راجہ چندو لال نے ۱۲ ہزار روپے بھیجکر بلا بھیجا۔ انھون نے لکھا کہ مین نے سید کا دامن پکڑا ہے اسے چھوڑکر نہین آسکتا۔ یہان سے جاؤنگا تو لکھنؤ ہی جاؤنگا۔ راجہ موصوف نے پھر خط لکھا بلکہ ۱۵ ہزار روپے بھیجکر بڑے اصرار سے کہا کہ یہان تشریف لائیگا تو ملک الشعرا کا خطاب دلواؤنگا۔ حاضری دربار کی قید نہ ہوگی۔ ملاقات آپکی خوشی پر رہیگی۔ انھون نے منظور نہ کیا۔

۱۲۵۴ھ ہجری مین انتقال فرمایا۔ میر علی اوسط رشک نے تاریخ لکھی۔ ع

ولا شعر گوئی اُٹھی لکھنؤ سے

عمر مین اختلاف ہے بعض کہتے ہین ۶۴۔ ۶۵ برس کی عمر تھی۔ مولانا غمی لکھتے ہین کہ تقریباً سو برس کی عمر ہوگی۔

۳۔ دیوان ہین مگر دو مشہور ہین۔ ان مین غزلون۔ رباعیون۔ تاریخون کے سوا اور قسم کی نظم نہین۔ قصائد کا شوق نہ تھا۔ ہجو کے کانٹون سے انکا باغ پاک ہے۔ عموماً کلام انکا شاعری کے ظاہری عیبون اور لفظی سقمون سے بہت پاک ہے۔ اور

اس امر مین انھین اتنی کوشش ہے کہ اگرچہ ترکیب کی چستی یا کلام کی گرمی مین فرق آجاے مگر اصول ہاتھ سے نہین جانے دیتے۔ غزلون مین شوکت الفاظ۔ بلند پروازی۔ نازک خیالی بہت ہے اور نمک ظرافت کا چٹخارا اور تاثیر کم۔ شوکت الفاظ کہتی ہے کہ اگر وہ قصیدہ کہتے تو خوب کہتے۔

اس عہد تک شعراے لکھنؤ ان استادون کے شاگرد تھے جنکا دریاے کمال دلی کے سرچشمہ سے نکلا تھا۔ اور فصحاے لکھنؤ بھی ہر محاورے کے لئے دلی ہی کو فخر سمجھتے تھے۔ کیونکہ وہ اکثر انھین بزرگون کے فرزند تھے جنھین زمانہ کی گردش نے اُڑا کر وہان پھینکدیا تھا۔ شیخ صاحب اور خواجہ حیدر علی آتش کے کمال نے لکھنؤ کو دلی کی قید پابندی سے آزاد کرکے استقلال کی سند دی اور وہی مستند ہوئی۔

انکے چند مشہور شاگرد ہین۔ خواجہ وزیر۔ برق۔ رشک۔ بحر۔ منیر شکوہ آبادی۔ نادر۔ یہ سب صاحب دیوان اور بجاے خود استاد ہین۔

غزلیات

دشمنی سر ہے تری گردن کشی مانند شمع
افسرِ زر شوق سے رکھ پر نہ اتنا سر اُٹھا

زندگی مین صرف کرنا ہو سکد وشی حصول
مثل قارون خاک مین جا کر نہ بار زر اُٹھا

چاہیے تعمیر دل جو ساتھ اُٹھا لیجائیگا
یون خرابی کے لئے دیوار اُٹھایا در اُٹھا

بات جن نازک مزاجون سے نہ اُٹھتی تھی کبھی
بوجھ اُنسے سیکڑون من خاک کا کیونکر اُٹھا

کیا سخن سنجی سے حاصل جب سخندان ہی نہین
زانوِ فکرت سے اے ناسخ تو اپنا سر اُٹھا

۲

مرتبہ کم حرص رفعت سے ہمارا ہو گیا
آفتاب ایسا ہوا اونچا کہ تارا ہو گیا

باعثِ چاکِ کتان ہوتا ہے جلوہ ماہ کا
وان چھپا وہ ماہ یان دل پارہ پارہ ہو گیا

ایک درہم اور داخل گنج قارون مین ہوا
پست ایسا تیرے طالع کا ستارہ ہوگیا

بے ثباتی جو ہوئی عالم کی ثابت ای فلک
آفتاب اپنی نظر مین اک شرارہ ہوگیا

۳

میکشو جسوقت ساقی کا کرم ہوجائیگا
پھر مرا جام گدائی جام جم ہوجائیگا

پھیر دیگا دن ہمارے جب مقلب دہر کا
داغ افلاس اپنے سینے مین درم ہوجائیگا

بینہ کے کھلنے کی علامت ہے شفق کا پھولنا
لال مجھپر وہ ہوا رو نا بھی کم ہوجائیگا

شکر و شکوہ ہے سو وہ جاویگا ای ناسخ یہی
دوست و دشمن کا وجود اکدن عدم ہوجائیگا

۴

انسان کو انسان سے کینہ نہین اچھا
جس سینہ مین کینہ ہو وہ سینہ نہین اچھا

آواز یہ کرتی ہے لب آب بقا سے
مرنا ہی یہان خوب ہے جینا نہین اچھا

پھونچا ہے کوئی اوج حقیقت کو کب اس سے
واعظ ترے ممبر کا یہ زینہ نہین اچھا

ہو سیر جو منظور دلا بحر جہان کی
جز کشتی درویش سفینہ نہین اچھا

ہے ہند بھلا کیا ترے رہنے کو کہ ناسخ
مکہ نہین اچھا کہ مدینہ نہین اچھا

۵

ہو وطن مین خاک میرے گوہر مضمون کی قدر
لعل قیمت کو پہونچتا ہے بدخشان چھوڑکر

ہوتی ہے غربت مین ثروت پر بڑی ایذا کی بعد
رنج اُٹھائے کسقدر یوسف نے کنعان چھوڑکر

اعتماد اصلا نہین گر ہے جہان زیر نگین
اُٹھ گیا دنیا سے خاتم کو سلیمان چھوڑکر

آج تو پوشاک پر مرتا ہے تو کل دیکھیو
جائیگا نباش تیری لاش عریان چھوڑکر

۶

مین وہ شوریدہ سر دیوانہ تھا جو بعد مردن بھی
چڑھا جاتے ہین پتھر لوگ آکر میری مدفن پر

ہمارے نالہاے پر اثر کی طرز اڑاتی ہے
گریبان چاک ہو گل کا نہ کیون بلبل کے شیون پر

جہان مین تیرہ دل جو ہین وہی بیرنج رہتے ہین
کہ نازل ہوتی ہے آفت ہوا کی شمع روشن پر

ہمارے زخم کے نظارے کی کب تاب ہے اُسکو
تو اے جراح پہلے باندھ پٹی چشم سوزن پر

کسی کا درد ہوتا ہے کسی کو کب زمانے مین
کہ جام و گل ہین خندان شیشۂ و بلبل کی شیون پر

اگر ہوتا ہے اک دانہ بھی دس مین میری قسمت کا
فلک بجلی گرا دیتا ہے ناسخ میرے خرمن پر

۷

خاکساروں سے ہے ہر جا سرکشون کی سرکشی
وہ زمین ہے کون جسپر آسمان ہوتا نہین

جو سعادتمند ہین رہتے ہین وہ بے خانمان
دہر مین پیدا ہما کا آشیان ہوتا نہین

جتنے ہین صاحب سخن انکی طبیعت نرم ہے
ہے دلیل اسپر زبان مین استخوان ہوتا نہین

دم ہے جبتک جسم عاشق مین ہے خامی کی دلیل
خوب جل جاتی ہے جو شے پھر دھوان ہوتا نہین

عشق کا ہو درد اے ناسخ نہ کیونکر لا دوا
زخم ہائے تیر مژگان کا نشان ہوتا نہین

۸

سوائے مکر زمانے مین رسم و راہ نہین
وہ کون جا ہے جہان چاہ زیر کاہ نہین

مین گو کہ حسن سے ظاہر مین مثل ماہ نہین
ہزار شکر کہ باطن مرا سیاہ نہین

ہوئی ہے مجکو جرس سے یہ بات اب ثابت
شکستہ دل جو ہوا اُسکے لب پہ آہ نہین

جگر کے داغ ہین بے لطف گر نہ ہو ناسور
جہان مین کون ہے وہ باغ جسمین چاہ نہین

ہمیشہ کام مین غیرون کے ہین سعادتمند
ہما کو اپنے لئے فکر عز و جاہ نہین

ہجوم فوج عدو سے جہان مین اے ناسخ
سوائے قلعۂ مرقد کہین پناہ نہین

۹

مرد وارستہ کہین قید مکان کرتا نہین
طائر نکہت خیال آشیان کرتا نہین

روز اک شام و سحر کرتا ہے پیدا بہر خلق
صبح میری شام غم کو آسمان کرتا نہین

ہے ہر اک آفت سے ایمن مسکن اہل فنا
باغ جنت کو خدا ہرگز خزان کرتا نہین

رحم کر عشاق پر گر چاہیے عمرِ دراز
پیر گردون طفل ظالم کو جوان کرتا نہین

عیب اپنے آپ کر دیتے ہین ہم بدست فاش
شیشۂ مے جسطرح مے کو نہان کرتا نہین

جام مے مین دیکھتا ہون مین جہانکو مثل جم
گو سکندر کی طرح سیرِ جہان کرتا نہین

۱۰

دل مین پوشیدہ تپِ عشق بتان رکھتے ہین
آگ ہم سنگ کے مانند نہان رکھتے ہین

نے سواری تری دیکھین تو ہون گردِ دنبال
ہاتھ مین صبر کی جو لوگ عنان رکھتے ہین

بزم جانان مین کبھی بات نہ نکلی مُنہ سے
کہنے کو شمع کے مانند زبان رکھتے ہین

مثل پروانہ نہین کچھ زر و مال اپنے پاس
ہم فقط تجھ پہ فدا کرنے کو جان رکھتے ہین

طائرِ روح کو کر دیتے ہین کیونکر بسمل
تیر رکھتے ہین پری رو نہ کمان رکھتے ہین

تازگی ہے سخنِ کہنہ مین یہ بعد وفات
لوگ اکثر مرے جینے کا گمان رکھتے ہین

عوضِ ملک جہان ملک سخن ہے ناسخ
گو نہین حکم روان طبع روان رکھتے ہین

۱۱

خوش قدون کی خاک یہ اُٹھتی ہی ہر دم سرو قد
گرد باد اے غفلت اس بیابان مین نہین

آج نقاشی کے چھت لگوا نہین مانع کوئی
کل بجز خفاش لیکن سقف ایوان مین نہین

دیکھنا کل آپ سے کوئی نہ رکھیگا قدم
آج جائیگی اجازت جس گلستان مین نہین

دوست دشمن سب کے سب ہین رفتنی مثلِ نسیم
گل تو کیا کانٹا بھی اکدن اس گلستان مین نہین

نام حاتم رہ گیا ہے ہو گیا برباد تخت
آدمی کیا دیو بھی ملکِ سلیمان مین نہین

مورچھل نادان ہلاتے ہین کسے حیران ہون
ہڈیان بھی تربتِ فغفور و خاقان مین نہین

دُم دبا جاتے تھے جنکے سامنے شیر ژیان
غیر روباہ و شغال اب اُنکے ایوان مین نہین

آمدِ موسیٰ و ہارون کی قوی ہے یہ دلیل
کونسا فرعون ہے جو فکرِ سامان مین نہین

جو ترا جی چاہتا ہے بس وہی کرتا ہے تو
وہ پری ہے تو کہ فرمانِ سلیمان مین نہین

بے وطن ہو کر زمانہ مین ہوئے نالان بشر
آشنا نالون سے ہرگز نے نیستان مین نہین

مثل مجنون کس لئے صحرا بصحرا ہے خراب
کیا رسائی تجکو ناسخ کوے جانان مین نہین

۱۲

رفعت کبھی کسی کی گوارا یہان نہین
جس سرزمین کے ہم ہین وہان آسمان نہین

دو روز ایک وضع پہ رنگ جہان نہین
وہ کون سا چمن ہے کہ جسکو خزان نہین

عبرت کی جا ہے لاکھون ہی طفل جوان نہین
پیری مین بھی خیال اجل کا یہان نہین

ہر گل ہے اس چمن سے گریزان برنگ بو
سرو چمن ہے کون جو سرو روان نہین

آنکھون سے فائدہ جو نہین تیری گرد راہ
حاصل جبین سے آیا جو تو آستان نہین

حاصل تجھے بصارت یعقوب ہو اگر
یوسف بغیر کوئی یہان کاروان نہین

منعم کے شکر مین بھی بلائین کبھی کبھی
تنہا برائے لذت دنیا زبان نہین

پژمردہ ایک ہے تو شگفتہ ہے دوسرا
باغ جہان مین فصل بہار خزان نہین

زردار جو ہین کیون نہ ہون خندان برنگ گل
باغ جہان مین زر بھی کم از زعفران نہین

جنکے سرون پہ آپ مس ران رہے ہما
انکا لحد مین آج کوئی استخوان نہین

۱۳

یہ جسم زار ہے یون پیرہن کے پردے مین
کہ جیسے روح نہان ہے بدن کے پردے مین

سوا سے اہل سخن ہو مشاہدہ کسکو
نہان ہے شاہد معنی سخن کے پردے مین

تلاش جسکی ہے دن رات تجکو اے غافل
چھپا ہوا ہے وہ تیرے ہی تن کے پردے مین

جو عندلیب کے آنکھون سے دیکھے اور سمجھے
ظہور ہے اسی گل کا چمن کے پردے مین

چمن مین لائی صبا کسکی بو جو آج شمیم
دمک رہی ہے گل یاسمن کے پردے مین

خبر نہ شام غریبی کی مجکو تھی ناسخ
چھپی ہوئی تھی یہ صبح وطن کے پردے مین

۱۴

بیان کیا ہو سکے عمرِ رواں کی مجھ سے چالاکی
کہ اس توسن سے لگا ہے نہ ترکی کو نہ تازی کو

اکیلا دل مرا فوجِ تمنا کے مقابل ہے
الٰہی کیجیو تو فتحیاب اُس مردِ غازی کو

ثمر پختہ جو ہے اے خام طبعو باغ عالم میں
نہ کیونکر تما کساری سے وہ بدلے سرفرازی کو

۱۵

اجل سر پر کھڑی ہے خوابِ غفلت میں زمانہ ہے
چھپر کھٹ کے عوض لازم جنازے کا بنانا ہے

دکھا دیتا ہے کافور سحر روز آسمان سب کو
ولیکن غافل اپنی غسلِ میت سے زمانہ ہے

میں وہ ہوں عروۂ نیکیں کہ میری قبر کے اوپر
بنے ہے برق جھالر ابرِ رحمت شامیانہ ہے

نہ ہوگا مزرعِ اعمالِ زاہد بار ور ہرگز
کہ سرسبزی سے ہے محروم سبحہ کا جو دانہ ہے

جو مالک گنجِ زر کا ہو بجا ہے سر کشی اُسکو
کہ فوارے کو دیکھو پاس پانی کا خزانہ ہے

ہوا ثابت جو دیکھا اژدہا گنج کو باہم
جو موذی ہیں ہمیشہ اُنکے قبضے میں خزانہ ہے

غبارِ راہ ہم سمجھیں نہ کیونکر جسم خاکی کو
رگِ جاں توسنِ عمرِ رواں کو تازیانہ ہے

نکلتا ہے جو ہر گل زیرِ کف گلزارِ عالم میں
خدا جانے زمیں میں دفن یہ کیسا خزانہ ہے

اشارہ آمد و رفتِ نفس کا ہے یہی ہر دم
بدن میں دم جو آیا ہے مقرر اُسکو جانا ہے

کمی ہوتی نہیں نقدِ سخن کی بات کبھی ناسخ
ازل سے اپنے قابو میں معانی کا خزانہ ہے

۱۶

طالبِ دیدار جسکا ہے دلا وہ تجھ میں ہے
جلوۂ برقِ تجلی تھا سرِ طور سے

خلق کے اعمالِ بد کرتے ہیں ایسا انقلاب
جائے آتش جو ہے پانی کا ہوا تنور سے

منعمِ دنیا کے گھر کو اہلِ حاجت لوٹ لیں
مانگتا ہے کب کوئی جا کر عجز مزدور سے

بانٹ لے کوئی کسی کا درد یہ ممکن نہیں
بارِ غم دنیا میں اُٹھواتے نہیں مزدور سے

دیکھتا ہوں جب کلام اُسکو بہت آتا ہے یاد
اُس کا مجھکو نہایت ناسخِ مغفور سے

دیکھنا اے اہل عبرت انتقامِ آسمان — لیتے ہین جامِ گدا خاکِ سرِ فغفور سے

۱۷

نوعِ عمرِ روان ایسا ہی گرچالاک ہے — گرد سان برباد اک دن میری مشتِ خاک ہے
آئینے کو دوست رکھتے ہین جہانکے خوب و زشت — دل ہوا جب صاف بس عالم سے جھگڑا پاک ہے
اسفل و اعلیٰ جو ہین ملجائینگے سب خاک مین — آسمان اس رتبۂ عالی پہ زیرِ خاک ہے
پست تر کرنیکو گردون سبکو کرتا ہے بلند — اشک بھی اس رتبۂ عالی پہ زیرِ خاک ہے
روح ہے ہر جسم مین مشتاق اخبارِ اجل — اسلئے یہ آمد و رفتِ نفس کی ڈاک ہے

۱۸

کیا ہون اشکون سے مرے دیدۂ بینا خالی — غمِ فرقت سے نہین ہے کوئی سینہ خالی
قلزمِ دہر مین رکھتا ہے تجرد محفوظ — غرق کم ہوتا ہے دریا مین سفینہ خالی
کبھی ہوگی نہ یہان گنجِ معانی کی کمی — ورنہ ہو صرف سے قارون کا خزانہ خالی
ایک کے نفع سے ہے ایک کو نقصان یہان — جام بھر جاے جو ساقی تو ہو مینا خالی
کیا بھلا مہر و محبت کو جگہہ ہو ناسخ — یار کے سینے کو کرتا نہین کینہ خالی

خواجہ حیدر علی آتش

پیدایش دلی — **وفات لکھنؤ سنہ ۱۲۶۳ھ**

آتش تخلص۔ خواجہ حیدر علی نام۔ آپ دلی کے رہنے والے تھے۔ لکھنؤ مین جاکر سکونت اختیار کی۔ خواجہ زادان کا خاندان تھا۔ جس مین مسند فقر بھی قائم تھی۔ اور سلسلہ پیری مریدی کا بھی تھا۔ مگر شاعری اختیار کی اور خاندانی طریقہ کو سلام کرکے اسمین سے فقط آزادی و بے پروائی کو رفاقت مین لے لیا۔ مصحفی کے شاگرد تھے۔ اور حق یہ ہے کہ انکی آتش بیانی نے استاد کے نام کو روشن کیا۔ بلکہ کلام کی گرمی اور چمک کی دمک نے استاد شاگرد کے کلام مین اندھیرے اُجالے کا امتیاز دکھایا۔

علمی استعداد معمولی تھی مشق کی کثرت سے اپنے زمانہ مین مسلم الثبوت استاد ہوگئے اور سیکڑون شاگرد مثل میر وزیر علی صبا۔ رند۔ خلیل۔ جلیل۔ شناور۔ اسمل۔ نادر مرزا کے انکے دامن تربیت مین پرورش پاکر استاد کہلائے۔

۱۲۶۳ھ ہجری مین ایک دن بھلے چنگے بیٹھے تھے۔ یکایک ایسا موت کا جھونکا آیا کہ شعلہ کی طرح بجھ کر رہ گئے۔ آتش کے گھر مین راکھ کے ڈھیر کے سوا اور کیا ہوتا تھا میر علی اوسط رشک نے تاریخ لکھی۔ ع۔ خواجہ حیدر علی اے وا مردند۔

تمام عمر کی کمائی جسے حیات جاودانی کا مول کہنا چاہیئے ایک دیوان غزلون کا ہے جو کہ اُنکے سامنے رائج ہوگیا تھا۔ دوسرا تتمہ ہے کہ پیچھے مرتب ہوا۔ جو کلام انکا ہے حقیقت مین محاورہ اُردو کا دستور العمل ہے اور انشاپردازی ہند کا اعلیٰ نمونہ شرفائے لکھنو کی بول چال کا انداز اس سے معلوم ہوتا ہے۔ جس طرح لوگ باتین کرتے ہین اسیطرح انھون نے شعر کہدئے ہین۔ انکے کلام نے پسند خاص اور قبول عام کی سند حاصل کی انکا کلام مضامین بلند سے خالی نہین۔ طرز بیان صاف ہے۔ سیدھی سی بات کو پیچ نہین دیتے ترکیبون مین استعارے اور تشبیہین فارسیت کے بھی موجود ہین مگر قریب الفہم۔

غزلیات

عاجز نواز دوسرا تجھ سا نہین کوئی
رنجور کا انیس ہے ہمدم خلیل کا

باغ و بہار آتشِ نمرود کو کیا
مشکل کے وقت تو ہوا حامی خلیل کا

موسےٰ کو تیرے حکم سے دریا نے راہ دی
فرعون کو تو نے غرق کیا رود نیل کا

طوفان مین ناخدائی کی کشتی نوح کی
حقا جواب ہی نہین تجھ سے کفیل کا

سائل ہون مجکو قید کم و بیش کی نہین
مختار ہے کریم کثیر و قلیل کا

دیکھا تو خار و گل کا مقام ایک شاخ ہے
دل توڑنا نہین تو عزیز و ذلیل کا

آتش یہی دعا ہے خدائے کریم سے
محتاج اے کریم نہ کیجو بخیل کا

۲

محبت کا ترے بندہ ہر اک کو اے صنم پایا
برابر گردنِ شاہ و گدا دونون کو خم پایا

برنگِ شمع جس نے دل جلایا تیری دوری مین
تو اُس نے منزلِ مقصود کو زیرِ قدم پایا

نشانہ تیر ہمت کا ہے میرا اخترِ طالع
اُٹھاؤن داغ مین تو آسمان سمجھے درم پایا

ہزارون حسرتین جاوینگے میری ساتھ دنیا سے
شرار و برق سے بھی عرصۂ ہستی کو کم پایا

سوائے رنج کچھ حاصل نہین ہے اس خرابے مین
غنیمت جان جو آرام تو نے کوئی دم پایا

نظر آیا تماشائے جہان جب بند کین آنکھین
صفائے قلب سے پہلو مین ہمنے جام جم پایا

جلایا اور مارا حُسن کی نیرنگ سازی نے
کبھی برقِ غضب اسکو کبھی ابرِ کرم پایا

فراق انجام کار آغاز وصلت کا بلاشک ہے
بہت رویا مین روح و تن کو جب مشتاق ہم پایا

ہوا ہرگز نہ خط شوق کا سامان درست آتش
سیاہی ہو گئی نایاب اگر ہمنے قلم پایا

۳

حُسنِ پری ایک جلوۂ مستانہ ہے اُسکا
ہوشیار وہی ہے کہ جو دیوانہ ہے اُسکا

وہ شوخ نہان گنج کے مانند ہے اُسمین
معمورۂ عالم جو ہے ویرانہ ہے اُسکا

جو چشم کہ حیران ہوئی آئینہ ہے اُسکی
جو سینہ کہ صد چاک ہوا شانہ ہے اُسکا

دل قصر شہنشاہ ہے وہ شوخ اُسمین شہنشاہ
عرصہ یہ دو عالم کا جلوخانہ ہے اُسکا

وہ یاد ہے اُسکی کہ بھلادے دو جہان کو
حالت کو کرے غیر وہ یارانہ ہے اُسکا

یوسف نہین جو ہاتھ لگے چند درم سے
قیمت جو دو عالم کی ہے بیعانہ ہے اُسکا

آوارگی نکہتِ گل ہے یہ اشارہ
جامہ سے وہ باہر ہے جو دیوانہ ہے اُسکا

یہ حال ہوا اُس کے فقیرون سے ہویدا
آلودۂ دنیا جو ہے بیگانہ ہے اُسکا

شکرانۂ ساقیِ ازل کرتا ہے آتش
لبریز مئے شوق سے پیمانہ ہے اُسکا

۴

حباب آسا مین دم بھرتا ہون تیری آشنائی کا
نہایت غم ہے اس قطرہ کو دریا کی جدائی کا

تعلق روح سے مجکو جسد کا ناگوارا ہے
زمانے مین چلن ہے چارون کی آشنائی کا

ہوئی منظور محتاجی نہ تجکو اپنے سائل کی
بنایا کاسۂ سر واژگون کا سہ گدائی کا

نظر آتی ہین ہر سو صورتین ہی صورتین مجکو
کوئی آئینہ خانہ کارخانہ ہے خدائی کا

نکل اے جان تن سے تا وصالِ یار حاصل ہو
چمن کی سیر ہے انجام بلبل کو رہائی کا

شکستِ خاطرِ احباب ہوتی ہی درست اس سے
توجہ مین ترے اے یار اثر ہے موم بائی کا

دل اپنا آئینہ سے صاف عشقِ پاک رکھتا ہے
تماشا دیکھتا ہے حسن اسمین خود نمائی کا

نہین دیکھا ہے لیکن تجکو پہچانا ہی آتش نے
بجا ہے اے صنم جو تجکو دعوی ہی خدائی کا

۵

غبارِ راہ ہو کر چشم مردم مین محل پایا
نہالِ خاکساری کو لگا کر ہمنے پھل پایا

برنگِ شمع ہم دل سوختون نے بزم عالم مین
زبان کھولی نہ لیکن بات کرنے کا محل پایا

شکستہ دل نہوا انسان عوض ہر شی کا ملتا ہے
موا فرزند اگر تو داغ دل نعم البدل پایا

رعونت کونسی شے پر ہی ان عزلت گزینون کو
حصیر کہنہ دیکھا دست خشک و پائے شل پایا

غضب ہے منزلِ ہستی مین آسایش طلب ہونا
ہجوم خواب سے رہرو نے آخر کو خلل پایا

ہمیشہ جوش گریہ سے رہا پانی مین ای آتش
کبھی تازہ نہ لیکن اپنے دل کا یہ کنول پایا

۶

سُن تو سہی جہان مین ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجکو خلق خدا غائبانہ کیا

زیرِ زمین سے آتا ہے جو گل سو زر بکف
قارون نے راستے مین لٹایا خزانہ کیا

اڑتا ہے شوق راحتِ منزل سے اسپ عمر
مہمیز کس کو کہتے ہین اور تازیانہ کیا

چارون طرف سے صورتِ جانان ہو جلوہ گر
دل صاف ہو ترا تو ہے آئینہ خانہ کیا

صیاد اسیر دام رگِ گل ہے عندلیب
دکھلا رہا ہے چھپ کے اُسے دام و دانہ کیا

طبل و علم ہی پاس ہے اپنے نہ ملک و مال
ہم سے خلاف ہو کے کریگا زمانہ کیا

آتی ہے کس طرح سے مری قبض روح کو
دیکھوں تو موت ڈھونڈ رہی ہے بہانہ کیا

ہوتا ہے زرد سُن کے جو نامرد مدعی
رستم کی داستان ہے ہمارا فسانہ کیا

ہمیاد گلعذار دکھاتا ہے سیر باغ
بلبل قفس میں یاد کرے آشیانہ کیا

یوں مدعی حسد سے نہ دے داد تو نہ دے
آتش غزل یہ تو نے کہی عاشقانہ کیا

۷

فریب کو دلِ اہلِ صفا میں راہ نہیں
وہ دشت ہے کہ جہاں آب زیرِ کاہ نہیں

بدن سا شہر نہیں دل سا بادشاہ نہیں
حواس خمسہ سے بہتر کوئی سپاہ نہیں

صدا یہ قبر سے بیدار دل کے آتی ہے
عمل جو نیک ہوں تو ایسی خوابگاہ نہیں

عذاب گور ہے دنیا کے رنج سے بدتر
سوا خدا کے کرم کے کہیں پناہ نہیں

فقیر بنکے قدم اسمیں مارا ے آتش
طریق احمدِ مرسل ہے شاہراہ نہیں

۸

جانبِ دشت عدم خیمہ روان کرنے دو
وحشتِ دل کو علاجِ خفقان کرنے دو

سوز دل میری طرح سے نہ بیان ہوویگا
شمع کافور کو بھی چرب زبان کرنے دو

کوہ غم ٹوٹنے پر آہ ہے یان کم ظرفی
ٹھیس سے کاسۂ چینی کو فغان کرنے دو

سامنے آ ہی گیا لشکرِ اندوہ و ملال
اب تو سیدھی مری آنکھوں کو نشان کرنے دو

آخرِ کار تہِ خاک ہے مسکن سب کا
اہل دولت کو بلند آج مکان کرنے دو

پھوٹ بہنے دو انھیں یار کے آگے آتش
دل کا احوال بھی آنکھوں کو بیان کرنے دو

۹

کام ہمت سے جوانمرد اگر لیتا ہے
سانپ کو مار کے گنجینۂ زر لیتا ہے

ناگوارا کو جو کرتا ہے گوارا انسان
زہر کھا کر مزۂ شیر و شکر لیتا ہے

منزل فقر و فنا جائے ادب ہے غافل
بادشہ تخت سے یاں اپنے اُتر لیتا ہے

عقل کر دیتی ہے انسان کی حالت زایل
موت سے جان چھپانے کو سپر لیتا ہے

غیرت نالہ و فریاد نہ کھوائے آتش
آشنا کوئی نہین کون خبر لیتا ہے

۱۰

یہ کس رشکِ مسیحا کا مکان ہے
زمین یاں کی چہارم آسمان ہے

خدا پنہان ہے عالم آشکارا
نہان ہے گنج ویرانہ عیان ہے

دلِ روشن ہے روشن گھر کی منزل
یہ آئینہ سکندر کا مکان ہے

تکلف سے بری ہے حُسن ذاتی
قبائے گل مین گل بوٹا کہان ہے

برنگِ بوہون گلشن مین مین بلبل
بغل غنچہ کی میرا آشیان ہے

شگفتہ رہتی ہے خاطر ہمیشہ
قناعت بھی بہار بے خزان ہے

بہت آتا ہے یاد اے صبر مشکین
خدا خوش رکھے تجکو تو جہان ہے

تعلق ہوتا ہے خوشبو سے اسکے
کسی گلرو کا غنچہ عطر دان ہے

وطن مین اپنے اہلِ شوق کیطرح
سفر مین روز و شب ریگِ روان ہے

سحر ہووے کہین شبنم کرے کوچ
گل و بلبل کے دریا درمیان ہے

سعادت مند قسمت پر ہین شاکر
ہما کو مغز با دام استخوان ہے

جرس کے ساتھ دل رہتی ہین نالان
مرے یوسف کا عاشق کاروان ہے

قدِ محبوب کو شاعو کہین سرو
قیامت کا یہ اے آتش زبان ہے

۱۱

بازار دہر مین تری منزل کہان نہ تھی
یوسف نہ جسمین ہو کوئی ایسی دکان نہ تھی

منزل ہی دور ہے جو یہ پہونچی نہین ہنوز
دم لینے والی راہ مین عمرِ روان نہ تھی

دکھلائے سیر آنکھون کو بامِ مراد کی
ایسی کوئی کمند کوئی نردبان نہ تھی

رہجانا پیچھے جسم کا جان سے عجب نہین
کس کاروان کی گرد پسِ کاروان نہ تھی

نافہمی کی دلیل ہے یہ سجدہ سے ابا
ابلیس کو حقیقتِ آدم عیان نہ تھی

افسوس کیا جوانی رفتہ کا کیجئے
وہ کون سی بہار تھی جسکو خزان نہ تھی

نالون سے ایک دن نہ کئے گرم گوشِ یار
آتش مگر تمھارے دہن مین زبان نہ تھی

۱۲

مسافر کی طرح رہ خانہ بردوش
نہین جائے اقامت دارِ فانی

یقین ہے دیدۂ باریک بین کو
کرے عینک طلب یہ ناتوانی

یہ مشتِ خاک ہو مقبول درگاہ
صبا کی چاہتا ہون مہربانی

سفیدی مو کی ہو کافور ہر چند
کوئی مٹتا ہے داغِ نوجوانی

نہ خوش ہو فربہی تن سے غافل
سبک کرتی ہے مردے کو گرانی

موے جو پیشتر مرنے سے وہ لوگ
کفن سمجھے قبائے زندگانی

ہوا کوئی نہ حالِ دل سے آگاہ
رہی مشتاق گوشِ اپنی کہانی

خدا کے حکم سے ہے قوتِ نطق
کلام اپنا ہے ہاتف کی زبانی

مرا دیوان ہے اے آتش خزانہ
ہر اک بیت اسمین ہے گنجِ معانی

خاقانی ہند شیخ محمد ابراہیم ذوق

پیدایش دلی ۱۲۰۴ھ — وفات دلی ۱۲۷۱ھ

شیخ محمد رمضان کے لڑکے تھے۔ جو ایک غریب سپاہی تھے۔ ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۰۴ھ مین دہلی مین پیدا ہوئے۔ ابتدائً حافظ غلام رسول صاحب شوق سے پڑھتے تھے اُنھین کی خدمت مین شعر و شاعری کا شوق ہوا۔ اسی محلہ مین میر کاظم حسین صاحب بیقرار

ایک انکے ہمسبق تھے وہ بھی حافظ غلام رسول صاحب سے اصلاح لیا کرتے تھے ایکدن وہ ایک غزل کہکر لائے غزل اچھی تھی۔ شیخ نے سنکر کہا کہ خوب گرم شعر نکالے ہین۔ انھون نے کہا کہ ہم تو شاہ نصیر کے شاگرد ہو گئے شیخ مرحوم کو بھی شوق ہوا اُن کے ساتھ جاکر شاگرد ہو گئے۔ برابر اصلاح لیتے رہے۔ ایک بار مرزا رفیع السودا کے غزل پر غزل کہی شاہ صاحب کے پاس لے گئے انھون نے خفا ہو کر غزل پھینکدی کہ استاد کی غزل پر غزل کہتا ہے۔ اب تو مرزا رفیع سے بھی اونچا اُڑنے لگا۔ یہ وہان سے چپکے چلے آئے۔ اُس دن سے کسی سے اصلاح نہین لی۔ خود کہتے اور مشاعرون مین پڑھتے یہانتک کہ طبیعت کی شوخی اور شعر کی گرمی سننے والون کے دلون پر اثر برقی کیطرح دوڑی اور کلام کا چرچا بڑھا۔

اکبر شاہ کے ولیعہد مرزا ابوظفر کہ بادشاہ ہو کر بہادر شاہ ہوئے شعر کے شیدا تھے اور ظفر تخلص سے ملک شہرت کو تسخیر کیا تھا۔ دربار شاہی مین جو جو کہنہ مشق شاعر تھے سب وہین آکر جمع ہوتے تھے اپنے اپنے کلام سناتے تھے میر کاظم حسین بیقرار ولیعہد کے ملازم خاص تھے انکی وساطت سے یہ قلعہ مین پہونچے۔ اور کثرت دربار و بعد ہی مین جانے لگے شاہ نصیر کہ ولیعہد کی غزل کو اصلاح دیا کرتے تھے دکن چلے گئے۔ میر کاظم حسین صاحب میر منشی ہو کر شکارپور سندھ وغیرہ چلے گئے۔ چند روز کے بعد ایک دن ولیعہد نے ایک غزل جیب سے نکال کر دی کہ ذرا اسے بنا دو۔ یہ وہین بیٹھ گئے اور غزل بنا کر سنائی۔ ولیعہد بہادر بہت خوش ہوئے۔ اور کہا کہ بھئی کبھی کبھی تم آکر ہماری غزل بنا جایا کرو۔ پھر برابر انھین سے اصلاح لیتے رہے۔ چند سال کے بعد ایک قصیدہ اکبر شاہ کے دربار مین کہکر سنایا جسکے مختلف شعرون مین انواع و اقسام کے صنایع و بدایع صرف کئے تھے مطلع اُسکا یہ تھا۔

جبکہ سرطان و اسد مہر کا ٹھہرا مسکن　　آب و ایلولہ ہوئے نشو نمائے گلشن

اسپر بادشاہ نے خاقانی ہند کا خطاب عطا کیا۔ اُسوقت شیخ مرحوم کی عمر ۱۹ برس کی تھی۔

جب مرزا ابوظفر بادشاہ ہو کر بہادر شاہ ہوئے تو پہلے اُنھون نے قصیدہ گذرانا۔ اسپر تنخواہ مین ایک معتد بہ اضافہ ہوا۔ آخر ایام مین ایک دفعہ بادشاہ بیمار ہوئے۔ جب شفا پائی اور انھون نے ایک قصیدہ غرا کہکر نذر گذرانا تو خلعت کے علاوہ خطاب خان بہادر

اور ایک ہاتھی معہ حوضۂ نقرئی انعام ہوا۔ پھر ایک بڑے زور شور کا قصیدہ کہکر گذرانا جسکا مطلع یہ ہے۔ ع شب کو مین اپنے سر بستر خوابِ راحت۔ اسپر ایک گانون جاگیر مین عطا ہوا۔

۲۴ صفر ۱۲۷۱ھ جمعرات کا دن تھا ۱۷ دن بیمار رہکر وفات پائی۔ مرنے سے تین گھنٹے پہلے یہ شعر کہا تھا۔

کہتے ہین آج ذوق جہان سے گذر گیا　　کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

علوم متداولہ مین مہارت کامل رکھتے تھے تصوف خوب جانتے تھے۔ نجوم رمل موسیقی مین بھی دخل تھا۔ غزلون کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عام جوہر انکے کلام کا تازگی مضمون۔ صفائی کلام۔ چستی ترکیب۔ خوبی محاورہ ہے۔ مگر حقیقت مین رنگ مختلف وقتون مین مختلف رہا۔ قصائد مین اصلی میلان انکی طبیعت کا سودا کے انداز پر زیادہ تھا سودا کے بعد شیخ مرحوم کے سوا کسی نے اسپر قلم نہین اُٹھایا۔

کلام کو دیکھکر یہ عام انداز معلوم ہوتا ہے کہ مضامین کے ستارے آسمان سے اُتارے ہین۔ مگر اپنے لفظون کی ترکیب سے اُنھین ایسی شان وشکوہ کی کرسیون پر بٹھایا ہے کہ پہلے سے بھی اونچے نظر آتے ہین۔ انھین قادر الکلامی کے دربار سے ملکِ سخن پر حکومت مل گئی ہے۔ کہ ہر قسم کے خیال کو جس رنگ سے چاہتے ہین کہہ جاتے ہین۔ کبھی تشبیہہ کے رنگ سے سجا کر استعارہ کی بو سے بساتے ہین۔ کبھی بالکل سادے لباس مین جلوہ دکھاتے ہین مگر ایسا کچھ کہہ جاتے ہین کہ دل مین نشتر سا کھٹک جاتا ہے۔ اور مُنہ سے کبھی واہ اور کبھی آہ نکلتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انکے ہونٹون مین شستہ اور برجستہ لفظون کے خزانے بھرے ہین۔ اور ترکیب الفاظ کے ہزارون رنگ ہین۔ مگر جسے جہان سجتا دیکھتے ہین وہ گویا وہین کے لئے ہوتا ہے۔ وہ طبیب کامل کی طرح ہر مضمون کی طبیعت کو پہچانتے تھے کہ کون ہے کہ سادگی مین رنگ دیجائیگا۔ اور کون رنگینی مین کامل مصور کی تیزی قلم کو اُسکے رنگون کی شوخی روشن کرتی ہے۔ اسی طرح انکے مضمون کی باریکی کو اُنکے الفاظ کی لطافت جلوہ دیتی ہے۔ اُنھین اس بات کا کمال تھا کہ باریک سے باریک مطلب اور پیچیدہ سے پیچیدہ مضمون کو اس صفائی سے ادا کر جاتے تھے گویا ایک شربت کا گھونٹ تھا کہ کانون کے رستہ سے پلا دیا۔ ہر ایک نازک اور باریک خیال کو

محاورہ اور ضرب المثل مین اس طرح ترکیب دیتے جیسے آئینہ گر شیشہ کو قلعی سے ترکیب دیکر آئینہ بناتا ہے۔ اسی واسطے ہر ایک شخص کے سمجھ مین آتا ہے اور دل پر اثر بھی کرتا ہے۔

قصیدہ

مرزا ابوظفر بہادر شاہ نے عالم ولی عہدی مین بیماری کے بعد غسل صحت کیا تھا۔ اُسکی مبارکباد مین یہ قصیدہ لکھا گیا تھا۔

واہ وا کیا معتدل ہے باغ عالم مین ہوا — مثل نبضِ صاحبِ صحت ہے ہر موج صبا
بھرتی ہے کیا کیا مسیحائی کا دم بادِ بہار — بنگیا گلزارِ عالم رشک صد دارالشفا
ہے گلون کے حق مین شبنم مرہمِ زخمِ جگر — شاخ بشکستہ کو ہے باران کا قطرہ موم سیا
ہو گیا موقوف یہ سودا کا بالکل احتراق — لالہ بے داغِ سیہ پانے لگا نشو و نما
ہو گیا زایل مزاجِ دہر سے یا ننگ جنون — بید مجنون کا بھی صحرا مین نہین باقی پتا
ہوتا ہے لطفِ ہوا سے اسقدر پیدا لہو — برگ مین ہر نخل کے سرخی ہے جون برگِ حنا
پائی یہ اصلاح صفرا نے کہ دنیا مین کہین — زردچشم اب دیکھنے کو بھی نہین ہے کہربا
ہر مزاجِ بلغمی مین ہوتی ہے تولید خون — چاندنی کا پھول ہو گر ارغوانی ہے بجا
نام کو اشیا مین نہ تلخی رہی نہ سمیت — بن گئی تریاک افیون زہر میٹھا ہو گیا
کیا عجب جدوار کی تاثیر گر رکھے زقوم — کیا عجب گر آب حنظل دیوے شربت کا مزا
نیش کی جانوش ہو دنبالۂ زنبور مین — کام مین افعی کے ہو مہرہ بجائے آبلہ
راحت و آرام کا اس دور مین ہے دور دور — چاہیئے واقف نہ ہو دوران سر سے آسیا
موتیا بند آنکھ مین اپنی جو رکھتی ہے صدف — اب رکھے ہے روشنی مثلِ دلِ اہلِ صفا
آگیا اصلاح پر ایسا زمانے کا مزاج — تازیانِ خامہ بھی آتا نہین حرفِ دوا
نسخہ پر لکھتے نہین پاتا ہوا الشافی طبیب — کہتا ہے بیمار بس کر مجھکو بالکل ہے شفا
فرق چاہا یہانتک اعضائے بدن سے درد نے — درد کے جو حرف ہین وہ آپ ہی سب ہین جدا

لاغرون کو ہو کمالِ تاب و طاقت یہ شتاب
کیسے دو ہفتہ ہلال اک شب مین ہو بدر الدجی

صبح صادق کے ہے گو سر مین سفیدی آگئی
لیکن اس پیری مین بھی صادق ہو ایسی اشتہا

بھوک کی شدت سے اُسکو یک نفس فرصت نہو
قرص سے خورشید کے جبتک نہ کرے ناشتا

رات بھر ٹونگا کیا انجم کے دانے چرخ پیر
پھر جو دیکھا صبح کو اصلا شکم مین کچھ نہ تھا

پہونچی یہ تفتیح کی نوبت کہ نوبت خانہ مین
لیتی ہے جی کھولکر کیا کیا ڈکارین کرّنا

کوس پھولا ہے خوشی سے نفخ کا کیا دخل ہے
جون حباب اسکی نہین مطلق شکم مین امتلا

ہضم کامل اسقدر معدہ نے پہونچایا بہم
جید الکیموس ہے جو حلق سے اتری غذا

ہے مزاجِ اہلِ عالم یہ قریبِ اعتدال
ساتون اقلیمین ہین گویا اب بخطِ استوا

رکھیگا تعویذ اور گنڈا کوئی کیون اپنے پاس
باغِ عالم مین یہی عالم جو صحت کا رہا

دیگا طاؤس اپنے بادِ پر سے ساری نقش دھو
پھینکدیگی توڑ کر گنڈا گلے سے فاختہ

اسقدر جاتی رہی عالم سے بیماری کہ آج
نام گلشن مین نہین ہے مرسِ بیمار کا

واقعی کس طرح سے صحت نہ اک عالم کو ہو
جبکہ ہو اُسکی نویدِ غسلِ صحت جانفزا

وہ ولیعہدِ زمان مرزا محمد بو ظفر
اُسکی قوت گر ضعیفونکو بتاوے افویا

تقویت کا یہ اثر ہو عام۔ جو ہین برگ زرد
ہون مقوّیِ دل و جان مثل اوراق طلا

شادی صحت سے اوسکی آج ہو کر شاد شاد
تہنیت خوانی مین ہین سرگرم سب رحت سرا

مین بھی اس رشکِ چمن محفل مین وہ مطلع پڑھون
بلبلِ تصویر سکر بول اُٹھے مرحبا

مطلع دوم

آج ہے عالم مین وہ روزِ سعادت انتمار
دے اگر زاغ و زغن بیضہ تو پیدا ہو ہما

مژدۂ جان بخش صحت ہے ترا ماء الحیات
جس سے جون سیماب کشتہ مردہ دل زندہ ہوا

ہے بقائے عمر سے تیری بقائے عمر خلق
ذات ہے تیری جہان مین چشمۂ آبِ بقا

قطرہ افشانی سے آبِ غسلِ صحت کے ترے
ہون دُرِ خوش آب پیدا اسقدر قوت فزا

ہو وین اشفاق یا تو ہین وہ موتی اگر | بخشے ہیرانِ کہن کو وہ بدون کے قوا
جسم کو مل کر کے دھویا تو نے جسم وقت غسل | گرد کلفت کو دلِ عالم سے گویا دھو دیا
دل عدو سنگدل کا تھا اشتعال سے جو سخت | زیر پا پامال ہوتا تھا برنگِ سنگ پا
خوردہ گل کو صبا لائی تصدق کے لئے | دے گیا ابر بہاری نذر دُرِ بے بہا
شادی صحت کا میری کیا کہون عالم کہ آج | جوش عشرت سے یہ عالم بن گیا عشرت سرا
چھیڑے تارِ شمع کو گر ناخن موجِ نسیم | بزم مین پیدا ہو تا رسا مطرب کی صدا
لب پہ ساغر کے ہے جان موجِ تبسم موجِ مے | شور قلقل لب پہ ہے مینائے مے کے قہقہا
بزم تصویر ہے فانوسِ خیالی کی طرح | حلقہ رقاصگان ہے زیر گردون جابجا
کر رہا صحنِ چمن ہی مین ہے کیا طاؤس رقص | آشیانہ مین ہے رقصان طائرِ قبلہ نما
خانہ ہائے شمع مین بھی پتلیون کا رقص ہے | ہے جو منظورِ نظر سب کو تماشا رقص کا
چھوٹی آتشبازی ایسی جسکی گلکاری کو دیکھ | رات کو کہتے تھے آپس مین ثریا و سہا
صنع آتشبار پر حیرت زدہ ہوتی ہے عقل | سنگ پارس سے کہین بارود کو پیدا تھا کیا
ہو گئی تاثیر اسکی یہ کہ ہر گل ریز سے | ریزہ فولاد نکلے بنکے گلہائے طلا
گنج چھٹتے تھے ستارونکے عجب انداز سے | ماہ پارونکا تھا گویا خندہ دندان نما
منہ ہے کیا جو رنگ سے مہتاب کے ہمتا ہو | غازہ سے ہر چند چمکے رنگ روے مہ لقا
برج جو اڑ کر ہوے قندیل شب زیر فلک | برج تھے جتنے فلک پر سب کو روشن کر دیا
فی الحقیقت یہ وہ شادی ہے کہ اسکے روبرو | جشن جمشیدی کا کچھ مطلق نہین رتبہ رہا
ہے زبانِ خامہ عاجز آگے بس تعریف مین | ذوق کہتا ہے اُٹھا کر ذوق مین دستِ دُعا
رکھے صحت سے ہمیشہ شافی مطلق تجھے | جو ترے بدخواہ ہون وہ رنج مین ہون مبتلا

قصیدہ مسدس دعائیہ

سریر آرائے گردون جبتلک سلطان خاور ہو | قمر دستور اعظم صدر اعلی اسعد اکبر ہو

عطارد میر منشی زہرہ ناظر آسمان پر ہو — زحل میر عمارت ترک گردون میر لشکر ہو
سر ہفت آسمان جبتک کہ دور ہفت اختر ہو
الٰہی یہ بہادر شاہ شاہِ ہفت کشور ہو

رہے نام سلیمان تا نگین حکمرانی سے — رہے نام فریدون تا درفش کاویانی سے
رہے دارا کو تا نام آوری تاج کیانی سے — سکندر تا ہو نامی سکہ کشورستانی سے
ترا اے خسروِ والاحشم عالم مسخر ہو
سریرِ سلطنت پر تو ہمیشہ دادگستر ہو

بخارِ ارض سے تا ابر ہو اور ابر مین پانی — روان پانی سے تا دریا ہو اور دریا کو طغیانی
زمین مین تا ہو کان اور کان مین ہو جوہرِ کانی — پے جوہر ہو قیمت اور قیمت کو فراوانی
تری شمشیر جوہر دار مین نصرت کا جوہر ہو
ترے قبضہ مین بحرِ پُر گہر ہو کان پُر زر ہو

رکھین تا عود کو آتش پہ اور آتش کو مجمر مین — گلِ تر تا ہو گلدان مین ترے ہو تا گلِ تر مین
رہے نافہ مین مشکِ اذفر اور بو مشکِ اذفر مین — صدف مین تا ہو گوہر اور ہو تا آب گوہر مین
ترے ابرِ کرم سے باغِ عالم تازہ و تر ہو
شمیمِ خلق سے تیرے جہان یکسر معطر ہو

طریقِ رہبری مین فقر ہو جبتک ہدایت فن — سہارا ہووے تا بحرِ غریق الیاس کا دامن
رہے اوریس تا قطع تعلق سے جنان مسکن — مسیحا کا ہو بالاخانہ تا خورشید سے روشن
چراغِ عمر سے تیرے جہان سارا منور ہو
فروغ اسلام کو ہو رونقِ دینِ پیمبر ہو

شفق گلگونہ ہو جبتک سحر کے روئے نیکو کو — کرے آراستہ تا شام اپنے موئے گیسو کو
ترا ورنج تا انسان کے ہووے بازو کو — کرے وسمہ سے تا قوس قزح سبز اپنے ابرو کو

لبِ پا نخوردہ دشمن کے لہو سے تیرا خنجر ہو
بسر بدخواہ خندق تیرے انگشت سنان پر ہو

گلستانمین ہو تا گل اور گل سے شاخ ہو زیبا — نیستان مین ہو نانے اور نے سے نغمہ ہو پیدا
نہال تاک مین انگور ہو انگور مین صہبا — نشہ صہبا مین ہو اور ہو نشہ جبتک نشاط افزا
شرابِ عیش سے خالی کبھی تیرا نہ ساغر ہو
ہمیشہ جشن جمشیدی سے تیرا جشن بہتر ہو

قلم تا راستی پیشہ ہو اور کاغذ صفا آئین — قلمزن تا ہو مشک افشان و کاغذ خط ای مشک آگین
زبان پر تا سخن ہو اور سخن مین معنی رنگین — سخن تا داد چاہے اور تا اہلِ سخن تحسین
ترا مداح دائم خسرو ذوقِ سخنور ہو
ہمیشہ تہنیت خوان ہو دعا گو ہو ثنا گو ہو

سہرا

نواب زینت محل کو بادشاہ کے مزاج مین بہت دخل تھا۔ مرزا جوان بخت اُنکے بیٹے تھے اور باوجودیکہ بہت مرشدزادون سے چھوٹے تھے مگر بیگم کی خاطر سے اُنکی ولی عہدی کے لئے کوشش کر رہے تھے۔ اُنکی شادی کا موقع آیا۔ بڑی دھوم دھام کے سامان ہوئے۔ بیگم کی ایما سے غالب مرحوم نے یہ سہرا لکھکر زرنگار کاغذ پر لکھکر ایک سونے کی کشتی مین رکھکر بڑے تکلف کے ساتھ حضور مین گذرانا۔

خوش ہو اے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا — باندھ شہزادے جوان بخت کے سر پر سہرا
کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے — ہے ترے حسن دل افروز کا زیور سہرا
سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے پر اے طرف کلاہ — مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا نمبر سہرا
ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہونگے موتی — تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا
رُخ پہ دولھا کے جو گرمی سے پسینا ٹپکا — ہے رگِ ابر گہر بار سراسر سہرا
یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے — رُک گیا آن کے دامن کے برابر سہرا

جی مین اترائین نہ موتی کہ ہین مین اک چیز — جاہئے پھولون کا بھی ایک مقرر سہرا
جبکہ اپنے مین سمائین نہ خوشی کے مارے — گوندھے پھولون کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا
رخ روشن کی دمک گوہر غلطان کی چمک — کیون نہ دکھلائے فروغ مہ و اختر سہرا
تار ریشم کا نہین ہے یہ رگ ابر بہار — لائیگا تاب گرانباری گوہر سہرا
ہم سخن فہم ہین غالب کے طرفدار نہین — دیکھین اس سہرے سے کہدے کوئی بہتر سہرا

جب سہرے کو ملاحظہ فرمایا تو مقطع کو دیکھکر حضور کو بھی خیال بلکہ ملال ہوا۔ ذوق مرحوم جو حسب معمول حضور مین گئے تو وہ سہرا دیا کہ اُستاد اسے تو دیکھو۔ انھون نے پڑھا اور بموجب عادت کے عرض کی پیر و مرشد درست۔ بادشاہ نے کہا تم بھی ایک سہرا لکھدو۔ عرض کی بہت خوب۔ پھر فرمایا کہ ابھی لکھدو۔ اور کہا کہ مقطع کو بھی دیکھا۔ عرض کی حضور دیکھا۔ عرض بیٹھ گئے اور دعا کیا۔

اے جوان بخت مبارک تجھے سر پر سہرا — آج ہے یمن و سعادت کا ترے سر سہرا
آج وہ دن ہے کہ لائے دُرِ انجم سے فلک — کشتی زرین مہ نو کی لگا کر سہرا
تابش حسن سے مانند شعاع خورشید — رخ پُر نور پہ ہے تیرے منور سہرا
وہ کہے صل علی۔ یہ کہے سبحان اللہ — دیکھے ٹھہرے یہ جو تیرے مہ و اختر سہرا
تا بنے اور بنی بن رہے اخلاص بہم — گوندھئے سورۂ اخلاص کو پڑھکر سہرا
دھوم ہے گلشن آفاق مین اس سہرے کی — کائین مرغان نوا سنج نہ کیونکر سہرا
روے فرخ پہ جو ہین تیرے برستے انوار — تار بارش سے بنا ایک سراسر سہرا
ایک کو ایک پہ تزئین ہے دم آرایش — سر پہ دستار ہے دستار کے اوپر سہرا
ایک گہر بھی نہین صدکان گہر مین چھوڑا — تیرا بنوایا ہے لے لے کے جو گوہر سہرا
پھرتی خوشبو سے ہے اترائی ہوئی باد بہار — اللہ اللہ رے پھولون کا معطر سہرا
سر پہ طرہ ہے مزین تو گلے مین بدھی — کنگنا ہاتھ مین زیبا ہے تو سر پر سہرا
رونمائی مین تجھے دے مہ و خورشید و فلک — کھولدے منہ کو جو تو منہ سے اٹھا کر سہرا

کثرتِ تارِ نظر سے ہے تماشائیون کے — دم نظارہ ترے روئے نکو پر سہرا
دُرِ خوش آبِ مضامین سے بنا کر لایا — واسطے تیرے ترے ذوقِ ثنا گر سہرا
جن کو دعویٰ ہو سخن کا یہ سنا دو اُنکو — دیکھو اس طرح سے کہتے ہین سخنور سہرا

مرزا بڑے ادا شناس تھے۔ جب اُنکو اسکی خبر ہوئی۔ مجھے کہ کیا تھا کچھ اور ہو گیا کچھ اور۔ یہ قطعہ لکھکر حضور مین گذرانا۔ سب طرف سے تعریفین ہوئین۔

منظور ہے گذارشِ احوال واقعی — اپنا بیان حسنِ طبیعت نہین مجھے
سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہگری — کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہین مجھے
آزادہ رو ہون اور مرا مسلک ہے صلح کل — ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہین مجھے
کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہون — مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہین مجھے
استادشہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال — یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہین مجھے
جامِ جہان نما ہے شہنشاہ کا ضمیر — سوگند اور گواہی کی حاجت نہین مجھے
مین کوام اور ریختہ مین اس سوا — جز انبساط خاطرِ حضرت نہین مجھے
سہرا لکھا گیا تھا زرہ امتثال امر — دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہین مجھے
مقطع مین آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات — مقصود اس سے قطع محبت نہین مجھے
روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ — سودا نہین جنون نہین وحشت نہین مجھے
قسمت بُری سہی پہ طبیعت بُری نہین — ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہین مجھے
صادق ہون اپنے قول کا غالب خدا گواہ — کہتا ہون سچ کہ جھوٹ کی عادت نہین مجھے

غزلیات

اُسے ہمنے بہت ڈھونڈا نہ پایا — اگر پایا تو کھوج اپنا نہ پایا
جس انسان کو سگِ دنیا نہ پایا — فرشتہ اُسکا ہمپایہ نہ پایا
مقدر ہی پہ گر سود و زیان ہے — تو ہم نے یان نہ کچھ کھویا نہ پایا

سراغِ عمرِ رفتہ ہاتھ کیا آئے — کہین جسکا نشانِ پا نہ پایا
کرے کیا سیرِ دل ملکِ فنا کی — کہ اس بازار مین سودا نہ پایا
رہ گم شدگشتگی مین ہم نے اپنا — غبارِ راہ بھی عنقا نہ پایا
رہا ٹیڑھا مثالِ نیش کژدم — کبھی کج فہم کو سیدھا نہ پایا
فلک کے گنبدِ بے در سے ہم تو — نکلجاتے مگر رستہ نہ پایا
جہان دیکھا کسی کے ساتھ دیکھا — کہین ہمنے تجھے تنہا نہ پایا
چراغِ داغ لیکر دل مین ڈھونڈا — اثر پر صبر و طاقت کا نہ پایا
وہ از خود رفتہ ہون جسکو خودی نے — خدائی مین اگر ڈھونڈا نہ پایا
یہی ہر دم ہے زخمِ دل کو رونا — دہن پایا لبِ گویا نہ پایا
کبھی تو اور کبھی تیرا رہا غم — غرض خالی دلِ شیدا نہ پایا
نظیر اُسکا کہان عالم مین اے ذوق — کہین ایسا نہ پائے گا نہ پایا

۲

مرے سینہ سے تیرا تیر جب اے جنگ جو نکلا — دہانِ زخم سے خون ہو کے حرفِ آرزو نکلا
مرا گھر تیرا منزل گاہ ہوا ایسے کہان طالع — خدا جانے کدھر کا چاند آج ای ماہرو نکلا
پھر اگر آسمان تو شوق مین تیرے ہی سرگرداں — اگر خورشید نکلا تیرا گرمِ جستجو نکلا
مئے عشرت کا تھا خمخانہ افلاک پر دھوکا — کہ تھا لبریز غم اس غمکدہ سے جب سبو نکلا
کہین تجھکو نہ پایا گرچہ ہمنے اک جہان ڈھونڈا — پھر آخر دل ہی مین دیکھا بغل ہی مین سے تو نکلا
خجل اپنے گناہون سے ہون یہانتک مین کہ جب رویا — تو جو آنسو مری آنکھون سے نکلا سرخرو نکلا
گھسے سب ناخنِ تدبیر اور ٹوٹی سرِ سوزن — مگر تھا دل مین جو کانٹا نہ وہ ہرگز کبھو نکلا

اُسے عیار پایا یار سمجھے ذوق ہم جس کو
جسے یان دوست اپنا ہم نے جانا وہ عدو نکلا

۳

لکھئے اُسے خط مین کہ ستم اُٹھ نہین سکتا
پر ضعف سے ہاتھ مین ہے قلم اُٹھ نہین سکتا

بیمار ترا صورت تصویر نہالی
کیا اُٹھے سر بسترِ غم اُٹھ نہین سکتا

آتی ہے صدا جرسِ ناقۂ لیلےٰ
پر حیف کہ مجنون کا قدم اُٹھ نہین سکتا

جون دانۂ روئیدہ تہِ خاک ہمارا
سر زیر گران بار الم اُٹھ نہین سکتا

ہر داغ معاصی مرا اُس دامنِ تر سے
جون حرف سرِ کاغذِ نم اُٹھ نہین سکتا

اتنا ہون ترے تیغ کا شرمندۂ احسان
سر میرا ترے سر کی قسم اُٹھ نہین سکتا

پردہ درِ کعبہ سے اٹھانا تو ہے آسان
پر پردۂ رخسارِ صنم اُٹھ نہین سکتا

کیون اتنا گران بار ہے جو زاد سفر بھی
اے راہ رو ملک عدم اُٹھ نہین سکتا

دنیا کا زر و مال کیا جمع تو کیا ذوق
کچھ فائدہ بے دستِ کرم اُٹھ نہین سکتا

۴

نالہ کہتا ہے کہ تا چرخ زحل جاؤنگا
بلکہ مین توڑ کے اُسکو بھی نکل جاؤنگا

آج اگر راہ نہ پاؤنگا تو کل جاؤنگا
کوچۂ یار مین پر سر ہی کے بل جاؤنگا

دل سے کہتا ہون کہ تو ساتھ نہ لیجا مجکو
جا کے مین وان ترے قابو سے نکل جاؤنگا

مدرسہ مین بھی اگر جاؤنگا تو جائے کتاب
شیشۂ بادہ لئے زیرِ بغل جاؤنگا

دل یہ کہتا ہے مجھے سینۂ روزن سے نکال
ورنہ خون ہو کے مین آنکھون سے نکل جاؤنگا

آنکھ سے اشک صفت مجکو گرا کر نہ اُٹھا
دل نہین مین کہ سنبھالے سے سنبھل جاؤنگا

گر پڑا آگ مین پروانہ دمِ گرمی شوق
سمجھا اتنا بھی نہ کم بخت کہ جل جاؤنگا

کہتا پیراہنِ گل ہے یہ نزاکت سے نسیم
ہاتھ مجکو نہ لگانا کہ نکل جاؤنگا

سنتے ہو زاہد و ناصح جو ہین سمجھاتے مجھے
کیا بدل دیوینگے یہ اور مین بدل جاؤنگا

مین وہ مشتاق شہادت ہون کہ سر دینے کو
پائے کوبان تہِ شمشیر اجل جاؤنگا

جنبشِ رگ صفت باغ جہانمین ای ذوق
کچھ نہ ہاتھ آئیگا تو ہاتھ تو مل جاؤنگا

۵

ابر کیا۔ آنسو بہانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
برق کیا ہے۔ تلملانا کوئی ہمسے سیکھ جائے

پوچھے ملا سے جسے کرنا ہو سجدہ سہو کا
سیکھے گر اپنا بھلانا کوئی ہمسے سیکھ جائے

تیر و پیکان جتنے دلمین تھے دئے ہمنے نکال
اپنے ہاتھون گھر لٹانا کوئی ہمسے سیکھ جائے

دیکھ کر قاتل کو پھر لائے خراشِ دلمین خون
سچ تو یون ہے مسکرانا کوئی ہمسے سیکھ جائے

خط مین لکھوا کر انھین بھیجا تو مطلع درد کا
درد دل اپنا جتانا کوئی ہمسے سیکھ جائے

تیغ تو اوچھی پڑی تھی گر پڑے ہم آپ سے
دل کو قاتل کے بڑھانا کوئی ہمسے سیکھ جائے

جب کہا مرتا ہون۔ وہ بولے مرا سر کاٹ کر
جھوٹ کو سچ کر دکھانا کوئی ہمسے سیکھ جائے

وہان ہلے ابرو۔ یہان پھیری گلے پر ہمنے تیغ
بات کا ایما بھی پانا کوئی ہمسے سیکھ جائے

سنکر آمد انکی از خود رفتہ ہو جاتے ہین ہم
پیشوا لینے کو جانا کوئی ہمسے سیکھ جائے

ہمنے پہلے ہی کہا تھا تو کریگا ہم کو قتل
تیورون کا تاڑ جانا کوئی ہمسے سیکھ جائے

جو سکھایا اپنی قسمت نے وگرنہ اسکو غیر
کیا سکھائیگا سکھانا کوئی ہمسے سیکھ جائے

کیا ہوا اے ذوق ہین جون مردمک ہم روسیاہ
لیکن آنکھون مین سمانا کوئی ہمسے سیکھ جائے

۶

سر بوقتِ ذبح دینا۔ اسکے زیرِ پائے ہے
یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

رخصت اے زندان جنون زنجیر در کھڑکائے ہے
مژدہ خارِ دشت پھر تلوا مرا کھجلائے ہے

واہ وا شورِ محبت خوب ہی چھڑکا نمک
استخوان میرا ہما کس کس مزے سے کھائے ہے

دم کی ہے سینہ مین آکر ضعف سے یہ گفتگو
دیکھئے لب تک خدا کسطرح سے پہنچائے ہے

بس کرم سوزِ درون سہن جائینگے دل اور جگر
رحم جوشِ گریہ۔ چھاتی پھر ابھی بھر آئے ہے

بل بے استغنا کہ وہ یان آتے آتے رہ گئے
اُف رے بیتابی۔ کہ یان تو دم ہی نکلا جائے ہے

نزع مین بھی ذوق کو تیرا ہی بس ہے انتظار
جانبِ در دیکھ لے ہے جبکہ موش آجاے ہے

۷

دیوان چندو لال مدار المہام دربار حیدرآباد نے کئی ہزار روپے بھیجکر بلا بھیجا۔ اور مصرع اپنی طرح مشاعرہ کا بھیجا۔ ذوق مرحوم نے زمین مذکور مین دو غزلہ کہکر بھیجدیا۔ اور روپیہ نہ لیا۔ اُسی سے یہ چند اشعار انتخاب کرکے یہان لکھے گئے۔

کل گئے تھے تم جسے بیمار ہجران چھوڑ کر
چل بسا وہ آج سب ہستی کا سامان چھوڑ کر

طفل اشک ایسا گرا دامان مژگان چھوڑ کر
پھر نہ اُٹھا کوچۂ چاکِ گریبان چھوڑ کر

کام یہ تیرا ہی تھا رحمت ہوا ے ابرِ کرم
ورنہ جاے داغ عصیان میرا دامان چھوڑ کر

مین ہون وہ گمنام جب دفتر مین نام آیا مرا
رہ گیا بس منشیِ قدرت جگہ دان چھوڑ کر

اہل جوہر کو وطن مین رہنے دیتا گر فلک
لعل کیون اس رنگ سے آتا بدخشان چھوڑ کر

گر خدا دیوے قناعت ماہ یک ہفتہ کی طرح
دوڑے ساری کو کبھی آدھی نہ انسان چھوڑ کر

گرچہ ہے ملکِ دکن مین اندنون قدرِ سخن
کون جاے ذوق پر دلی کی گلیان چھوڑ کر

۸

بلبل ہون صحنِ باغ سے دور اور شکستہ پر
پروانہ ہون چراغ سے دور اور شکستہ پر

کیا ڈھونڈے دشت گمشدگی مین مجھے کہ ہے
عنقا مرے سراغ سے دور اور شکستہ پر

اس مرغ ناتوان پہ ہے حسرت جو رہ گیا
مرغان کوہ و راغ سے دور اور شکستہ پر

ساقی بطِ شراب ہے تجھ مین پڑی ہوئی
خم سے الگ ایاغ سے دور اور شکستہ پر

خود اڑکے پہونچے نامہ جو ہو مرغ نامہ بر
اُس شوخ خوش دماغ سے دور اور شکستہ پر

کرتا ہے دل کا قصد کماندار تیر اتیر
پر ہے نشانِ داغ سے دور اور شکستہ پر

اے ذوق میرے طائرِ دل کو کہان فراغ
کوسون ہے وہ فراغ سے دور اور شکستہ پر

۹

لائی حیات آئے۔ قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

بہتر تو ہے یہی کہ نہ دنیا سے دل لگے
پر کیا کریں جو کام نہ بے دل لگے چلے

ہم ہوئے اس بساط پہ ہم جیسے بد قمار
جو چال ہم چلے سو نہایت بری چلے

ہو عمر خضر بھی تو کہیں گے بوقت مرگ
ہم کیا رہے یہاں ابھی آئے ابھی چلے

نادان نہ ہو خرد پہ جو ہونا ہو وہ ہی ہو
دانش تری نہ کچھ مری دانشوری چلے

دنیا نے کس کا راہ فنا میں دیا ہے ساتھ
تم بھی چلے چلو یونہیں جبتک چلی چلے

جاتے ہوائے شوق میں ہیں اس چمن سے ذوق
اپنی بلا سے باد صبا اب کبھی چلے

انتخاب از کلیات غالب

قصیدہ

ہاں مہ نو سنیں ہم اُسکا نام
جسکو تو جھک کے کر رہا ہے سلام

دو دن آیا ہے تو نظر دم صبح
یہی انداز اور یہی اندام

بارے دو دن کہاں رہا غائب
بندہ عاجز ہے گردش ایام

اُڑ کے جاتا کہاں کہ تارون کا
آسمان نے بچھا رکھا تھا دام

عذر ہیں تین دن نہ آنے کے
لیکے آیا ہے عید کا پیغام

اُسکو بھولا نہ چاہیے کہنا
صبح جو جائے اور آئے شام

ایک میں تھا کہ سب نے جان لیا
تیرا آغاز اور ترا انجام

راز دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے
مجھکو سمجھا ہے کیا کہیں نمام

جانتا ہوں کہ آج دنیا میں
ایک ہی ہے امید گاہ انام

بیٹے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش
غالب اُسکا مگر نہیں ہے غلام

جانتا ہون کہ جانتا ہے تو — تب کہا ہے بطرز استفہام
مہر تابان کو ہو تو ہو اے ماہ — قرب ہر روزہ بر سبیل دوام
تجکو کیا پایہ روشناسی کا — جز بہ تقریب عید ماہ صیام
جانتا ہون کہ اُسکے فیض سے تو — پھر بنا چاہتا ہے ماہ تمام
ماہ بن ماہتاب بن مین کون — مجکو کیا بانٹ دیگا کیا انعام
میرا اپنا جدا معاملہ ہے — اور کے لین دین سے کیا کام
ہے مجھے آرزوئے بخشش خاص — گر تجھے ہے امید بخشش عام
جو کہ بخشیگا تجکو فرّہ فروغ — کیا نہ دیگا مجھے مے گلفام
جبکہ چودہ منازلِ فلکی — کر چکی قطع تیری تیزی گام
تیرے پرتو سے ہون فروغ پذیر — کوے و مشکوے و صحن و منظر و بام
دیکھنا میرے ہاتھ مین لبریز — اپنی صورت کا اک بلورین جام

آفتاب

صبحدم دروازۂ خاور کھلا — مہر عالمتاب کا منظر کھلا
خسروِ انجم کے آیا صرف مین — شب کو تھا گنجینۂ گوہر کھلا
وہ بھی تھی اک کیمیا کی سی نمود — صبح کو رازِ مہ و اختر کھلا
ہین کو اکب کچھ نظر آتے ہین کچھ — دیتے ہین دھوکا یہ بازیگر کھلا
سطح گردون پر پڑا تھا رات کو — موتیون کا ہر طرف زیور کھلا
صبح آیا جانبِ مشرق نظر — اک نگارِ آتشین رخ سر کھلا
تھی نظر بندی کیا جب روسحر — بادۂ گلرنگ کا ساغر کھلا

لا کے ساقی نے صبوحی کے لئے
رکھدیا ہے ایک جام زر کھلا

در صفت انبہ

ہان دلِ دردمند زمزمہ ساز — کیون نہ کھولے درِ خزینۂ راز
خامے کا صفحہ پر روان ہونا — شاخ گل کا ہے گلفشان ہونا
مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھئے — نکتہ ہائے خرد فزا لکھئے
بارے آمون کا کچھ بیان ہو جائے — خامہ نخلِ رطب فشان ہو جائے
آم کا کون مرد میدان ہے — ثمر و شاخ گوے و چوگان ہے
تاک کے جی مین کیون رہے ارمان — آئے یہ گوے اور یہ میدان
آم کے آگے پیش جاوے خاک — پھوڑتا ہے جلے پھپھولے تاک
نہ چلا جب کسی طرح مقدور — بادۂ ناب بن گیا انگور
یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے — شرم سے پانی پانی ہونا ہے
مجھ سے پوچھو تمھین خبر کیا ہے — آم کے آگے نیشکر کیا ہے
نہ گل اُسمین نہ شاخ و برگ نہ بار — جب خزان آئے تب ہو اُسکی بہار
[illegible] — جان شیرین ہیں یہ مٹھاس کہان
جان مین ہوتی گر یہ شیرینی — کوہ کن با وجود سنگینی
جان دینے مین اُسکو یکتا جان — پر وہ یون سہل دے نہ سکتا جان
نظر آتا ہے یون مجھے یہ ثمر — کہ دوا خانۂ ازل مین مگر
آتشِ گل پہ قند کا ہے قوام — شیرہ کے تار کا ہے ریشہ نام
یا یہ ہوگا کہ فرط رافت سے — باغبانون نے باغ جنت سے
انگبین کے بہ حکم رب الناس — بھر کے بھیجے ہین سر بمہر گلاس
یا لگا کر خضر نے شاخ نبات — مدتون تک دیا ہے آب حیات
تب ہوا ہے ثمر فشان یہ نخل — ہم کہان ورنہ اور کہان یہ نخل

تھا ترنج زر ایک خسرو پاس — رنگ کا زرد پر کہان بو باس
آم کو دیکھتا اگر یک بار — پھینک دیتا طلائے دست افشار
رونقِ کارگاہ برگ و نوا — نازشِ دود مان آب و ہوا
رہروِ راہِ خلد کا توشہ — طوبیٰ و صدرہ کا جگر گوشہ
صاحبِ شاخ و برگ و بار ہے آم — نادر پروردۂ بہار ہے آم

قطعہ

اے تازہ داردان ہوائے بساط دل — زنہار اگر تمھین ہوس نائے و نوش ہے
دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو — میری سنو جو گوش نصیحت نیوش ہے
یا سب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط — دامان باغبان و کفِ گلفروش ہے
لطفِ خرام ساقی و ذوقِ صدائے چنگ — یہ جنتِ نگاہ وہ فردوس گوش ہے
یا صبحدم جو دیکھیے آکر تو بزم مین — نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے
داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی — اک شمع رہگئی ہے سو وہ بھی خموش ہے
آتے ہین غیب سے یہ مضامین خیال مین — غالب صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

غزلیات

دوست غمخواری مین میری سعی فرمائینگے کیا — زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئینگے کیا
بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کبتلک — ہم کہینگے حال دل اور آپ فرمائینگے کیا
حضرت ناصح گر آوین دیدہ و دل فرش راہ — کوئی مجکو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائینگے کیا
آج وان تیغ و کفن باندھے ہوئی جاتا ہون مین — عذر میرے قتل کرنے مین وہ اب لائینگے کیا
گر کیا ناصح نے ہمکو قید اچھا یون سہی — یہ جنونِ عشق کے انداز چھٹ جائینگے کیا
خانہ زاد زلف ہین زنجیر سے بھاگینگے کیون — ہین گرفتارِ وفا زندان سے گھبرائینگے کیا
ہے اب اس معمورہ مین قحط غم الفت اسد — ہمنے مانا یہ کہ دلی مین رہین کھائینگے کیا

۲

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

ترے وعدہ پر جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

یہ کہان کی دوستی ہے کہ بنے ہین دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا

کہون کس سے مین کہ کیا ہے شبِ غم بُری بلا ہے
مجھے کیا بُرا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیون نہ غرق دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہین مزار ہوتا

اُسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہین دوچار ہوتا

یہ مسائلِ تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

۳

ہے بسکہ ہر اک اُنکے اشارے مین نشان اور
کرتے ہین محبت تو گذرتا ہے گمان اور

یارب وہ نہ سمجھے ہین نہ سمجھینگے مری بات
دے اور دل انکو جو نہ دے مجکو زبان اور

تم شہر مین ہو تو ہمین کیا غم جب اُٹھینگے
لے آئین گے بازار سے جا کر دل و جان اور

ہے خونِ جگر جوش مین دل کھول کے روتا
ہوتے جو کئی دیدۂ خونابہ فشان اور

لوگون کو ہے خورشید جہان تاب کا دھوکا
ہر روز دکھاتا ہون مین اک داغ نہان اور

لیتا نہ اگر دل تمھین دیتا کوئی دم چین
کرتا جو نہ مرتا کوئی دن آہ و فغان اور

پاتے نہین جب راہ تو چڑھ جاتے ہین نالے
رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

ہین اور بھی دنیا مین سخنور بہت اچھے
کہتے ہین کہ غالب کا ہے انداز بیان اور

۴

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور
تنہا گئے کیون اب رہو تنہا کوئی دن اور

آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤن
مانا کہ ہمیشہ نہین اچھا کوئی دن اور

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملینگے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

ہان اے فلکِ پیر جوان تھا ابھی عارف
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

تم ماہ شبِ چار دہم تھے مرے گھر کے
پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور

تم کون سے ایسے تھے کھرے داد و ستد کے
کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

مجھ سے تمھیں نفرت سہی نیر سے لڑائی
بچون کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور

گذری نہ بہر حال یہ مدت خوش و ناخوش
کرنا تھا جواں مرگ گزارا کوئی دن اور

نادان ہو جو کہتے ہو کیوں جیتے ہین غالب
قسمت مین ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

۵

آہ کو چاہئے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

دام ہر موج مین ہے حلقۂ صد کام نہنگ
دیکھین کیا گذرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب
دل کا کیا رنگ کرون خون جگر ہونے تک

ہمنے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن
خاک ہو جائینگے ہم تمکو خبر ہونے تک

پرتوِ خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
مین ہی ہون ایک عنایت کی نظر ہونے تک

یک نظر بیش نہین فرصتِ ہستی غافل
گرمیِ بزم ہے اک رقصِ شرر ہونے تک

غمِ ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ مین جلتی ہے سحر ہونے تک

۶

سب کہان کچھ لالہ و گل مین نمایان ہوگئین
خاک مین کیا صورتین ہونگی کہ پنہان ہوگئین

یاد تھین ہمکو بھی رنگا رنگ بزم آرائیان
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیان ہوگئین

قید مین یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر
لیکن آنکھین روزنِ دیوارِ زندان ہوگئین

مین چمن مین کیا گیا گویا دبستان کھل گیا
بلبلین سنکر مرے نالے غزل خوان ہوگئین

بسکہ روکا مینے اور سینے مین اُبھرین پے بہ پے
میری آہین بخیۂ چاکِ گریبان ہوگئین

ہم موحد ہین ہمارا کیش ہے ترک رسوم
ملتین جب مٹ گئین اجزاے ایمان ہوگئین

رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹجاتا ہے رنج
مشکلین مجھپر پڑین اتنی کہ آسان ہوگئین

یون ہی گر روتا رہا غالب تو اے اہل جہان
دیکھنا ان بستیون کو تم کہ ویران ہوگئین

۷

ابن مریم ہوا کرے کوئی
میرے دُکھ کی دوا کرے کوئی

نہ سنو گر بُرا کہے کوئی
نہ کہو گر بُرا کرے کوئی

روک لو گر غلط چلے کوئی
بخش دو گر خطا کرے کوئی

کون ہے جو نہین ہے حاجتمند
کس کی حاجت روا کرے کوئی

کیا کیا خضر نے سکندر سے
اب کسے رہنما کرے کوئی

جب توقع ہی اُٹھ گئی غالب
کیون کسی کا گلہ کرے کوئی

۸

پھر اس انداز سے بہار آئی
کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی

دیکھو اے ساکنان خطۂ خاک
اس کو کہتے ہین عالم آرائی

کہ زمین ہوگئی ہے سر تا سر
روکش سطح چرخ مینائی

سبزہ کو جب کہین جگہہ نہ ملی
بنگیا روے آب پر کائی

سبزہ و گل کے دیکھنے کے لئے
چشم نرگس کو دی ہے بینائی

ہے ہوا مین شراب کی تاثیر
بادہ نوشی ہے بادہ پیمائی

کیون نہ دنیا کو ہو خوشی غالب
شاہ دیندار نے شفا پائی

۹

کوئی امید بر نہین آتی
کوئی صورت نظر نہین آتی

موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیون رات بھر نہین آتی

آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہین آتی

جانتا ہون ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہین آتی

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہون
ورنہ کیا بات کر نہین آتی

ہم وہان ہین جہان سے ہمکو بھی
کچھ ہماری خبر نہین آتی

مرتے ہین آرزو مین مرنے کے
موت آتی ہے پر نہین آتی

کعبہ کس مُنہ سے جاؤگے غالب
شرم تمکو مگر نہین آتی

۱۰

دلِ نادان تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

ہم ہین مشتاق اور وہ بیزار
یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے

مین بھی مُنہ مین زبان رکھتا ہون
کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے

جبکہ تجھ مین نہین کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہین
غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے

شکنِ زلف عنبرین کیون ہے
نگہِ چشمِ سرمہ سا کیا ہے

سبزہ و گل کہان سے آئے ہین
ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے

ہم کو اُن سے وفا کی ہے اُمید
جو نہین جانتے وفا کیا ہے

ہان بھلا کر ترا بھلا ہوگا
اور درویش کی صدا کیا ہے

جان تمپر نثار کرتا ہون
مین نہین جانتا دعا کیا ہے

مینے مانا کہ کچھ نہین غالب
مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے

۱۱

کی وفا ہمسے تو غیر اسکو جفا کہتے ہین
ہوتی آئی ہے کہ اچھون کو بُرا کہتے ہین

آج ہم اپنی پریشانیِ خاطر اُن سے
کہنے جاتے تو ہین پر دیکھئے کیا کہتے ہین

اگلے وقتوں کے ہین یہ لوگ انھین کچھ نہ کہو
جو مئے و نغمہ کو اندوہ ربا کہتے ہین

دلمین آجاے ہے ہوتی ہی جو فرصت غش سے
اور پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہین

ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود
قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہین

دیکھئے لاتی ہے اُس شوخ کی نخوت کیا رنگ
اُسکی ہر بات پہ ہم نام خدا کہتے ہین

وحشت و شیفتہ اب مرثیہ گوین شاید
مرگیا غالبِ آشفتہ نوا کہتے ہین

میر ببر علی انیس

پیدایش فیض آباد ۱۲۱۶ھ — وفات لکھنؤ ۱۲۹۱ھ

میر مستحسن خلیق کے بیٹے اور میر حسن دہلوی کے پوتے تھے۔ لکھنؤ مین تربیت پائی اور ضروریات فن سے آگاہی حاصل کی۔ اپنے خاندانی کمال مین باپ کے شاگرد تھے۔

ابتدا مین انھین بھی غزل کا شوق تھا۔ ایک موقع پر کہین مشاعرہ مین گئے اور غزل پڑھی۔ وہان بڑی تعریف ہوئی۔ شفیق باپ یہ خبر سنکر دلمین تو باغ باغ ہوا۔ مگر ہونہار فرزند سے پوچھا کہ کل رات کو کہان گئے تھے؟ انھون نے حال بیان کیا۔ غزل سنی اور فرمایا کہ بھائی! اب اس غزل کو سلام کرو اور اُس شغل مین زور طبع کو صرف کرو جو دین و دنیا کا سرمایہ ہے۔ سعادت مند بیٹے نے اُسی دن اُدھر سے قطع نظر کی۔ غزل مذکور کی طرح مین سلام لکھا۔ دنیا کو چھوڑ کر دین کے دایرہ مین آگئے اور تمام عمر اسی مین صرف کر دی۔ نیک نیتی کی برکت نے اسی مین دین بھی دیا اور دنیا بھی۔

انکی بلکہ انکے گھرانے کی زبان اُردوے معلیٰ کے لحاظ سے تمام لکھنؤ مین سند تھی۔ حسن بیان۔ لطف محاورہ۔ کلام کی صفائی اسدرجہ ہے کہ کسی دوسرے کو نصیب نہین۔ انھون نے ایجاد مضامین کے دریا بہا دئے۔ ایک مقرری مضمون کو سیکڑون نہین ہزارون رنگ سے ادا کیا۔ ہر مرثیہ کا چہرہ نیا۔ گھوڑا نیا۔ انداز نیا۔ مقابلہ نیا۔ اور اسپر کیا منحصر ہے صبح کا عالم دیکھو تو سبحان اللہ۔ رات کی رخصت۔ سیاہی کا پھٹنا۔ نور کا ظہور۔ آفتاب کا طلوع۔ مرغزار کی بہار۔ شام ہے تو شام غریبان کی اُداسی۔ کبھی رات کا سناٹا۔

کبھی تارون کی چھانون کو چاندنی اور اندھیری کے ساتھ رنگ رنگ سے دکھایا ہے۔ غرض
جس حالت کو لیا ہے اُسکا سما باندھ دیا ہے

سنہ ولادت کا کسی تذکرہ سے پتہ نہین چلتا۔ مگر یہ معلوم ہے کہ تقریباً ۴۰ برس کی عمر پائی
اور ۲۹ رشوال ۱۲۹۱ھ بروز جمعہ اس جہان فانی سے آپنے رحلت کی۔

مناجات

یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر — اے ابر کرم خشک زراعت پہ کرم کر
توفیض کا میدان ہے توجہ کوئی دم کر — گمنام کو اعجاز بیانون مین رقم کر
جبتک یہ چمک مہر کے پرتو سے نجائے
اقلیم سخن میرے قلمرو سے نجائے

اس باغ مین چشمے ہین ترے فیض کے جاری — بلبل کی زبان پر ہے تری شکرگذاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرتِ باری — پھل ہمکو بھی ملجائے ریاضت کا ہماری
وہ گل ہو عنایت چمنِ طبع تلکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پھولونکی بو کو

غواص طبیعت کو عطا کر وہ لآلی — ہو جنکی جگہہ تاج سرِ عوش پہ خالی
ایک ایک لڑی نظم ثریا سے ہو عالی — عالم کی نگاہون سے گرے قطب شمالی
سب ہون دُرِ یکتا نہ علاقہ ہو کسی سے
نذر اُنکی یہ ہونگے جنھین رشتہ ہے نبی سے

بھردے دُرِ مقصود سے اس درج دہان کو — دریائے معانی سے بڑھا طبع روان کو
آگاہ کر انداز تکلم سے زبان کو — عاشق ہو فصاحت بھی وہ دے حُسن بیان کو
تحسین کا سموات سے غل تا بہ سمک ہو
ہر گوش بنے کانِ ملاحت وہ نمک ہو

تعریف مین چشمے کو سمندر سے ملا دون — قطرے کو جو دون آب تو گوہر سے ملا دون
ذرہ کی چمک مہر منور سے ملا دون — خارون کو نزاکت مین گلِ تر سے ملا دون
گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھون
اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھون

گر بزم کی جانب ہو توجہ دمِ تحریر — کھنچ جائے ابھی گلشنِ فردوس کی تصویر
دیکھے نہ کبھی صحبتِ انجم فلکِ پیر — ہو جائے ہوا بزم سلیمان کی بھی توقیر
یون تختِ حسینانِ معانی اثر آئے
ہر چشم کو پریون کا اکھاڑا نظر آئے

ساقی کے کرم سے ہو وہ دور اور چلین جام — جسمین عوض نشہ ہو کیفیت انجام
ہر مست فراموش کرے گردشِ ایام — صوفی کی زبان بھی نہ رہے فیض سے ناکام
ہان بادہ کشو پوچھ لو میخانہ نشین سے
کوثر کی یہ موج آگئی ہے خلدِ برین سے

آؤن طرفِ رزم ابھی چھوڑ کے جب بزم — خیبر کی خبر لائے مری طبع الوالعزم
قطعِ سرِ اعدا کا ارادہ ہو جو بالجزم — دکھلائے یہین سب کو زبان معرکۂ رزم
جل جائین عدو آگ بھڑکتی نظر آئے
تلوار پہ تلوار چمکتی نظر آئے

مصرع ہون صف آرا صفتِ لشکرِ جرار — الفاظ کی تیزی کو نہ پہونچے کوئی تلوار
نقطے ہون جو ڈھالین تو الف خنجرِ خونخوار — مد آگے بڑھین برچھیون کو تول کے یکبار
غل ہو کبھی یون فوج کو لڑتے نہین دیکھا
مقتل مین رن ایسا کبھی پڑتے نہین دیکھا

ہو ایک زبان ماہ سے تا مسکنِ ماہی — عالم کو دکھا دے برشِ صیف الٰہی

جرأت کا دہنی تو ہے یہ چلا لیکن سپاہی　　لاریب ترے نام پہ ہے سکۂ شاہی

ہر دم یہ اشارہ ہو دوات اور قلم کا
تو مالک و مختار ہے اس طبل و علم کا

مناظر قدرت

عربی اور فارسی مین مناظر قدرت پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ اور اردو مین تو گویا سرے سے اسکا وجود ہی نہ تھا۔ میر ضمیر نے سب سے پہلے اسپر طبع آزمائی کی۔ لیکن وہ مضمون بندی اور استعارات کو کلام کا اصلی جوہر سمجھتے تھے اسلئے اصلی حالت نہ ادا کر سکے۔ میر انیس نے اس صنف پر اگرچہ صرف دو تین مرثئے لکھے ہین۔ لیکن جو کچھ لکھا ہے کمال کے درجہ پر پہونچا دیا ہے۔

صبح کا سمان

طے کر چکا جو منزل شب کاروانِ صبح　　ہونے لگا اُفق سے ہویدا نشان صبح
گردون سے کوچ کرنے لگے اختران صبح　　ہر سو ہوئی بلند صدائے اذان صبح

پنہان نظر سے روے شبِ تار ہو گیا
عالم تمام مطلعِ انوار ہو گیا

خورشید نے جو رخ سے اٹھائی نقاب شب　　در کھل گیا سحر کا ہوا بند باب شب
انجم کی فرد فرد سے لیکر حساب شب　　دفتر کشائے صبح نے الٹی کتاب شب

گردون پہ رنگ چہرۂ مہتاب فق ہوا
سلطان غرب و شرق کا نظم و نسق ہوا

یون گلشنِ فلک سے ستارے ہوئے عیان　　چن لے چمن سے پھولونکو جسطرح باغبان
آئی بہار مین گل مہتاب پر خزان　　مرجھا کے رہ گئے ثمر و شاخ کہکشان

دکھلائے طور باد سحر نے سموم کے
پژمردہ ہو کے رہ گئے غنچے نجوم کے

چھپنا وہ ماہتاب کا وہ صبح کا ظہور — یادِ خدا مین زمزمہ پردازیِ طیور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا وہ فضا وہ نور — خنکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سرور
انسان زمین پہ محو ملک آسمان پر
جاری تھا ذکر قدرت حق ہر زبان پر

وہ سرخیِ شفق کی اُدھر چرخ پر بہار — وہ بار ور درخت وہ صحرا وہ سبزہ زار
شبنم کی وہ گلون پہ گہرہاے آبدار — پھولون سے سب بھرا ہوا دامان کوہسار
نافے کھلے ہوئے وہ گلون کے شمیم کے
آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

تھی دشت کربلا کی زمین رشک آسمان — تھا دور دور تک شبِ مہتاب کا سمان
چھٹکے ہوئے ستارونکا ذرون پہ تھا گمان — نہر فرات بیچ مین تھی مثل کہکشان
سرسبز جو درخت تھا وہ نخل طور تھا
صحرا کے ہر نہال کا سایہ بھی نور تھا

ایضاً

پھولا شفق سے چرخ پہ لالہ زار صبح — گلزار شب خزان ہوا آئی بہار صبح
کرنے لگا فلک زر انجم نثار صبح — سرگرم ذکر حق ہوئے طاعت گزار صبح
تھا چرخ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن مین گلاب کا

چلنا وہ باد صبح کے جھونکون کا دمبدم — مرغان باغ کی وہ خوش الحانیان بہم
وہ آب تاب نہر وہ موجونکا پیچ و خم — سردی ہوا مین پر نہ زیادہ بہت نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیون سے دامن صحرا بھرا ہوا

وہ صبح نور اور وہ صحرا وہ سبزہ زار — تھے طائروں کے غول درختوں پہ بیشمار
چلنا نسیم صبح کا رہ رہ کے بار بار — کوکو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار
واتھے دریچے باغ بہشت نعیم کے
ہر سو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سماں — تھا جسکے ضو سے وجد میں طاؤس آسماں
ذروں کی روشنی پہ ستارہ کا تھا گماں — نہر فرات بیچ میں تھی مثل کہکشاں
ہر نخل پر ضیائے سر کوہ طور تھی
گویا فلک سے بارش باران نور تھی

وہ پھولنا شفق کا وہ بیناے لاجورد — مخمل سی وہ گیاہ وہ گل سبز و سرخ و زرد
رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہوائے سرد — یہ خوف تھا کہ دامن گل پر پڑے نہ گرد
دھوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا
سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

گرمی کا سماں

گرمی کا سماں شعرائے فارسی نے باندھا ہے لیکن نہایت مبالغہ اور دور از کار خیالات سے کام لیا ہے۔ میر انیس بھی اگرچہ رواج عام کے اثر سے نیچرل حالت سے۔ جا بجا تجاوز کر گئے ہیں تاہم انکا اصلی جوہر بھی نمایاں ہے۔

وہ لون وہ آفتاب کی حدت وہ تاب و تب — کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثال شب
خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب — خیمے جو تھے جبالوں کے تپتے تھے سب کے سب
اڑتی تھی خاک خشک تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

آب رواں سے منہ نہ اٹھاتے تھے جانور — جنگل میں چھپتے پھرتے تھے طائر ادھر ادھر

مردم تھے سات پردونکے اندر عرق مین تر — عکس خانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جائے راہ مین
پڑ جائین لاکھ آبلے پائے نگاہ مین

کوسون کسی شجر مین نہ گل تھے نہ برگ و بار — ایک ایک نخل جل رہا تھا صورتِ چنار
ہنستا تھا کوئی گل نہ لہکتا تھا سبزہ زار — کانٹا ہوئی تھی پھول کی ہر شاخ باردار
گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سبکے سرد تھے
پتے بھی مثل چہرۂ مدقوق زرد تھے

شیر اُٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے — آہو نہ مُنہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے — گردون کو تپ چڑھی تھی زمین کی بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھُن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گمان — انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشان
منہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان — تہ مین تھے سب نہنگ مگر تھی لبون پہ جان
پانی تھا آگ گرمیِ روزِ حساب تھی
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

آئینۂ فلک کو نہ تھی تاب و تب کی تاب — پھینے کو برق چاہتا تھا دامن سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجون کو اضطراب — کافور صبح ڈھونڈھتا پھرتا تھا آفتاب
بھڑکی تھی آگ گنبدِ چرخِ اثیر مین
بادل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر مین

منظر

کسی خاص واقعہ یا کسی خاص حالت کی تصویر کھینچنا جسکو انگریزی مین **سین** کہتے ہین

واقعہ نگاری کی ایک قسم ہے۔ عام واقعہ نگاری اور سین مین یہ فرق ہے کہ واقعہ نگاری مین ہر واقعہ انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ بخلاف اسکے سین اس کیفیت کا نام ہے جو متعدد واقعات یا واقعہ کے متعدد جزئیات کے مجموعہ سے پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً اس شعر مین ؎

لون چلتی ہے خاک اڑتی ہے ہے ظہر کا ہنگام　　تنہا یہ چلی آتی ہے اٹھی ہوئی سپہ شام

لون کا چلنا خاک کا اڑنا۔ ظہر کا وقت ہونا۔ فوجون کا اُمنڈنا۔ ہر چیز کو الگ الگ لیا جاے تو واقعہ ہے اور ان سب کو مجموعی حیثیت سے دیکھا جاے تو سین ہے۔

میر انیس نے شاعری کے اس صنف کو جس کمال تک پہنچایا اُردو کیا فارسی مین بھی اس کی بہت کم مثالین ملتی ہین۔ ہم چند مثالین ذیل مین درج کرتے ہین۔

گرمی کی شدت مین لوگونکی حالت

وہ گرمیون کے دن وہ پہاڑونکی راہ سخت　　پانی نہ منزلون نہ کہین سایۂ درخت
ڈوبے ہوئے پسینون مین ہین غازیونکے رخت　　سونلا گئے ہین رنگ جوانان نیک بخت
راکب عبائین چاند سے چہرے پہ ڈالے ہین
توسنے ہوئے سمند زبانین نکالے ہین

وہ دن ہین جن دنون کوئی کرتا نہین سفر　　صحرا کے جانور بھی نہین چھوڑتے ہین گھر
رنج مسافرت مین ہین سلطان بحر و بر　　سب برگ گل سے خشک ہین چہرہ عرق مین تر
آتی ہے خاک اُڑکے یمین و یسار سے
گیسوے مشکبار اٹے ہین غبار سے

فوجون کی آمد اور جنگ کی تیاری

ہے شور آمد آمد فوج فلک سریر　　فوجون کی ہر طرف سے چلی آتی ہے بھیر
دعوت کے واسطے ہین سناتین لئے شریر　　حضرت کے پیشکش کو کمانین ہین اور تیر
پانی پہ چوکیان ستم آرا بٹھاتے ہین

دریا کے گھاٹ پر چھوٹے روکے جاتے ہین

تیغیں سلاح خانہ سے نکلی ہین بے شمار
ہے جا بجا درستیِ اسباب کارزار
ہوتے ہین لیس تیرونکے دستے کئی ہزار
خنجر ہوے ہین ذبح کو پیاسونکے آبدار
نوکین نکالی جاتی ہین تیرون کی سان پر
پھل برچھیون پہ چڑھتے ہین پرچم نشان پر

گرمی کی شدت

مخفی تھے شرر شدتِ گرما سے حجر مین
چلتی تھی یہ لون آگ بھڑکتی تھی جگر مین
نے بحر مین راحت تھی کسی دل کو نہ بر مین
جھیلون مین نہ پانی تھا نہ پتے تھے شجر مین
پایاب تھے گرمی سے وہ دریا جو بڑے تھے
سوتین بھی نہ آتی تھین کنوین خشک پڑے تھے

گرمی سے بچنے کی تدبیرین

بھرتا تھا دم سرد پریشان کوئی ہوکے
دامن سے ہوا دیتا تھا منہ کو کوئی دہوکے
بچتا تھا کوئی لون سے رداچہرہ پہ روکے
رکھ لیتا تھا سر پر کوئی رومال بھگوکے
پڑتی تھین جو چھینٹین تو مزا دیتا تھا پانی
جھک کر کوئی چلو ہی سے پی لیتا تھا پانی

فوجون کا داخلہ اور تیاری جنگ

خیمہ مین اترے یان تو شہ عرش بارگاہ
آ آکے اُسطرف بھی اُترنے لگی سپاہ
کوسون علم کھلے تھے جدھر کیجیے نگاہ
یان تک کہ بند ہوگئی چارونطرف سے راہ
فوجون سے تا بہ صبح زمین رن کی بھر گئی
اک رات مین چڑھی ہوئی ندی اتر گئی

اس کثرتِ سپاہ پہ ناگہ ہوئی یہ دھوم
آپہونچا شام سے پسرِ سعدِ نحس و شوم

جسکے جلو مین لاکھ سوار و نکا ہے ہجوم　　اکثر ہین یکہ تاز جوانان شام و روم
بس کھل گیا نہ طور صفائی کا ہوئیگا
اب کل سے بند و بست لڑائی کا ہوئیگا

یہ ذکر تھا کہ دور سے ظاہر ہوئے نشان　　اُمڈا زمین پہ ظلم کا دریائے بیکران
موجون کی طرح سب تھین صفین پیش و پس روان　　لہراتے تھے ہوا سے علم مثل بادبان
ہلتا تھا دشت کین دہل اسطرح بجتے تھے
باجون کا تھا یہ شور کہ بادل گرجتے تھے

جنگی وہ رومیون کے پرے شامیون کے دل　　خوف خدا نہ جن کو نہ اندیشۂ اجل
مکار و اہل نار و دغا باز پر دغل　　شکلین مہیب دیو سے قد ابرون پہ بل
بدخواہ خاندان رسالت پناہ تھے
ایسے جلے ہوئے تھے کہ چہرے سیاہ تھے

تلوارین کھینچے بڑھ کے جمے دو طرف سوار　　غل ہو گیا سلامی کے باجونکا ایک بار
ڈنکے کی دمبدم تھی صدا آسمان کے پار　　آگے بڑھے چلو یہ نقیبون کی تھی پکار
گھوڑون کے گرد و پیش رئیسان شام تھے
زرین کمر جلو مین کئی سو غلام تھے

رزمیہ

رزمیہ شاعری اگرچہ واقعہ نگاری ہی کی ایک قسم ہے۔ لیکن وسعت اور حمیت کے لحاظ سے اسکے لئے جدا عنوان قایم کیا گیا۔ اردو بلکہ عربی مین بھی رزمیہ شاعری کو چندان ترقی نہین ہوئی۔ اردو مین میر نقی ہوس کے چند اشعار ہین جو نوفل اور لیلیٰ کے قبیلہ کی لڑائی کے موقع پر لکھے ہین۔ مرثیہ مین میر ضمیر نے رزمیہ کی ابتدا کی لیکن وہ بالکل نقش اولین تھا میر انیس نے جس طرح اس صنف کو کمال کے درجہ تک پہونچایا اسکے لحاظ سے اردو شاعری گو فارسی کے

برابری کا دعوے نہین کر سکتی لیکن عربی سے کسی طرح پیچھے نہین

رزمیہ شاعری کا کمال امور ذیل پر موقوف ہے۔ سب سے پہلے لڑائی کی تیاری۔ معرکہ کا زور شور۔ تلاطم۔ ہنگامہ خیزی۔ ہل چل۔ شور و غل۔ نعرون کی گونج۔ ٹاپون کی آواز ہتھیارون کی جھنکار تلوارون کی چمک دمک۔ تیرون کی لچک۔ کمانون کا تڑکنا۔ نقیبون کا گرجنا۔ ان چیزون کا اسطرح بیان کیا جائے کہ آنکھون کے سامنے معرکہ جنگ کا سمان چھا جائے۔ پھر بہادرون کا میدان جنگ مین جانا۔ مبارز طلب ہونا۔ باہم معرکہ آرائی کرنا۔ لڑائی کے داؤن پیچ دکھانا۔ ان سب کا بیان کیا جائے۔ اسکے ساتھ اسلحہ جنگ اور دیگر سامان جنگ کی الگ الگ تصویر کھینچی جائے۔ پھر فتح یا شکست کا بیان کیا جائے اور اسطرح کیا جائے کہ دل دہل جائین۔ یا طبیعتون پر اداسی یا غم کا عالم چھا جائے میر انیس مین یہ سب باتین پائی جاتی ہین۔

ہنگامہ جنگ

نقارۂ وغا پہ لگی چوب یک بیک — اٹھا غریو کوس کہ ہلنے لگا فلک
شہپور کی صدا سے ہراسان ہوئے ملک — قرنا پھنکی کہ گونج اٹھا دشت دور تک

شور دہل سے حشر تھا افلاک کے تلے
مردے بھی ڈر کے چونک پڑے خاک کے تلے

گھوڑون سے گونجتا تھا وہ سب وادی نبرد — گردون مین مثل شیشہ ساعت بھری تھی گرد
تھا چرخ چارمین پہ رخ آفتاب زرد — ڈر تھا گرے زمین پہ نہ مینائے لاجورد

گرمی ہجوم فوج سے وہ چند ہو گئی
خاک اسقدر اڑی کہ ہوا بند ہو گئی

کانپے طبق زمین کہ ہلا چرخ لاجورد — مانند کہربا ہوا مٹی کا رنگ زرد
اٹھ کر زمین سے بیٹھ گئی زلزلہ مین گرد — تیغون کی آنچ دیکھ کے بھاگی ہوائے سرد

لرزی سے رن کے ہوش اڑے دشت و دیر کے
شیر اُس طرف اُتر گئے دریا کو چیر کے

اللہ رے زلزلہ کہ لرزتے تھے دشت و در — جنگل میں چھپتے پھرتے تھے ڈر ڈر کے جانور
جنات کانپ کانپ کے کہتے تھے الحذر — دنیا میں خاک اڑتی ہے اب جائیں ہم کدھر

اندھیر ہے اٹھی برکت اب آسمان سے
ٹوٹل گیا زمین کا تبق آسمان سے

تھرا رہا تھا خوف سے مینائے لاجورد — بلتے تھے دو کہ بتا تھا وادی نبرد
تھا دن بھی زرد دھوپ بھی زرد اور زمین بھی زرد — خورشید چھپ گیا یہ اٹھی گرد بلا میں گرد

اک تیرگی غبار سے تھی چشم مہر میں
ٹاپوں پڑے ہوئے تھے خیط سپہر میں

فوج کی تیاری اور سامان

اُمڈی ہوئی تھی فوج پہ فوج اور دل پہ دل — تھے جھیل کی صورت مفلس پھل پہ پھل
خنجر وہ جنکی آب میں تھی تلخی اجل — وہ گرز جنکے ڈر سے گرے دیو منہ کے بل

دو دو تبر تھے پاس ہر اک خود پسند کے
حلقوں پہ تھے پچھے ہوئے حلقے کمند کے

وہ دھوم طبل جنگ کی وہ بوق کا خروش — کر ہو گئے تھے شور سے کر دیو نکے گوش
تھرائی یوں زمین کہ اُڑے آسمان کے ہوش — نیزے بڑھا کے نکلے سواران درع پوش

ڈھالیں تھیں یوں سروں پہ سواران شوم کے
صحرا میں جیسے آئے گھٹا جھوم جھوم کے

حد سے فزوں ہے کثرت افواج نابکار — نیزہ پہ نیزہ تیغ پہ ہے تیغ آبدار
ہر سمت ہے سنان پہ سنان مثل کارزار — ہر صف میں ہے سپر پہ سپر مثل لالہ زار

پیکان ہم ہین جیسے ہون گل بے کھلے ہوئے
گوشون سے ہین کمانون کے گوشے ملے ہوئے

ہر صف مین برچھیان بھی ہزارون لچکتی ہین
نوکین وہ زہر ہین کہ دلون مین کھٹکتی ہین
نیزے تلے ہوئے ہین سنانین چمکتی ہین
نوکین تلے ہوئے ہین کمانین کڑکتی ہین

سنگین دلون سے ہاتھون مین پتھر اٹھائے ہین
تیغون کے ساتھ گرز گران سر اٹھائے ہین

دو تیغون کی معرکہ آرائی اور فنون جنگ

یہ کہکے اپنے پھوٹ سے نیزہ لو دی تکان
چمکا وہ تو برق بجلی کہ الامان
آل نیزہ باندھ کر چوفرس سے کہا کہ ہان
ڈانڈ کی ڈانڈ پہ توسنان سے لڑی سنان

بل کیا کرے ازدرہی موزی کا گھٹ گیا
ٹالا تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا

جھنجلا کے چوب نیزہ کو لایا وہ فرق پر
قاسم نے ڈانڈ ڈانڈ پہ اچھا کے سر
دو انگلیون مین نیزہ دشمن کو تھام کر
جھٹکا دیا کہ جھک گئی گھوڑے کی بھی کمر

نیزہ بھی رب سے ہو گیا ایکبارگی
دو انگلیون سے کام لیا ذوالفقار کی

سنبھلا وہ بے شعور یہ جھنجھلا کے جب
قبضہ تلی کمان کیا فی بصد غضب
چلہ مین تیر جوڑ چکا جب وہ بے ادب
تیور چڑھا کے قاسم نوشاہ نے بھی تب

تیر نگاہ سے وہ خطا کار ڈر گیا
کانپے یہ دونون ہاتھ کہ چلہ اتر گیا

گھوڑے کی تعریف

لکھتا ہے اب قلم اب سرعت عقاب
نعل اسکی ماہ نو ہین تو سم رشک آفتاب

پستی مین سیل ہے تو بلندی مین ہے سحاب — سرعت مین برق گرم روانی مین جوے آب

اُڑنے مین اُس فرس کے پرندون پہ اوج ہے

اک شور تھا قدم مین دریا کی موج ہے

نازک مزاج نسترن [illegible] — گردون سیر باد پہ پیچاد برق دو

اُسکا نہ اک قدم [illegible] ہرن کی سو — دو روز سے نہ کا ملی تھی اُسے نہ جو

[illegible] تھا [illegible] مین برق تھا

[illegible] مین [illegible] مین فرق تھا

صرصر سے تند پوسے سبک رو ہوا سے تیز — چالاک فہم و فکر سے ذہن رسا سے تیز

طاؤس کبک و سرو عقاب و ہما سے تیز — جاسے مین اُڑکے بدید شہر سیا سے تیز

ذی جاہ تھا سعید تھا فیروز بخت تھا

رہوار کیا ہوا سے سلیمان کا تخت تھا

سمٹا جا اُڑا اِدھر یا اُدھر گیا — چمکا پھرا جمال دکھایا ٹھہر گیا

تیرون سے اُڑکے پیچھون مین بیخطر گیا — برہم کیا صفون کو پرے سے گذر گیا

گھوڑون کا تن بھی ٹاپ سے اُسکے فگار تھا

ضربت تھی نعل کی کہ سروہی کا وار تھا

پھرتا تھا کیا صفوں مین فرس جھوم جھوم کے — سرعت بلائین لیتی تھی مُنہ چوم چوم کے

پامال تھے پرے سپہ شام و روم کے — ٹل تھا یہ غول مین پسر سعد شوم کے

رخش ایسا روم و رے مین نہین شام مین نہین

یہ شوخیان تو ابلق ایام مین نہین

وہ جست و خیز و سرعت و چالاکی سمند — سانچے مین تھے ڈھلے ہوئے سب اُسکے جوڑ بند

سُم قرص ماہتاب سے روشن ہزار چند — نازک مزاج و شوخ و سیہ چشم و سر بلند

گر بل گئی ہوا سے ذرا باگ اُڑ گیا
پتلی سوار کی نہ پھری تھی کہ مڑ گیا

آہو کی جست شیر کی آمد پری کی چال — کبکِ دری خجل دلِ طاؤس پائمال
سبزہ سُبکروی مین قدم کے تلے نہال — اک دو قدم مین بھول گئے چوکڑی غزال
جو آگیا قدم کے تلے گرد برد تھا
چھل بل غضب کے تھے کہ چھلاوہ بھی گرد تھا

بجلی کبھی بنا کبھی رہوار بن گیا — آیا عرق تو ابر گہر بار بن گیا
گہ قطب گاہ گنبدِ دوار بن گیا — نقطہ کبھی بنا کبھی پرکار بن گیا
حیران تھے اسکے گشت پہ لوگ اس ہجوم کے
تھوڑی سی جا مین پھرتا تھا کیا جھوم جھوم کے

تلوار کی تعریف

چمکی گری اٹھی ادھر آئی اُدھر گئی — خالی کئے پرے تو صفین خون مین بھر گئی
کاٹے کبھی قدم کبھی بالائے سر گئی — ندی غضب کی تھی کہ چڑھی اور اُتر گئی
غل تھا یہ کیا ہے جو قہر صمد نہیں
ایسا تو رود نیل مین بھی جذر و مد نہین

بجلی گری کہ فوج پہ تیغ دو سر گری — کٹ کر کسیکے تیغ کسیکے سپر گری
چمکی کبھی فلک پہ کبھی فرق پر گری — سر کاٹ کر ادھر سے جو اُٹھی اُدھر گری
زرہین تنون مین مثل کفن چاک ہو گئین
اک آن مین صفین کی صفین چاک ہو گئین

اک شور تھا کہ تیغ ہے یہ یا خدا کا قہر — بہتی ہے جسکے آگ سے کوسون لہو کی نہر
ناگن ہے یہ کہ کاٹے کی جسکے نہین ہے لہر — اُتری گلے سے چڑھ گیا سارے بدن مین زہر

زخمون سے جسم ڈر سے کلیجے فگار ہین۔
جوہر نہین ہین تیغ مین دندانِ مار ہین

یکتا برش مین جوہر ذاتی مین قدر مین — چمکی اُحد مین خیبر و خندق مین بدر مین
تیزی وہی تھی سان کی اس آشوبِ غدر مین — بڑھ کر سپر سے سر مین گئی سر سے صدر مین
کھنچتی ہوئی سپر سے نیا رنگ ڈھنگ تھا
راکب تھا نہ فرس تھا نہ زین تھا نہ تنگ تھا

فُل تھا کہ وہ چمکتی ہوئی آئی یہ گری — برچھی سے اُڑ گئے وہ سنان یہ گرہ گری
ترکش کٹا کمان کیانی سے زرہ گری — یہ سر اُڑا وہ خود اُڑا یہ زرہ گری
آتی ہے لشکرون پہ تباہی اسی طرح
گرتی ہے برق قہر الٰہی اسی طرح

سر لوٹتے تھے برچھیون والونکے ہر طرف — ٹکڑے پڑے تھے دشت مین بھالونکے ہر طرف
پامال تھے سوار رسالون کے ہر طرف — پر کالے اُڑتے پھرتے تھے ڈھالونکے ہر طرف
خاطر نشان نہ تھی کسی آفت نشان کی
انبار تھین کٹی ہوئین شاخین کمان کی

کیا کیا چمک دکھاتی تھی سر کاٹ کاٹ کے — تنتی تھی بس تنون سے زمین پاٹ پاٹ کے
پانی وہ خود پیئے ہوئے تھی گھاٹ گھاٹ کی — دم اور بڑھ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے
کیا جانئے ملا تھا مزا کیا زبان کو
کھا جاتی تھی ہما کی طرح استخوان کو

ہر ہاتھ مین اُڑا کے کلائی نکل گئی — کوندی گری زمین مین سمائی نکل گئی
کاٹی زرہ دکھا کے صفائی نکل گئی — مچھلی تھی اک کہ دام مین آئی نکل گئی
چار آئینہ کے پار تھی اس آب و تاب سے

جس طرح برق گر کے نکل جائے آب سے

کٹ کٹ کے ذوالفقار سے گرتے تھے خاک پر — بہنچوں سے ہاتھ شانوں سے بازو تنوں سے سر
قبضہ سے تیغ برسے زرہ ہاتھ سے سپر — برچھی سے پھل کمان سے زہ زین سے تبر
ترکش کہیں پڑے تھے نشانِ زری کہیں
پیکان کہیں تھی شست کہیں تھی سری کہیں

جب صف پہ وار کرتے تھے سلطان بحر و بر — اڑتی تھی کٹ کے صورت کاغذ براک سپر
چھپتی نہیں بھاگی جاتی نہیں گرتے تھے خاک پر — قبضوں سے تیغیں جسم سے روحیں تنوں سے سر
پے تھے قدم گریز کے کوچے بھی بند تھے
شعلہ وہ تیغ تھی سر اعدا سپند تھے

چھپتے تھے یوں وہ دیکھ کے اس تیغ کی چمک — بھاگے شعاع مہر سے جس طرح شپرک
اوجِ سما سے زلزلہ برپا تھا تا سمک — چمکی وہ جب تو کانپ گئے چرخ پر ملک
ہر شے تھی خوف جان سے خضوع و خشوع میں
سجدہ میں تھی زمین تو فلک تھا رکوع میں

چم خم وہ تیغ کا وہ کاٹ وہ آب و تاب — [illegible]
سبلی تھی اک پری کے شکم پر کہ اسکی تاب — تیزی زبان میں وہ کہ فرشتہ نہ دے جواب
جوہر سے اسکا جسم جواہر نگار تھا
گویا گلے میں حور کے ہیرے کا ہار تھا

پیاسی بھی خون فوج کی اور آبدار بھی — غل تھا کہ ایک گھاٹ میں پانی بھی نار بھی
بجلی بھی ابر تر بھی خزاں بھی بہار بھی — تلوار بھی چھری بھی سپر بھی کٹار بھی
پانی ملے اسکے آگ لگا دی زمانے میں
اک آفتِ جہان تھی لگانے بجھانے میں

کھولا سفیدی نے جو مصلاے پیر صبح — پر سجدہ گاہ بن گیا مہر منیر صبح
کرتی تھی شب غروب کا سجدہ وہ دود کو
سیارے ہفت عضو بنے تھے سجود کو

ظلمت جہان جہان تھی وہان نور ہوگیا — پھر مشک شب جہان سے کافور ہوگیا
گویا کہ زنگ آئینہ سے دور ہوگیا — باطل رسالۂ شب دیجور ہوگیا
کیا پختہ روشنائی تھی قدرت کے خامے مین
مضمون تھا آفتاب کا ذروں کے نامے مین

جوزا عنانون کے ہوے جولان جو رہوا — سیارے بھولے سیر و تماشاے روزگار
تازی ہوئی جو صرف چراگاہ ایکبار — پانی نہ کہکشان کی رہی گاہ زینہار
برباد سبزۂ روشِ کہکشان ہوا
پامال برج سنبلۂ آسمان ہوا

شمشیر آبدار

اللہ رے آمد آمد شمشیر دو زبان — ششدر تھے چار لاکھ کہ کیا شے ہے الامان
جنبش نہ ہاتھ کو تھی نہ تیغون کے درمیان — مشلول کے ہون پنجہ مین جیسے چھ انگلیان
ضرب اک طرف کو سایہ سے اسکے مفر نہ تھا
قبرون مین ایک مردے کی گردن پر سر نہ تھا

اُس سے اُلجھ گئی کبھی اِس سے اُلجھ گئی — بُرش نئی صفائی نئی کج رخی نئی
اک سر سے لگ چلی تو الگ سر ہوے کئی — گہ زرد گہ سفید ہوا چرخ سرمئی
بھاگے ہوؤن کو ضرب پہ لاتی تھی گھیر کر
دو کرتی تھی اُڑی ہوئی رنگت کو پھیر کر

گہ ہمدمی سورسرافیل کرتی تھی — گاہے عبادت پر جبریل کرتی تھی
گہ برج مہر و ماہ مین تحویل کرتی تھی — برش زیادہ چلنے مین تعجیل کرتی تھی
محو نظارہ مردم نظارہ ہو گئے
قطب سپہر اختر سیارہ ہو گئے

ہر سو تھا شور تیغ کا کچھ اور ڈھنگ ہے — قالب مین تیرتی ہے مگر یہ نہنگ ہے
داخل میان خانۂ دل بیدرنگ ہے — رن کی قسم یہ تیغ بڑی خانہ جنگ ہے
حق تو یہ ہے کہ مسئلہ دان تیغ شاہ ہے
سر چڑھ کے سب سے لڑتی ہے اور بیگناہ ہے

کہتی تھی بار بار قضا کیا ہے مین ہون مین — طوفان و حشر و قہر و بلا کیا ہے مین ہون مین
دوزخ سقر عذاب خدا کیا ہے مین ہون مین — راہ عدم دیار فنا کیا ہے مین ہون مین
حق سے ڈرو تو مژدہ فضل الٰہ ہے
توبہ کرو تو قبضہ مین میرے پناہ ہے

یان سب کو تھا یقین کہ وہان تھی وہین نہ تھی — وہان اتفاق تھا کہ یہان تھی یہین نہ تھی
ہر جا تھی اور جو پوچھو کہان تھی کہین نہ تھی — لاکھون کے قتل کر نیکو ہان تھی نہین نہ تھی
اس برق ذوالفقار کے جلوے کہان نہ تھے
وان تھی جہان زمین نہ تھی آسمان نہ تھے

قالب کی یہ تو دشمن جان تھی دم نگاہ — قطع نظر بدن سے نگہ کو نہ تھی پناہ
دعوے کے صدق کے لیے حجت تھی اور گواہ — سن لو دلیل قطعی اگر ہو کچھ اشتباہ
آیا نظر نہ رتبۂ مولا سپاہ کو
تیغ علی نے قطع کیا تھا نگاہ کو

ملکر چلی فلک سے تو بجلی جدا ہوئی — تڑپی بزیر خاک تو مچھلی ہوا ہوئی

چمکی جو خود سر پہ قیامت بپا ہوئی　　روشن ہوئی جو سینہ پہ جوشن قبا ہوئی
کھولے زرہ کے ایک نگہ مین ہزار بند
کاٹے ہزار طرح عناصر کے چار بند

بے نام و بے نشان تھا ہر اک پہلوان کا اسم　　تقسیم ضرب سے رہی باقی نہ کوئی قسم
سائے کے شکل ڈھال جُراتی تھی اپنا جسم　　یہ تیغ کے ہنر تھے کہ جادو تھا یا طلسم
دل رختہ رختہ کر کے زرہ کو اُڑا دیا
طائر کو جال جال کو طائر بنا دیا

موجِ زرہ کا تیغ کی گرمی سے تھا یہ حال　　شبنم کا جیسے صبح کو خورشید سے زوال
جب یہ کڑی ہوئی تو زرہ ہو گئی نڈھال　　فولاد بہ گیا عرق شرم کی مثال
جی پر بنی زرہ کی جو صورت بگڑ گئی
کیا دن دہاڑے باغیون پر اوس پڑ گئی

گھوڑے کی تعریف

طاؤس فلک سیر دم جلوہ گری تھا　　بوگل مین تو گلشن میں نسیمِ سحری تھا
صیحہ سے عیان قہقہۂ کبک دری تھا　　آہو تھا چرندون مین پرندون مین پری تھا
کا وہ کی ثنا کیجیے دل اس پہ تُلا ہے
دریا سے کوئی عقدۂ گرداب کھلا ہے

غل تھا کہ چکور آگ کو کھا کر نکل آیا　　مرکب کا جگر چیر کے راکب نکل آیا
بے روح ہوا اول جو وہ پیکِ اجل آیا　　سینہ کا لہو بہ کے جو گردن مین ڈھل آیا
بے جان جگر و قلب بہم رہ گئے باقی
طاؤس اُڑا نقش قدم رہ گئے باقی

منشی امیر اللہ تسلیم

پیدائش فیض آباد ۱۸۲۰ء — وفات لکھنؤ ۱۹۱۱ء

مولوی عبدالصمد صاحب کے بیٹے اور مرزا اصغر علی خان نسیم دہلوی کے شاگرد تھے ۱۸۲۰ء مین ضلع فیض آباد مین پیدا ہوے۔ فارسی کی تعلیم اپنے والد سے پائی اور عربی کی کتابین اپنے بھائی مولوی عبداللطیف صاحب سے پڑھین۔ فن خوشنویسی منشی عبدالحی صاحب سندیلوی سے حاصل کیا۔ مدت تک آپکا قیام لکھنؤ مین رہا۔ پھر منشی امیر احمد صاحب مینائی کے توسل سے رامپور تشریف لے گئے وہان تیس روپیے ماہوار اور دو سو روپیے عید کے موقع پر آپکو ملا کرتے تھے۔ بعد چندے وہین ڈپٹی انسپکٹر مدارس وغیرہ کے مختلف عہدون پر نامور رہے اسوقت تنخواہ پچاس روپیہ تک ہوگئی۔ جب نواب صاحب والی رامپور سفر انگلستان سے واپس تشریف لائے تو اُن کا سفرنامہ نظم کرکے پیش کیا۔ اس صلہ مین چالیس روپیہ ماہوار بطور پنشن آپ کے لیے مقرر ہوگئے۔ آخر عمر تک پاتے رہے۔

آپکے کلام مین فصاحت بلاغت متانت شوخی کمال درجہ کی ہے۔ قوت متخیلہ بھی اعلیٰ درجہ کی تھی۔ دقیق مضامین کو اس سادگی اور صفائی سے ادا فرماتے ہین کہ اُسکی تعریف نہین ہوسکتی۔ کلام کا رنگ دہلی کے شعرا کا سا ہے۔ آپکو اُسی طرز پر ناز تھا۔ خود فرماتے ہین۔

مین ہون تسلیم شاگرد نسیم دہلوی — مجکو طرز شاعران لکھنؤ سے کیا غرض

مثنوی مین آپنے غنیمت کے رنگ کی تقلید کی ہے۔ متعدد مثنویان لکھین جو لکھنؤ والون سے بالکل الگ۔ نالۂ تسلیم۔ شام غریبان۔ صبح خندان۔ دل وجان۔ نغمہ مسلسل۔ شوکت شاہجہانی۔ وغیرہ مثنویان اور نظم دلچسپ۔ نظم دل افروز۔ دفتر خیال یہ دو دواوین یادگار ہین۔

۲۸۔ مئی ۱۹۱۱ء کو پانچ بجے شام کو ۹۲ برس کی عمر مین لکھنؤ مین آپنے اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔

حمد از نالۂ تسلیم

شگافِ کلک رنگین خندہ زن ہے — مبارک باد آغاز سخن ہے

اُترتے ہین مضامین آسمان سے — عیان ہے شوکتِ رفعت بیان سے

بھری ہے بے نیازی مدعا مین — سر تمکین ہے عرض التجا مین
بڑھی ہے ناتمامی گفتگو سے — مرا مطلب سوا ہے آرزو سے
خیال آئینہ حیرت فزا ہے — زبان مصروف حمد کبریا ہے
بنایا جس نے مقتل بوستان کو — کف جلاد برگ ارغوان کو
لکھا ہے صفحۂ اوراق گل پر — شہادت نامۂ بلبل سراسر
عطا کی داغ لالہ کو سیاہی — سراپا صورت مہر گواہی
ہنسی لب پر جگر مین زخم کاری — دیا غنچے کو پاس پردہ داری
پے مینوشی دور نہفتہ — دیا پیمانۂ زخم شگفتہ
شہیدون کو طلسم نو دکھایا — ہنسا کر زخم تن کو خون رولایا
رگ بسمل کیا تار نظر کو — سکھایا رقص بینائی جگر کو
دل عاشق کو بخشا خاک ہونا — گریبان کو سکھایا چاک ہونا
گہر ریزی کہین کی چشم تر سے — بھرے دامن کہین لخت جگر سے
حیا غنچون کو دی راز نہان کی — عنادل کو ہوس بخشی فغان کی
کہین ہے جلوہ گر حسن حسین مین — کہین ہے خاطر اندوہگین مین
نہان و آشکارا جلوہ گر ہے — کہین نکہت کہین گلبرگ تر ہے
غرض ہر رنگ مین نیرنگ امکان — رہا حیرت فروش چشم انسان
شہ لولاک نے رو رو کے اکثر — کیا ارشاد لا احصی یہان پر
بھلا ہم کیا حقیقت کیا ہماری — لکھین حمد و ثنائے ذات باری
مناسب ہے خموشی آشنا ہون — شریک اختصار مدعا ہون
زیادہ وہم سے حد صمد ہے — خرد مجروح تیغ دست رد ہے
دعا مانگین کرین قصد اور کچھ ہم — کہین احباب آمین مل کے باہم

تمنا کا ہے خالی دستِ رنگین　　پنہاوین خاتمِ ختمِ مضامین

نالۂ چند دعاے عاشقانہ

الٰہی دے زبانِ نکتہ دانی　　دکھاؤن جلوۂ حسنِ معانی
اجازت خواہ لطفِ گفتگو ہے　　خموشی بہرِ خصت زو بروہے
نظر لوث سخن سے پارسا ہے　　ابھی نادیدہ حسن مدعا ہے
حریفِ نالۂ بیداد ہون مین　　شریکِ صحبتِ فریاد ہون مین
دلِ مشتاق پابندِ الم ہے　　نفس تارِ کمندِ صیدِ غم ہے
سحاب آسا عطا کر چشمِ گریان　　مصیبت زادۂ آغوشِ طوفان
برنگِ ابرِ تر رویا کرون مین　　سدا داغِ جگر دھویا کرون مین
تپش دے نالۂ جانِ حزین مین　　اثر دے دودِ آہِ آتشین مین
رہے بیداریون کا حفظِ آداب　　نہون آنکھین کبھی منت کشِ خواب
نہ کم ہو التفاتِ بیقراری　　رہے تازہ خراشِ دل فگاری
خرابی دوست رکھ ہر دم مزاجی　　برنگِ برق دے شعلہ مزاجی
نہ کم ہو کوئی دم سامانِ سودا　　رہے سرمنزلِ احسان سودا
براے چاک دے دامن اگر دے　　نہ بہرِ التجاے سیم و زر دے
رہے دستِ جنون ہر لحظہ چالاک　　کبھی سینہ کبھی دامن رہے چاک
ترقی پر رہے شوقِ اسیری　　رہے وحشت کو پاسِ دستگیری
فلک کو لذتِ ذوقِ جفا سے　　ندون فرصت تقاضاے بلا سے
جبین سا خدمتِ پیرِ مغان مین　　رہون جب تک رہون دیرِ جنان مین
ٹھہرا اے شوق عرضِ عاشقانہ　　کہان تک وقفِ لبِ غم کا فسانہ
سنا دو چار شعر ایسے خدا را　　کہ جس سے مغفرت کا ہو سہارا

جنابِ کبریا مین روکے دن رات — پڑھا کر صدق دل سے یہ مناجات
خدایا مثلِ کلکِ سینہ افگار — سیہ رو ہون سیہ دل ہون سیہ کار
بسر ہوتی ہے بیجا زندگانی — بلائے جان ہے آشوبِ جوانی
کوئی فعل زبون ایسا نہین ہے — عمل مین اپنے جو آتا نہین ہے
گذرتی ہے عجب غفلت مین اوقات — دریغا حسرتا ہیہات ہیہات
لحاظ بندگی جاتا رہا ہے — سرِ نخوت نے دل مین گھر کیا ہے
گمان و وہم و جانِ درد آمیز — یہ سب ہین شان شیطانی سے بریز
اگر چاہے یہ نفسِ کفر شیوا — میرے سایے سے ہو ابلیس پیدا
پشیمان خستہ آوارہ جگر خون — تری درگاہ مین حاضر ہوا ہون
نگاہِ رحم سے فرما اشارہ — دلِ مضطر کو ہو کچھ تو سہارا
لبِ مایوس یون خندہ طرب سے — نہ گریان دیدۂ پرخون ہو لب سے
تمناؤن کو دل مین شاد پاؤن — جگر کو جان کو آباد پاؤن
سوا تیرے مرا کوئی نہین ہے — غلط بھی آسرا کوئی نہین ہے
کرے رحمت تری گر پردہ داری — مری بگڑی ہوئی بنجائے ساری
بہت کچھ آرزو رکھتا ہون دل مین — ہزارون گفتگو رکھتا ہون دل مین
جو سن لے ایک بھی تو رحم کھا کے — نکل جائین سب ارمان مدعا کے
غمِ ہستی و مرگ و قبر و محشر — یہ سب ہون سینۂ مضطر سے باہر
خلیل آسا جہنم باغ ہو جائے — گلِ فردوس دل کا داغ ہو جائے
ضعیفی مین شبابِ آرزو ہو — بہارِ ہشت جنت رنگِ رو ہو
بڑھے ارمان سخی کی جیسے ہمت — گھٹے غم جس طرح ممسک کی نیت
سراپا عید بنجاؤن خوشی سے — کہون ہر دم مبارک باد جی سے

مبادا تو اگر نامہربان ہو — ہر اک ذرہ بلائے جسم و جان ہو
نوید عید ہون اہلِ ستم کو — سدا ترسون پناہِ نیم دم کو
زبان دوست و پاسبِ دین گواہی — اُٹھاؤن تا ابد نازِ تباہی
جہنم ہو عذاب آتشین ہو — گرفتارِ بلا جانِ حزین ہو
سُنے کوئی نہ فریاد جگر کو — نظر آئے نہ جز شعلہ نظر کو
عزیز و خویش و احباب و یگانہ — کرین تیرِ ملامت کا نشانہ
نہ سمجھین اضطراب بیکسی کو — دکھائین درد مین یہ اور جی کو
مین صدقے اس بلائے ناگہان مین — مرا ہو کون حامی دو جہان مین
کہون اُسوقت کس سے اپنے جی کی — کسے پروا ہو میری بیکسی کی
سوا اسکے کہ تو ہی مہربان ہو — ترے کہنے سے کہنے مین زبان ہو
پکارون اے خداوندِ یگانہ — کرم گستر خطا بخشِ زمانہ
تری رحمت یہ ہے ناز آرزو کو — وفا کر وعدہ لا تقنطو کو
سُنا ارباب محشر سے بصد ناز — مبارکباد آزادی کی آواز
بس اے تسلیم ترکِ التجا کر — خموشی کو بیان مدعا کر
بہت کچھ کر چکا فریاد و ماتم — کہان تک حسرتِ افسانۂ غم

حمد باری تعالی از شام غریبان

اجازت او خیالِ فاصد دل — کہ آپہونچا دم تکلیف مشکل
طبیعت پھر مری کچھ ناز پر ہے — کوئی مطلب مگر آغاز پر ہے
مضامین لپٹے ہین فکر رسا سے — زبان جنبش مین ہے حمد خدا سے
بنایا جس نے کن سے دو جہان کو — کیا پیدا زمین و آسمان کو

مہ و خورشید و سایہ کو فلک دار — سکھایا بے قدم انداز رفتار
طلسمی کا خانہ اک بنا کے — نظر سے چھپ رہا صورت دکھا کے
بلند و پست سب اُسنے بنایا — عدم سے عالم ہستی مین لایا
جہان مین اہل بینش کی عجب کو — وصال و ہجر بخشا روز و شب کو
کیا پیدا نشان ہر بے نشان کا — دکھایا رنگ نیرنگ جہان کا
دیا سامان شاہانہ کسی کو — بنایا خاک ویرانہ کسی کو
کسی کو عشق کی لذت عطا کی — مزا دیتی رہی اندوہ ہنا کی
دکھائے جلوہ ہائے حسن خوبان — بنایا صورت آئینہ حیران
چھپائے سیکڑون جلوے دکھا کے — مٹائین صورتین کیا کیا بنا کے
نہ غافل ہے نہ ہے مرزا نہ باقی — فقط عالم مین ہے افسانہ باقی
تماشا دوست یار خود نما ہے — تصور بن کے پھرتا جا بجا ہے
کہین شوکت ہے شان انبیا کی — کہین عظمت ہے ذکر اولیا کی
کہین ہے ہمت اخوان یوسف — کہین ہے عصمت دامان یوسف
شرار شعلہ افزا ہے کہین وہ — ادیب ہوش موسی ہے کہین وہ
کہین ہے التماس شوق دیدار — کہین ہے محرم اسرار انکار
کہین طالب کہین مطلوب ہے وہ — غرض ہر رنگ مین کچھ خوب ہے وہ
سنبھل اے سرخوش پیمانۂ شوق — خراب بادۂ خمخانۂ شوق
زیادہ تر نہ دے رخصت قلم کو — مئے وحدت کے بدلے کھینچ دم کو
کہان تک ایک سی آہنگ فریاد — بدل اب اور کوئی رنگ فریاد
ملک مشتاق ہین حرف دعا کے — فلک پر بھیج تحفے التجا کے

انتخاب از کلیات حالی

مناظرہ واعظ و شاعر

کل جو مین نے بستر راحت پہ جا کر دم لیا
دل کو اک دفعہ غم دنیا سے فرصت کا ملا

کی تصور نے وہین اک بزم رنگین آشکار
مجلس ارباب معنی جس کو کہنا ہے بجا

گرم تھا وان ہر طرف ہنگامۂ بحث و نظر
سر خرو گلگونۂ حجت سے تھا ہر مدعا

شمع استدلال مین روشن تھا فانوس بیان
چار سو ہنگامہ آرا تھی لِمَ و لا کی صدا

تھے فراہم جسقدر اس بزم مین اہل کمال
تھا شرف کا اپنے اپنے فن کے سب کو ادّعا

مولوی کہتے تھے غیر از علم دین سب ہیچ ہے
فلسفی کہتے تھے ہر فن کی ہے حکمت پر بنا

صوفی صافی ادہر کچھ کہہ رہا تھا زیر لب
واعظ معجب اُدہر کچھ بک رہا تھا برملا

خود فروشی کا غرض تھا ہر طرف بازار گرم
ساز گوناگون تھے لیکن ایک تھی سب کی صدا

شاعر مغرور بھی ایک سمت خندان زیر لب
سن رہا تھا لاف اہل فضل اور خاموش تھا

جا کے پہونچا جب وہان تک دور صہبائے سخن
دفعتہً مجلس سے اُٹھا اور ہوا یون خود ستا

دعوی فضل براعت اسکو زیبا ہے یہان
جو کوئی تلمیذ رحمٰن تم مین ہو میرے سوا

ہے تصرف مین ہمارے عرصۂ دشت خیال
کچھ نہین معلوم جس کی ابتدا اور انتہا

رہروی مین ہمکو چشم و گوش پر تکیہ نہین
ہین ہمارے بال و پر اندیشۂ فکر رسا

صاف ہوتا ہے بیان اپنا خس و خاشاک سے
پاک ہو جیسے وساوس سے دل اہل صفا

اتفاقاً گر کسی کی مدح پر آجائین ہم
خاطر دشمن مین اسکا نقش الفت دین بٹھا

خاک کو چرخ برین پر دین اگر ترجیح ہم
ماند ہو ذرے کے آگے مہر تابان کی ضیا

وصف خوبان ہم سے گر سن پائے سالک یکبار
ہو نہ ہرگز پنجۂ عشق مجازی سے رہا

گر کرین ہم گلرخون کی بے وفائی کا بیان
ہو نہ بلبل پھر چمن مین روے گل پر مبتلا

کھینچ دین گر خاطرِ مشتاق کی تصویر شوق
قیس کی کرنی پڑی لیلے کو جاکر التجا

ہین ہماری مدح کے پیرو جوان امیدوار
اور ہماری ہجو سے تھراتے ہین شاہ و گدا

گرمیٔ بزمِ حریفان ہے ہماری ذات سے
بادۂ گلگون کا ہے ہر بات مین اپنی مزا

فکر اپنی لغزشِ اہلِ نظر سے پاک ہے
ہم جہان چلتے ہین وان مسدود ہے راہ خطا

کچھ نہین اپنا ضرر گر ہو روایت مین خلل
جھوٹ سے ہوتی ہے یان رونق عبادت کو سوا

دی نہین گویا شریعت نے ہمین تکلیف کچھ
جو نہین جائز کسی کو ہے وہ سب ہمکو روا

خودستائی جو کسی کو جز خدا پھبتی نہین
آکے ہو جاتی ہے شاعر کی زبان پر خوشنما

فحش اور دشنام کو ملتا ہے یان رنگِ قبول
گالیان دے دے کے ہم سنتے ہین اکثر مرحبا

جب یہ بالا خوانیان شاعر کی واعظ نے سنین
مسکرایا اور یہ فرمایا کہ اے ہذیان سرا

شیوہ تیرا بوالفضولی اور یہ لاف و گزاف
پیشہ تیرا بادہ خوانی اور اتنا ادعا

امتِ برحق کے عالم جو ہین اور وے خبر
وارث علم نبی قائم مقامِ انبیا

کیا ادب جاتا رہا انکا بھی تجکو اے سفیہ
بر سرِ مجلس ہے تو جو اس طرح پکارتا

گو نہین گنتی مین اہل علم کے یہ خاکسار
پر سنے جاتے نہین یہ تیرے دعوے ناروا

ہر سخن کا اک جدا ہوتا ہے موقع اور محل
ہزل و سخریت کجا بزمِ خردمندان کجا

علم اور حکمت کے ہون جس بزم مین دفتر کھلے
کس نے دی ہے تجکو وان اس ہرزہ گوئی کی رضا

شعر مستحسن اگر ہوتا تو قرآن مین اُسے
کیون خلافِ شان ختم المرسلین کہتا خدا

شان ہین بالعلم یزری جس کے آیا ہے صریح
فخر ہے اُس شعر پر تجھ کو یہ اے شر الوریٰ

چاہیے انفاس اہل الذکر سے ہو مستفید
ہو نہ جسکو علم سنت اور کتاب اللہ کا

خود ہو تم بے علم اور صحبت سے اہل علم کی
بھاگتے ہو جیسے شیطان ہے اذان سے بھاگتا

ہے یہی باعث کہ بک اُٹھتے ہو تم بے اختیار
جو تمہارے منہ مین آتا ہے سزا اور ناسزا

اُس زبانِ زیادہ گو کو اپنی کیا سمجھا ہے تو
جرم گو چھوٹا ہے اسکا جرم ہے لیکن بڑا

بے حقیقت ہین ترے سارے خیالات بلند
ہجو ہے تو بے اثر اور مدح ہے تو بے صفا

ہے جہان خامے کو تیرے خدمتِ مشاطگی
مورت اک پتھر کی ہے وان حور جنت سے سوا

بال سے باریک تر معشوق کی تیرے کمر
رات سے تاریک تر ہجرِ صنم مین دن ترا

شش جہت مین تو کرے برپا قیامت سات یا
یار سے اپنے اگر دم بھر کو ہو عاشق جدا

تیغ چوبین کی ہو گر برش بیان کرنی تجھے
ہے تنزل گر اُسے ٹھہرائے تو تیغ قضا

ہو جہان لکھنی تجھے اسپ گلی کی جست و خیز
اک ترارے مین اُسے پہونچائے تو فوق السما

تو ہوا مدح و ثنا مین جس کی سرگرم غلو
اور اُلٹا خوبیون پر اُسکے پردہ پڑ گیا

پرے درجے کا تنزل ہے اگر ٹھہرائے تو
جم کو اُسکے در کا دربان اور بہمن کو گدا

بہمن و جمشید یان بیچارے کس گنتی مین ہین
تنگ ہین ہاتھون سے تیرے انبیا اور اولیا

لکھے تو اک گربۂ مسکین کو سارا منزلت
اور کہے اک لعبت سنگین کو تو یوسف لقا

فی المثل گر ہو ترا ممدوح اک برگ گیاہ
اُسمین ثابت کرکے چھوڑے تو صفاتِ کبریا

باد خوانون سے سوا ہو تجھ کو فکرِ تہنیت
خواب مین سن پائے تو گر کوسِ شادی کی صدا

ہند مین غل ڈالدے تو نالہاے شوق سے
چین مین سہرہ ہو گر اک شاہدِ نوخیز کا

شعر کو الہام سمجھے گر نصیبون سے کبھی
کان مین پڑ جاے تیرے ایک جھوٹی واہ وا

مذہب شاعر مین جس کا دین باطل نام ہے
راستی اور صدق سے بڑھ کر نہین کوئی خطا

سر بسر اقوال تیرے کچھ ہین اور اقبال کچھ
ہے زبانِ گوہر افشان پر نعم اور دل مین لا

شان مین آیا ہے جنکی قول مالا یفعلون
چشم بد دور آپ کے ہادی ہین وہ اور مقتدا

ایسے دروازے بہت کم پائین گے آفاق مین
جس پہ صبح و شام تو نے دی نہ ہو جاکر صدا

ہے زبانِ خامہ تیری تابع فرمان حرص
کام تجھ کو کچھ نہین جز مدح و قدح اغنیا

مدح مین حد سے زیادہ جنکی کرتا ہے غلو
گالیان دیتا ہے تو اکثر اُنھین کو بر ملا

جیسے دروازون سے پھرتے ہین دعا دیکر فقیر
مدح تو بھی ختم کرتا ہے یونہین دیکر دعا

ہر دعا مین ہے مقدر شرط ان اعطیتی
صاف لعنت کا دعا مین تیری آتا ہے مزا

پردۂ عرض ہنر مین مانگتا ہے بھیک تو
گر یہی ہے شاعری تو تجھ سے بہتر ہے گدا

زہر دل کا جبکہ واعظ نے لیا سارا اُگل
اور نہ کوئی تیر باقی اُسکے ترکش مین رہا

سُن کے شاعر نے کہا بس اے خدنگ انداز بس
ہے زبان تیری دہن مین یا سنان جان گذا

چوٹ تھی تیری سخن پر جا پڑی اخلاق پر
تو نے چاک پیرہن کو تا جگر پہنچا دیا

خردہ گیری کے لئے حاضر ہے شاعر کا کلام
اس سے کیا مطلب کہ ہے وہ بندۂ حرص و ہوا

تو اگر معصوم ہو تو کچھ کہی جاتی نہین
پھنس رہا ہے ورنہ اس پھندے مین ہر شاہ و گدا

کھیلتے پھرتے ہین میدانِ جہان مین سب شکار
آڑ مین ٹٹی کے لاکھون اور ہزارون برملا

حرص ہوتی جسم مین انسان کے گر جائے خون
شاعرون سے تیرے چہرے کی دمک ہوتی سوا

مینے ان آنکھون سے اے واعظ لباس وعظ مین
جو فروشی کرتے دیکھے ہین بہت گندم نما

خبط ہے اک تجھکو۔ کھدون گر بُرا مانو نہ تم
آپ ہو بیمار اور اورون کو دیتے ہو دوا

آپ مین تسبیح و ذکر و طاعت و زہد و ورع
خوبیان سب کچھ سہی پر دل کا مالک ہے خدا

مین بتاؤن آپکو اچھون کی کیا پہچان ہے
جو ہین خود اچھے وہ اورونکو نہین کہتے بُرا

بات حق ہو یا کہ باطل تیری مرضی کے خلاف
مُنہ سے نکلی اور تجھے تکفیر کا پھلو ملا

ترک اولا پر فضیحت جسقدر کرتا ہے تو
قتل انسان پر نہین ملتی کہین ایسی سزا

ہے فقط دوزخ تری سرکار مین جنت نہین
چوک جس سے ہو گئی کچھ پھر نہین تو بخشتا

عاصیون کی مغفرت جس سے نکلتی ہے صریح
ایسی آیات اور حدیثون سے ہے تو جی مین خفا

گر خدا بھی واعظو ہوتا تمہین سا سخت گیر
اس چمن کو دیکھتا کوئی نہ پھر پھولا پھلا

گرم بازاری اسی مین اپنی بس سمجھے ہو تم
لوگ ہون بدراہ اور اُنکے بنو تم رہ نما

چاہتے ہو تم یہان کثرت معاصی کی نہین
ہین اطبا چاہتے جس طرح امراض اور دوا

آپ ان باتون کو اک بہتان سمجھین گے مگر
سوجھتی اکثر نہین انسان کو اپنی خطا

جو کہون مین اُسکو باور کر نہین اسمین خلاف
شاعرون کے کذب سے بدتر ہے واعظ کی ریا

یہ بھی کوئی جھوٹ ہے ہم جسکے خود ہین معترف
جھوٹ وہ ہے جو ہو پردے مین تقدس کے چھپا

دعوتون مین سچ بتا جس شوق سے جاتا ہے تو
ایک بھی کی ہے نماز اس شوق سے تونے ادا

یاد ہے وہ تیرا کھانا دیکھ کر کھانے چنے
دین قائم ہے ابھی یارو کرو شکرِ خدا

مدرسے کوشش سے تیری گو بنے ہین شہر شہر
مسجدین بھی تونے بنوائی ہین اکثر جابجا

پر یہ حیرت ہے کہ ان کامون مین جو لاگت لگی
اُس سے وہ چند آپکے دیوان خانہ مین لگا

مجرمون کے جرم شاید ہون نہ اتنے خوفناک
نیکیان تیری ہین جیسی پر خطر روزِ جزا

ہے یقین اُتنا ہی ہوگا اپنے دل مین تو حقیر
جسقدر مانا ہے زید و عمر نے تجھ کو بُرا

کر دیا رسوا تری تزویر نے تذکیر کو
ورنہ اک منصب تھا یہ شایانِ شانِ انبیا

لطف ہے تو دلربا اور قہر ہے تو دلفریب
سحر ہے افسون ہے جادو ہے تری جو ہے ادا

گر جہنم مین ڈرا کر چاہتا رشوت ہے تو
گاہ حورون پر لبھا کر مانگتا ہے رونما

گو نجاتا ممبر پہ ہے یون بیٹھ کر گویا کہ آپ
آسمان سے لے کے اترے ہین ابھی حکم خدا

ہاتھ مین تیرے ہے گویا نارِ جنت کی کلید
جس نے پوجا تجھ کو وہ فردوس مین داخل ہوا

نیکیان برباد ہین ساری تری خدمت بغیر
فرقۂ ناجی ہے بس اک پوجنے والا ترا

اپنی اک امت الگ سب سے بنا لینے کے لئے
تفرقے ڈالے ہین دینِ حق مین تونے جابجا

تیرے گھر سے ہین مسلمانون مین ہے جبتک نزاع
اختلاف امت کا حق مین تیری رحمت ہو گیا

جس طرح جھگڑون کے خواہان ہین عدالت مین وکیل
مانگتا ہے تو یونہین باہم خصومت کی دعا

چاہتا ہے قوم مین جوتی سدا چلتی رہے
کشتیٔ اسلام کا پھر کیون نہ ہو تو ناخدا

شاعرون کو پس اسی مُنہ سے گدا کہتا ہے تو
اے اسیرِ دامِ نفس اے بندۂ حرص و ہوا

کچھ گدا کہنے سے تیرے ہم گدا ہوتے نہین
ورنہ ہم بھی یون تو کہہ اُٹھتے ہین بعضون کو گدا

شاعری پر ہے بڑا یہ طعن حضرت کا کہ ہم
حد سے بڑھ جاتے ہین جب کرتے ہین مدحِ اغنیا

طعن کچھہ بیجا نہین رکھتے ہین پر اک عذر ہم
غور کرنا عذر پر ہے شیوہ اہل صفا

سب پہ روشن ہے کہ ہم لوگونکا اک پیشہ ہے مدح
جیسے تم لوگون کا پیشہ ہے یہی مکر و ریا

اپنے اپنے کام اور پیشہ مین ہم ہون یا کہ تم
کرتے ہین ہونا ہے جو کچھہ مصلحت کا مقتضا

وعظ مین دیتے ہو آخر داستان کی چاٹ تم
راستی سے کام جب چلتا نہین تسخیر کا

مدح مین ہم بھی یونہین کرتے ہین رنگ آمیزیان
جب تن ممدوح پر کھلتی نہین سادی قبا

پھول کھیل سے سرو کو بے بہرہ جب پاتے ہین ہم
ایک طرہ اُسمین آزادی کا دیتے ہین لگا

سوسن و نسرین و گل مین جب وفا پاتے نہین
وصف رنگ و بو سے ہم دیتے ہین عیب اُنکا چھپا

پر ہم اس پردے مین خود اپنا دکھاتے ہین کمال
ورنہ ایسی مدح ہے ممدوح کے حق مین ہما

اس سے بڑھکر ہجو ہو سکتی ہے کیا انسان کی
لکھین اعمیٰ کو بصیر اور راہزن کو رہنما

عدل مین لکھتے ہین ہم نوشیروان عہد انہین
ایک منکوحہ کا حق ہوتا نہین جنسے ادا

حاتم وقت اُنکو ٹھہراتے ہین جنکا بذل وجود
اسلئے ہے تاکہ حاصل حاکمون کی ہو رضا

زیرکی مین اُنکو کہتے ہین ارسطوے زمان
ہمنشین احمق بناتے ہین جنہین صبح و مسا

کہتے ہین کس شد و مد سے ہم اُنہین بیدار مغز
جو نہین واقف کہ آمد کیا ہے اور ہے خرچ کیا

جو غلامانہ خوشامد کرتے ہین حکام کی
اُنکی آزادی پہ ہم کہتے ہین سو سو مرحبا

اُن مین ثابت کرتے ہین ہمدردی نوع بشر
آپکو کہتے ہین جو نوع بشر سے ماورئی

حامی اسلام دیتے ہین خطاب اُنکو کہ جو
کرتے ہین رسوا چلن سے اپنے نام اسلام کا

یاور خلق اُنکو کہتے ہین جنہین اے واعظو
تم کسی کے کام کار کہتے نہین اپنے سوا

مدح کی جاتی ہے یان اکثر اسی انداز سے
شیخ ہو ممدوح یا واعظ غنی ہو یا گدا

خطب دوران اُن ریاکارون کو ٹھہراتے ہین ہم
آپکو بھی جو سکھائین مدتون مکر و دغا

ان فسون سازون کو ہم کہتے ہین ذوالنون زمان
بیٹھکر منبر پہ جو آنکھون کا کاجل لین اُڑا

آپ چھٹ اُسکو کہے جو مدح وہ بے مغز ہے
نام اسکا مدح ہے تو ہجو ہے پھر چیز کیا

چبھتی اور دکھتی سخنور نے یہ کی تقریر جب
اور لگے سب مسکرانے دیکھ کر یہ ماجرا

دل مین واعظ نے پڑھی لاحول اور سمجھا کہ مین
چھیڑ کر اک بے ادب کو مفت مین رسوا ہوا

پر بظاہر داغ یہ دامن سے دھونیکے لئے
ہنس کے اک سنجیدگی سے اور متانت سے کہا

ہو چکین باتین ہنسی کی اب کرو کچھ اور ذکر
ہزل و استہزا زیادہ حد سے ہوتا ہے بُرا

کہئے فکر شعر کا ہوتا ہے اب بھی اتفاق
آپ نے دیوان مرتب کیون نہین اب تک کیا

ہین ہنسی کی اور باتین کیجئے انصاف اگر
ہر غزل مین آپکے دیوان حافظ کا مزا

عرض کی شاعر نے حضرت کا ہے یہ حسن ظن
ورنہ مین کیا اور میرا مجموعۂ اشعار کیا

قبلہ اب وہ دن گئے جو شاعری کی قدر تھی
شاعری اور نکتہ پردازی مین ہے اب کیا دھرا

شعر اگر کہئے تو روٹی جا کے کس گھر کھائے
سیکڑون پھرتے ہین شاعر تنگدست اور بے نوا

اب تو یہ کہتا ہون شعر و شاعری کو چھوڑ کر
وعظ مین شاگرد ہو جاؤن کسی اُستاد کا

اس گئے گذرے زمانے مین بھی یہ فن شریف
کیمیا ہے کیمیا ہے کیمیا ہے کیمیا

آپ لوگون کی تو اسمین رئیس کرنی ہے محال
پر ہمین بھی سیکھنے سے کچھ نہ کچھ آجائیگا

روز گر سونے کی چڑیا گر نہ ہاتھ آئی نہ آئے
ہم گنہگارون کا پیٹ ایسا نہین ہے کچھ بڑا

کی سخن پردازنے واعظ سے جب یہ گفتگو
قہقہون سے چار سو مجلس مین اک غل پڑ گیا

خواب کا سا وہ سما جاتا رہا سب یک بیک
اور وہی پہلو سے دل نے کان مین میری صدا

ہزل ہو یا جد نصیحت لیجئے ہر بات سے
کہ گئے ہین اہل دل دع ما کدر خذ ما صفا

رباعیات

کانٹا ہے ہر اک جگر مین اٹکا تیرا
حلقہ ہے ہر اک گوش مین لٹکا تیرا

مانا نہین جس نے تجکو۔ جانا ہے ضرور
بھٹکے ہوے دل مین ہی ہے کھٹکا تیرا

۲

ہندو نے صنم مین جلوہ پایا تیرا
آتش پہ مغان نے راگ گایا تیرا

دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے
انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

۳

مٹی سے ہوا سے آتش و آب سے بہان
کیا کیا نہ ہوئے بشر پہ اسرار عیان
پر تیرے خزانے ہین ازل سے ابتک
گنجینۂ غیب مین اسی طرح نہان

۴

کیا ہوگی دلیل تجھ پہ اور اس سے زیادہ
دنیا مین نہین ہے ایک دل جو کہ ہو شاد
پر جو کہ ہین تجھ سے لو لگائے بیٹھے
رہتے ہین ہر ایک رنج و غم سے آزاد

۵

ممکن نہین یہ کہ ہو بشر عیب سے دور
پر عیب سے بچیے تا بمقدور ضرور
عیب اپنے گھٹاؤ پر خبردار رہو
گھٹنے سے کہین انکے نہ بڑھ جائے غرور

۶

دنیائے دنی کو نقش فانی سمجھو
روداد جہان کو اک کہانی سمجھو
پر جب کرو آغاز کوئی کام برا
ہر سانس کو عمر جاودانی سمجھو

۷

اے علم کیا ہے تو نے ملکون کو نہال
غائب ہوا تو جہان سے وہان آیا زوال
انپر ہوئے غیب کے خزانے مفتوح
جن قومون نے ٹھہرایا تجھے راس المال

۸

ہین یار رفیق پر مصیبت مین نہین
ساتھی ہین عزیز لیک ذمت مین نہین
اس بات کی انسان سے توقع ہے عبث
جو نوع بشر کی خود جبلت مین نہین

۹

عشرت کا ثمر تلخ سدا ہوتا ہے
ہر قہقہہ پیغام بکا ہوتا ہے

جس قوم کو عیش و دست پاتا ہون مین
کہتا ہون کہ اب دیکھیے کیا ہوتا ہے

۱۰

منزل ہی بعید باندھو زادِ سفر
گاہک چوکس ہی لے چلو مال کھرا

مواج ہے بحر کہو کشتی کی خبر
ہلکا کرو بوجھ ہے کٹھن راہگذار

۱۱

اے وقت بگاڑ کا ہی سب کے چارہ
ہو جائے گر ایک تو ہمارا ساتھی

پر تجھسے بگڑنے کا نہین ہی یارا
پھر غم نہین پھر جائے زمانہ سارا

۱۲

کی طاعت نفس مین بہت عمر بسر
کیفیت شب اُٹھا چکے۔ اجالی

انجام کی رکھی نہ جوانی مین خبر
مجلس کرو برخاست ہوا وقت سحر

۱۳

چھوڑو کہین جلال و دولت کا خیال
سرمایہ کرو جمع جس کو نہ کبھی

مہمان کوئی دن کی ہین دولت ہو کہ مال
اندیشۂ فوت ہو نہ ہو خوفِ زوال

۱۴

احسان کی ہے گر صلہ کی خواہش تمکو
کرتے ہو گر احسان تو کرو اُسی عام

تو اس سی یہ بہتر ہے کہ احسان نکرو
اتنا کہ جہان مین کوئی ممنون نہو

۱۵

یاد اُسکی یہان ورد مدام اپنا ہے
کس طرح نہ لیجے کہ ہی نام اُس کا

خالی نہ ہو جو کبھی وہ جام اپنا ہے
کس طرح نہ کیجیے کہ کام اپنا ہے

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال۔ ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی

۱۸۷۸ء مین پیدا ہوے۔ وطن مالوف آپکا سیالکوٹ ہے۔ لاہور کالج مین تعلیم پاکر ایم۔ اے۔ کی ڈگری حاصل کی۔ ابتداے سن تمیز سے طبیعت شاعری کی طرف مائل تھی۔ فن سخن کا صحیح مذاق سخن آفرین نے آپکی طبیعت مین ودیعت کیا ہے۔ ۱۸۹۹ء مین دوستون کے اصرار سے انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے مین آپنے نالۂ یتیم کے عنوان سے ایک قابل قدر نظم پڑہی۔ یہ نظم دلگداز اور موثر ہونیکی وجہ سے کچھ ایسی مقبول خاص وعام ہوئی کہ یتیم خانے کے لئے چندے کی بارش ہونے لگی۔ اسی نظم نے اُس شہرت کی بنیاد رکھ دی جو اب اطراف ہند مین پہیلی ہوئی ہے۔ آپ عربی اور فارسی مین بھی قابلیت رکھتے ہین اور سنسکرت سے بھی آشنا ہین۔

آپ نے چند غزلین مرزا ارشد گورگانی کو دکھائین اور پہر بلبل ہندوستان نواب فصیح الملک مرزا خان داغ سے بذریعہ خط وکتابت تلمذ اختیار کیا۔ اس دن سے آجتک آپکا کلام روز افزون ترقی کر رہا ہے۔ جب سے نئے رنگ مین کہنا شروع کیا اصلاح لینے کی پابندی جاتی رہی کہتے کہتے خود اچھا کہنے لگے۔ نواب فصیح الملک انکی بیحد قدر کرتے۔ اور انکی ذہانت اور سلیقہ کی داد دیتے۔

آپکے کلام مین بہرتی کے شعر کم پائے جاتے ہین۔ کوئی شعر درد۔ وحدت۔ اخلاق کی چاشنی سے خالی نہین ہوتا۔ مولنا شبلی فرماتے تھے کہ جب آزاد اور حالی کی کرسیان خالی ہونگی تو لوگ آپکو ڈہونڈہینگے۔ آپکو تلمذ اگرچہ حضرت داغ سے رہا ہے مگر مشکل پسند طبیعت کے اقتضا سے اکثر مرزا غالب کی پیروی کرتے ہین۔

ستارہ

قمر کا خوف کہ ہے خطرۂ سحر تجکو
مآل حسن کی کیا مل گئی خبر تجکو

متاع نور کے لٹ جانیکا ہے ڈر تجکو
ہے کیا ہراس فنا صورت شرر تجکو

زمین سے دور دیا آسمان نے گھر تجکو
مثال ماہ اُڑہائی فضاے زر تجکو

غضب ہے پھر تری ننھی سی جان ڈرتی ہے
تمام رات تری کانپتے گذرتی ہے

چمکنے والے مسافر! عجب یہ بستی ہے
جو اوج ایک کا ہے دوسرے کی پستی ہے

اجل ہے لاکھوں ستاروں کی اک ولادت مہر
فنا کی نیند مئے زندگی کی مستی ہے

وداع غنچہ مین ہے راز آفرینش گل
عدم عدم ہے کہ آئینہ دار ہستی ہے

سکون محال ہے قدرت کے کارخانے مین
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے مین

ترانہ

سارے جہان سے اچھا ہندوستان ہمارا
ہم بلبلین ہین اُسکی وہ گلستان ہمارا

غربت مین ہون اگر ہم رہتا ہے دل وطن مین
سمجھو وہین ہمین بھی دل ہو جہان ہمارا

پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسمان کا
وہ سنتری ہمارا وہ پاسبان ہمارا

گودی مین کھیلتی ہین اُسکی ہزارون ندیان
گلشن ہے جنکے دم سے رشک جنان ہمارا

اے آب رود گنگا وہ دن ہے یاد تجھکو
اُترا ترے کنارے جب کاروان ہمارا

مذہب نہین سکھاتا آپس مین بیر رکھنا
ہندی ہین ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا

یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہان سے
ابتک مگر ہے باقی نام و نشان ہمارا

کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہین ہماری
صدیون رہا ہے دشمن دور زمان ہمارا

اقبال کوئی محرم اپنا نہین جہان مین
معلوم کیا کسی کو درد نہان ہمارا

نیا شوالہ

سچ کہدون اے برہمن گر تو برا نہ مانے
تیرے صنم کدون کے بت ہو گئے پرانے

اپنون سے بیر رکھنا تو نے بتون سے سیکھا
جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے

تنگ آکے مینے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
واعظ کا وعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے

کچھ فکر پھوٹ کی کر مالی ہے تو چمن کا
بوٹون کو پھونک ڈالا اس بس بھری ہوا نے

پتھر کی مورتون مین سمجھا ہے تو خدا ہے
خاک وطن کا مجھکو ہر ذرہ دیوتا ہے

آمل کے غیریت کے پردون کو پھر اُٹھا دین
بچھڑون کو پھر ملا دین نقش دوئی مٹا دین

سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے جی کی بستی
آ اک نیا شوالہ اس دیس مین بنا دین

دنیا کے تیرتھون سے اونچا ہوا اپنا تیرتھ
دامان آسمان سے اسکا کلس ملا دین

پھر اک انوپ ایسی سونے کی مورتی ہو
اس ہردوار دل مین لاکر جسے بٹھا دین

سُندر ہو اُسکی صورت چھب اُسکی موہنی ہو
اس دیوتا سے مانگین جو دل کی ہون مرادین

زُنار ہو گلے مین تسبیح ہاتھ مین ہو
یعنی صنم کدے مین شانِ حرم دکھا دین

پھلوکو چیر ڈالین درشن ہو عام اسکا
ہر آتما مین گویا اک آگ سی لگا دین

آنکھون کی ہے جو گنگا لے کے اُس سے پانی
اس دیوتا کے آگے اک نہر سی بہا دین

ہندوستان لکھدین ماتھے پہ اس صنم کے
بھولے ہوئے ترانے دنیا کو پھر سُنا دین

ہر صبح اُٹھ کے گائین منتر وہ میٹھے میٹھے
سارے پجاریون کو مے پیت کی پلا دین

مندر مین ہو بلانا جس دم پجاریون کو
آوازۂ اذان کو ناقوس مین چھپا دین

اگنی ہے وہ جو نرِ گن کہتے ہین پیت جسکو
دھرمون کے یہ بکھیڑے اس آگ مین جلا دین

ہے ریت عاشقون کی تن من نثار کرنا
رونا ستم اُٹھانا۔ اور اُن کو پیار کرنا

ایک آرزو

دُنیا کی محفلون سے اُکتا گیا ہون یا رب
کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو

سوزش سے ہون گریزان دل ڈھونڈتا ہے میرا
ایسا سکوت جسپر تقریر بھی فدا ہو

مرتا ہون خامشی پر یہ آرزو ہے میری
دامن مین کوہ کے اک چھوٹا سا جھونپڑا ہو

لذت سرود کی ہو چڑیون کے چہچہون مین
چشمے کی سوزشون مین باجا سا بج رہا ہو

آغوش مین زمین کے سویا ہوا ہو سبزہ
پھر پھر کے جھاڑیون مین پانی چمک رہا ہو

گل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا
ساغر ذرا سا گویا مجکو جہان نما ہو

صف باندھے دونون جانب بوٹے ہرے ہرے ہون
ندی کا صاف پانی تصویر سے رہا ہو

ہو دلفریب ایسا کہسار کا نظارہ
پانی بھی موج بنکر اُٹھ اُٹھ کے دیکھتا ہو

مہندی لگائے سورج جب شام کی دُلہن کو
سرخی لئے سُنہری پھولون کی قبا ہو

راتون کے چلنے والے رہ جائین تھک کے جسدم
امید اُنکی میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو

پچھلے پہر کو کوئل وہ صبح کی مؤذن
مین اسکا ہم نوا ہون وہ میری ہم نوا ہو

کانون پہ ہو نہ میری دیر و حرم کا احسان
روزن ہین جو نپڑی کا مجھکو سحر نما ہو

پھولون کو آئے جسدم شبنم وضو کرانے
رونا مرا وضو ہو نالہ مرا دعا ہو

دل کھول کر بہاؤن اپنے وطن پہ آنسو
سرسبز جسکی نم سے بوٹا امید کا ہو

اس خامشی مین جائین اتنے بلند نالے
تارون کے قافلے کو میری صدا درا ہو

ہر درد مند دل کو رونا مرا رُلا دے
بیہوش جو پڑے ہین شاید انہین جگا دے

خان بہادر سید اکبر حسین رضوی

اکبر تخلص۔ اکبر حسین نام۔ الہ آباد کے رہنے والے۔ منشی غلام حسین صاحب وحید الہ آبادی شاگرد خواجہ آتش کے شاگرد رشید بلکہ سرمایہ ناز اور فخر اُستاد ہین۔ عربی فارسی زبانون مین کامل دستگاہ رکھتے ہین اور زبان انگریزی اور اسکے علم ادب سے بخوبی ماہر ہین۔ مغربی خیالات کو بطرز احسن ایشیائی لباس پہنانے مین ساعی رہتے ہین اور عمدہ طور پر کامیاب بھی ہوتے ہین۔ اکثر مشاہیر انگلستان کے کلام کا اُردو مین بہت ہی خوش اسلوبی اور عمدگی کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔ ایشیائی طرز قدیم مین بھی بہت بلند پایہ ناظم و شاعر ہین۔ قوت متخیلہ و ممیزہ دونون مین اعلیٰ درجہ کا حصہ فطرتاً آپکے طبیعت مین ودیعت ہوا ہے۔ چنانچہ تعلیم و تہذیب مغربی کا جو روز افزون اثر ہمارے ہندوستانی نوجوانون پر ہو رہا ہے اور اُس سے جو نتیجے پیدا ہوئے اور ہو رہے ہین اُنکے متعلق آپ اکثر نہایت قابل قدر

خیالات ظاہر فرماتے رہتے ہیں۔ زبان نہایت صاف اور پاکیزہ اور طرز بیان بیحد دلچسپ و دلکش ہے۔ نغز گوئی اور بذلہ سنجی آپکی شوخ طبیعت کا ایک ادنیٰ جوہر ہے۔ مگر ساتھ ہی مضمون آفرینی اور نازک خیالی سے خالی نہین۔ عاشقانہ رنگ کے شعر مین بات پیدا کرنی انکی جدت پسند طبیعت کا ایک خاص مذاق ہے۔ کلام مین صفائی و سادگی، بنے بنے محل و موقعہ پر دل آویز جھلک دکھاتی ہین۔ الغرض آپکا کلام برگزیدہ و پسندیدہ خاص و عام ہے۔ عیوب شاعری سے میرا و نقائص سے سراسر معرا ہے۔ ہر رنگ ہر بحر ہر زمین مین کامل دسترس ہے۔ پولیٹکل اور سوشل معاملات مین آپکی رائے نہایت متین و مناسب ہوتی ہے۔ خیالات بھی نہایت سلجھے ہوئے اور اکثر اچھوتے ہوتے ہین۔ اپنے طرز خاص میں اسوقت مسلم الثبوت استاد مانے جاتے ہین۔ آپکے تین دیوان مرتب ہوگئے ہین۔ دو چھپکر شایع ہو چکے ہین تیسرا مرتب ہوکر رکھا ہے وقت کا انتظار کر رہا ہے۔ آپ نومبر ۱۸۴۶ء کو مقام بارہ ضلع الہ آباد مین پیدا ہوئے۔ دیسی مکاتب اور سرکاری مدرسون مین تعلیم پاکر آپنے ۱۸۶۷ء مین امتحان وکالت درجہ اولے پاس کیا۔ ۱۸۶۹ء مین نائب تحصیلدار مقرر ہوئے۔ ۱۸۷۰ء مین ہائیکورٹ کے مسلمان مقرر ہوئے ۱۸۷۳ء مین وکالت درجہ اعلیٰ کی سند حاصل کرکے ۱۸۸۰ء تک وکالت کرتے رہے۔ ۱۸۸۰ء مین دوبارہ سرکاری ملازمت کی منصفی سے درجہ بدرجہ ترقی کرکے ۱۸۸۸ء مین سب جج اور ۱۸۹۴ء مین عدالت خفیفہ درجہ اول ۔ اور ششن جج مقرر ہوئے۔ اور کئی سال تک ہزار بارہ سو روپیہ ماہوار مشاہرہ پاتے رہے ۱۹۰۳ء مین اپنے مستقل عہدہ ججی عدالت خفیفہ الہ آباد سے نہایت نیکنامی کے ساتھ پنشن لیکر علیحدہ ہوئے ۱۸۹۸ء مین گورنمنٹ نے جوڈیشل سروس کے صلہ مین خان بہادر کا خطاب مرحمت فرمایا۔ الہ آباد یونی ورسٹی کے فیلو بھی مقرر ہوئے۔ آجکل الہ آباد مین فرصت کے طرف سے مطمئن زندگی بسر کر رہے ہین۔ اور موجودہ عہد کے ان منتخب شعرائے اردو مین سمجھے جاتے ہین جنھون نے زمانہ کے میلان عام اور جدید اثرات سے موثر ہوکر شاعری کے لئے نئی نئی زمین نکالین۔ انکے کلام مین سنجیدہ اور نتیجہ خیز ظرافت کی آمیزش ایک ایسا دلکش حسن ہے جو انکو اپنے تمام ہمعصرون مین نمایان کرتا ہے۔

غزلیات

کہو کرے گا حفاظت مری خدا میرا
رہون جو حق پہ مخالف کرینگے کیا میرا

خدا کے در سے اگر مین نہین ہون بیگانہ
تو ذرہ ذرہ عالم ہے آشنا میرا

مری حقیقت ہستی یہ مشت خاک نہین
بجا ہے مجھ سے جو پوچھے کوئی بنا میرا

اُنھین ہے عقل جو محتاج غیر ہے ہر دم
مجھے ہے عشق کہ جو خود ہے مدّعا میرا

غرور اُنھین ہے تو مجکو بھی ناز ہے اکبر
سوا خدا کے سب اُنکا ہے اور خدا میرا

۳

وقتِ طلوع دیکھا وقت غروب دیکھا
اب فکر آخرت ہے دنیا کو خوب دیکھا

اِسنے خدا کو مانا وہ ہو رہا بتون کا
یا اِسنے خوب سمجھا یا اُسنے خوب دیکھا

نامِ خدا کو اکثر زیبِ زبان تو پایا
عشقِ بتان کو لیکن نقشِ قلوب دیکھا

اورون پہ معترض تھے لیکن جو آنکھ کھولی
اپنے ہی دلکو ہمنے گنج عیوب دیکھا

۴

جو مل گیا وہ کھانا داتا کا نام جپنا
اسکے سوا بتاون کیا تمسے کام اپنا

رونا تو ہے اسی کا کوئی نہین کسی کا
دنیا ہے اور مطلب مطلب ہے اور اپنا

اے برہمن ہمارا تیرا ہے ایک عالم
ہم خواب دیکھتے ہین تو دیکھتا ہے سپنا

یہ وہم و ہام کیسی شوقِ نمود کیسا
بجلی کو دل کی صورت آتا نہین تڑپنا

بے عشق کے جوانی کٹتی نہین مناسب
کیون کر کہون کہ اچھا ہے جیٹھ کا نہ تپنا

۴

لے گیا تھا طرفِ گور غریبان دل زار
کیا کہین تم سے جو کچھ وان کا تماشا دیکھا

وہ جو تھے رونق آبادی گلزار جہان
سر سے پا تک اُنھین خاکِ رہ صحرا دیکھا

کل تلک محفل عشرت مین جو تھے صدر نشین
قبر مین آج اُنھین بے کس و تنہا دیکھا

بسکہ نیرنگئے عالم پہ اُسے حیرت تھی
آئینہ خاک سکندر کو سراپا دیکھا

سر جمشید کے کاسے مین بھری تھی حسرت
یاس کو معتکفِ تربتِ دارا دیکھا

۵

نہ کتابون سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگون کی نظر سے پیدا

جو خردمند ہین وہ خوب سمجھتے ہین یہ بات
خیر خواہی وہ نہین ہے جو ہو ڈر سے پیدا

رنج دنیا سے بہت مضطرب الحال تھا یہ
دل مین تسکین ہوئی مذہب کے اثر سے پیدا

۶

سب سے کر قطع نظر بہر خیالِ روے دوست
یا ہر اک شے کو سمجھ عکسِ جمالِ روے دوست

گوشۂ عزلت کے لئے قائم ہے صورت سرمدی
ذرہ ذرہ کہہ رہا ہے اُس سے حالِ روے دوست

گردش ارض و سما ہے حضرِ راہِ معرفت
مہر و مہ ہین شاہدِ اوجِ کمالِ روے دوست

۷

شور بلبل جوشِ گل موجِ نسیم انوار صبح
اللہ اللہ کس قدر ہین دلکشا آثار صبح

آفتاب اوجِ سعادت کا ہے وہ روشن نفس
نورِ طاعت جس سے ظاہر ہو دم آثار صبح

جلوۂ حق کے مقابل روے بت ہے بے فروغ
ہے پیامِ مرگ شمعون کے لئے دیدار صبح

واہ کیا کہنا ہے تیرا اے نسیم صبح خیز
تیرے دم سے ہے چمن مین گرمیٔ بازار صبح

عاشقِ دنیا کو کیون آئے خیالِ آخرت
کس نے پروانے کو پایا شائق دیدار صبح

عہد پیری آگیا اکبر سنبھالو اپنے ہوش
خواب غفلت سے اُٹھو پیدا ہوے آثار صبح

۸

بہار آئی کھلے گل زیب صحن بوستان ہو کر
عنادل نے مچائی دھوم سرگرم فغان ہو کر

بچھا فرش زمرد اہتمام سبزۂ تر مین
چلی مستانہ وش باد صبا عنبر فشان ہو کر

عروج نشہ نشو و نما سے ڈالیان جھومین
ترانے گائے مرغانِ چمن نے شادمان ہو کر

بلائین شاخ گل کی لین نسیم صبح گاہی نے
ہوئین کلیان شگفتہ روے رنگین بتان ہو کر

جوانان چمن نے اپنا اپنا رنگ دکھلایا
کسی نے یاسمن ہو کر کسی نے ارغوان ہو کر

کیا پھولون نے شبنم سے وضو صحن گلستان مین
صدائے نغمۂ بلبل اُٹھی بانگ اذان ہوکر

ہوائے شوق مین شاخین جھکین خالق کے سجدہ کو
ہوئی تسبیح مین مصروف ہر پتی زبان ہوکر

زبانِ برگ گل نے کی دعا رنگین عبارت مین
خدا سرسبز رکھے اس چمن کو مہربان ہوکر

نگاہین کاملون کی پڑ ہی جاتی ہین زمانے مین
کہین چھپتا ہے اکبر پھول پتون مین نہان ہوکر

۹

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہین
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہین

معرفت خالق کی عالم مین بہت دشوار ہے
شہر تن مین جب کہ خود اپنا پتہ ملتا نہین

غافلون کے لطف کو کافی ہے دنیاوی خوشی
عاقلون کو بے غم عقبیٰ مزا ملتا نہین

کشتیٔ دل کی الٰہی بحر ہستی مین ہو خیر
ناخدا ملتے ہین لیکن با خدا ملتا نہین

غافلون کو کیا سناؤن داستانِ عشق یار
سونے والے ملتے ہین درد آشنا ملتا نہین

زندگانی کا مزا ملتا تھا جس کی بزم مین
اُن کی قبرون کا بھی اب مجکو پتا ملتا نہین

صرف ظاہر ہوگیا سرمایۂ زیب و صفا
کیا تعجب ہے جو باطن با صفا ملتا نہین

پختہ طبعون پر حوادث کا نہین ہوتا اثر
کوہسارون مین نشانِ نقش پا ملتا نہین

شیخ صاحب برہمن سے لاکھ برتین دوستی
بے بھجن گائے تو مندر سے ٹکا ملتا نہین

۱۰

نہین جمتا کسی کا نقش اس دنیائے فانی مین
حباب آسا مٹا ابھرا جو بحرِ زندگانی مین

سکون قلب کی دولت کہان دنیائے فانی مین
بس اک غفلت سی ہو جاتی ہے اور وہ بھی جوانی مین

اجل کی نیند آجاتی ہے آخر سونے والون کو
قیامت کا اثر پاتا ہون دنیا کی کہانی مین

حباب اپنی خودی سے بس یہی کہتا ہوا گذرا
تماشا تھا ہوا نے اک گرہ دیدی تھی پانی مین

نہ پوچھ اے ہمنشین قصۂ عیش و طرب ہم سے
کسے اب یاد ہے اک خواب دیکھا تھا جوانی مین

اسی صورت مین دلکش خوبی الفاظ ہوتی ہے
کہ حسن یار کا پیدا کرے جلوہ فغانی مین

زبانِ حال سے پروانۂ بسمل یہ کہتا ہے
حضوری ہو اگر حاصل مزا ہے نیم جانی مین

فلک نے مضمحل کرکے ہمین خس کر دیا آخر
بہے جاتے ہین بے مقصود بحرِ زندگانی مین

ادائے شکر کرکے احتراز اولے ہے اے اکبر
ہزارون آفتین شامل ہین اُنکی مہربانی مین

۱۱

ختم کیا صبا نے رقص۔ گُل پہ نثار ہو چکی
جوشِ نشاط ہو چکا۔ صوت ہزار ہو چکی

رنگِ بدِ زمانہ کو دیکھ کے گُل نے راہ لی
لطفِ نسیم ہو چکا۔ کاوشِ خار ہو چکی

[illegible] مٹ گیا سنبل تر نہین رہا
صحنِ چمن مین زینتِ نقش و نگار ہو چکی

مستی لا[illegible] اب کہان [illegible] پیالہ اب کہان
دورِ طرب گذر گیا آمدِ یار ہو چکی

رُت وہ جو تھی بدل گئی آئی بس اور نکل گئی
تھی جو ہوا مین نکہتِ مشک نثار ہو چکی

ابتک اُسی روش پہ ہے اکبر مست و بیخبر
کھدے کوئی عزیز مین فصلِ بہار ہو چکی

۱۲

دلون کو لذتِ معنی کا اب حس بھی نہین باقی
جسے دیکھو قتیلِ صورتِ دنیائے فانی ہے

حدیثِ آرزوئے قربِ باری ہے نظر کس کی
خدا اک لفظ ہے اور شوقِ موسیٰ اک کہانی ہے

ہوائے وادیِ ایمن کہان اب گلشنِ دل مین
نہ وہ ارنی کا خرمن ہے نہ شوقِ لن ترانی ہے

معاذ اللہ غفلت باریان یہ ابرِ مغرب کی
کوئی آلودۂ آنر کوئی صرفِ جوانی ہے

مٹا دے اپنی ہستی اشتیاقِ حسن باقی مین
جو لے اکبر تجھے ذوقِ حیاتِ جاودانی ہے

۱۳

دلِ مبتلائے غفلت تو ہے محوِ دیرِ فانی
جو خدا کی یاد آئے تو اُسی کی مہربانی

جو گذر گیا خودی سے تو وہ مل گیا اُسی سے
نہ ہوائے لبِ ارنی نہ صدائے لن ترانی

مین زبان پہ لاؤن کیونکر وہ حدیثِ حسنِ مطلق
کہ نہ بارِ لفظ اُٹھائے گی نزاکتِ معانی

مین سمجھ گیا وہی ہے میرے پردۂ نفس مین
مجھے اب تو سانس لینا ہی ہے لطفِ زندگانی

باعیات

کھولی ہے زبان خوش بیانی کے لئے
اُٹھا ہے قلم گہر فشانی کے لئے
آیا ہون میں کوچہ سخن مین اکبر
نظارۂ شاہدِ معانی کے لئے

۲

کیا تم سے کہین جہان کو کیسا پایا
غفلت ہی مین آدمی کو ڈوبا پایا
آنکھین تو بے شمار دیکھین لیکن
کم تھین بخدا کہ جن کو بینا پایا

۳

انقلاب جہان کو دیکھ لیا
حُبِ دنیا سے قلب پاک ہوا
کل کلی کھِل کے ہوگئی تھی پھول
پھول کمہلا کے آج خاک ہوا

۴

لامذہبی سے ہو نہین سکتی فلاح قوم
ہرگز گذر سکین گے نہ ان منزلون سے آپ
کعبے سے بت نکالدیئے تھے رسول نے
اللہ کو نکال رہے ہین دلون سے آپ

۵

پیری آئی ہوئی جوانی رخصت
ساتھ اُسکے وہ لطفِ زندگانی رخصت
ہے اب تو اسی کا انتظار اے اکبر
ہمکو بھی کرے جان فانی رخصت

۶

دنیا کرتی ہے آدمی کو برباد
انکار سے رہتی ہے طبیعت ناشاد
دو ہی چیزین ہین بس محافظ دل کی
عقبیٰ کا تصور اور اللہ کی یاد

۷

بے سود ہے گنج و مال و دولت کی تلاش
ذلت ہے دراصل جاہ و شوکت کی تلاش
اکبر تو سرور طبع کو علم مین ڈھونڈھ
محنت مین کر سکون و راحت کی تلاش

۸

بے غیرت و خود فروش و جاہل سے نہ مل
حق سے جو ہو غافل ایسے غافل سے نہ مل
یکجا کر دیں حوادث دہر اگر
جائز ہے کہ اُنسے مل مگر دل سے نہ مل

۹

اس بزم سے سب کے سب اُٹھے جاتے ہین
تسکین کے جو تھے سبب اُٹھے جاتے ہین
اک قوت مذہبی عقیدون سے تھی
وہ بھی تو دلون سے اب اُٹھے جاتے ہین

۱۰

گر جیب مین زر نہین تو راحت بھی نہین
بادو مین سکت نہین تو عزت بھی نہین
گر علم نہین تو دور و زر ہے بے کار
مذہب جو نہین تو آدمیت بھی نہین

۱۱

ہے صبر و قناعت اک بڑی چیز اکبر
لذت ابھی اسکی تو نے چکھی ہے کہان
دنیا طلبی کے وعظ مین محو ہے تو
یہ بھی تو ذرا سمجھ کہ رکھی ہے کہان

۱۲

خاطر مضبوط دل توانا رکھو
امید اچھی خیال اچھا رکھو
ہو جائینگی مشکلین تمھاری آسان
اکبر اللہ پہ بھروسا رکھو

۱۳

اعمال کے حسن سے سنورنا سیکھو
اللہ سے نیک امید کرنا سیکھو
مرنے سے مفر نہین ہے جب اے اکبر
بہتر ہے یہی خوشی سے مرنا سیکھو

۱۴

اللہ کا صدق دل سے جو طالب ہو
حیرت نہین گر ملک کا ہم قالب ہو
ہرگز نہ بڑھینگے اس سے نیچر کے مرید
ممکن نہین جسم روح پر غالب ہو

۱۵

جس بات مین تم شکست ملت سمجھو
اُسمین شرکت کو اپنی ذلت سمجھو
جو بندۂ نفس ہو مخالف اُس کا
قومی غیرت کی اُس مین قلت سمجھو

۱۶

حاصل کرو علم طبع کو تیز کرو
باتین جو بُری ہین اُنسے پرہیز کرو
قومی عزت ہے نیکیون سے اکبر
اس مین کیا ہے کہ نقل انگریز کرو

۱۷

دنیائے دنی کی ہوس جانے دو
گلچین ہو اگر تو خار و خس جانے دو
مالک کے بغیر گھر کی رونق نہین کچھ
اللہ کو اپنے دل مین بس جانے دو

۱۸

کہتا ہون مین ہندو و مسلمان سے یہی
اپنی اپنی روش پہ تم نیک رہو
لاٹھی ہے ہوائے دہر پانی بن جاؤ
موجون کی طرح لڑو مگر ایک رہو

۱۹

تسبیح و دعا مین جس نے لذت پائی
اور ذکر خدا سے دل نے راحت پائی
کوئی نہین خوش نصیب اُس سے بڑھکر
بس دونون جہان کی اُسنے نعمت پائی

۲۰

خواہش ہے اگر تجھے غنی بننے کی
دولت کی ہوس ہے اور دھنی بننے کی
شخصی حالت کو چھوڑ کر اے بندے
کوشش لازم ہے کمینی بننے کی

Chafal 1987